مقالاتِ یوسفی

شخصیات و تأثرات

جلد دوم

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

1

مکتبہ لدھیانوی

مقالاتِ یوسفی

شخصیات و تأثرات

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ



مکتبہ لدھیانوی

اشاعت اول: .... مارچ ٢٠٠١ء

قیمت: ....

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

دکان نمبر ١٨ اسلام کتب مارکیٹ،

بنوری ٹاؤن، کراچی

فہرست

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ جس موضوع پر قلم اٹھایا تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اسی بنا پر آپ کو ہمارے مخدوم و مرشد حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم نام اور ہم کام سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمأ حق ہر باطل کے خلاف آپ کی تحریروں کا انتظار فرماتے اور ان سے رہنمائی حاصل کرتے، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم نے تو آپ کو "ترجمان علمأ حق" کا خطاب دیا تھا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ نے "بصائر و عبر" کا حق ادا کر دیا۔ اسی طرح علمأ حق کی وفات پر آپ کے تأثرات انمٹ نقوش کی حیثیت رکھتے

تھے۔ آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے ان تأثرات کی پہلی جلد ”شخصیات و تأثرات“ کے نام سے شائع ہوگئی تھی۔ دوسری جلد تکمیل کے مراحل میں تھی کہ آپ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوگئے اور اس طرح بصائر و عبر کا وہ سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچا جو آپ نے حضرت بنوریؒ کے بعد شروع کیا تھا۔ اب آپ کے بعد آپ کے جانشین اس تسلسل کو باقی رکھنے کی کوشش کریں گے۔

یہ کتاب مرتب ہو کر طباعت کے مرحلہ میں ہے۔ میری تجویز اور خواہش پر حضرتؒ کی شہادت کے موقع پر بینات میں بصائر و عبر کے عنوان سے جو پہلا تأثر مولانا سعید احمد جلال پوری نے تحریر فرمایا تھا اس کو بھی بطور مقدمہ شامل کردیا گیا ہے تاکہ حضرتؒ کے تأثرات کو حضرتؒ کی شخصیت کے تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔ اس دوسری جلد میں اکابر علمأ کرام کا تذکرہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قلم مبارک سے ایک نادر تحفہ کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے جو انشأ اللہ امت کے لئے بہت نافع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور حضرت شہیدؒ اور اکابر علمأ دیوبند کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

(مفتی) نظام الدین شامزی)

شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

شہید اسلام مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جواہر پاروں پر مشتمل علماء حق، اکابر دیوبند، قافلہ امیر شریعت اور سلسلہ ولی اللہی کی سرخیل ہستیوں کے تذکرے کی دوسری جلد "شخصیات و تاثرات" کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں پہنچ کر شہید اسلام کی خدمات کے ایک گوشہ کی رہنمائی کررہی ہے اور حضرت شہیدؒ کی یاد کو آپ کے اور ہمارے دلوں میں تازہ کررہی ہے اور اس بات کا مشاہدہ کرارہی ہے کہ اکابر علماء دیوبند اپنی تحریروں، حسنات اور صدقات جاریہ کی شکل میں تاقیامت زندہ رہیں گے اور شہید اسلام کی یہ تحریریں بھی انشاء اللہ قیامت تک تاریخ کے روشن باب کی طرح جگمگاتی رہیں گی۔

محدث العصر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے باطل فرقوں کی تحریرات باطلہ کے خلاف قلمی جہاد کے طور پر ماہنامہ بینات شروع کیا اور بصائر وعبر کے عنوان سے ہر ماہ اپنے قلم مبارک سے ادارتی تحریر کا آغاز کیا،

ابتدائی مرحلے میں ہی ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ماڈرن اسلام کا فتنہ کھڑا ہو گیا، جس کے خلاف آپ نے جہاد کا آغاز کیا ہی تھا کہ مرشد العلماً حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بھی اس قلمی جہاد سے متأثر ہو کر میدان عمل میں اترے اور پہلی تحریر تصحیح کے لئے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں ارسال کی۔ تحریر کیا تھی ایک نایاب گوہر اور اس کے پس منظر میں مستقبل کا ترجمان علمأ دیوبند موجود تھا۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر پڑھی اور صاحب تحریر کو طلب فرمالیا۔ مولانا محمد ادریس میر ٹھیؒ نے بینات کی ادارت سونپی۔ مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہم اللہ نے رفاقت کی نوید سنائی، یوں بینات مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تحریروں کی وجہ سے چار دانگ عالم میں اسلام کی عظمت اور باطل کی سرکوبی کا علم بلند کرنے لگا۔ حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری دور میں "بصائر و عبر" کی ذمہ داری سونپی اور بقول حضرت اقدس شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی "میں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے لگا"۔ ایک طرف آپ کے اپنے بارے میں یہ تأثرات اور دوسری طرف اہل حق اور علمأ دیوبند کا آپ کو ان تحریرات پر خراج تحسین، خاص کر اکابر علمأ دیوبند کی وفات پر آپ کے نقوش و تأثرات کو جو پذیرائی ملی وہ قدرت خداوندی کا خاص عطیہ ہے اس بنا پر یہ تمام تحریریں آپ کی حیات طیبہ میں ہی شائع ہونا شروع ہو گئی تھیں اور پہلی جلد "شخصیات و تأثرات" کی منظر عام پر آکر علمأ کرام اور اہل حق سے خراج تحسین حاصل کر چکی تھی، دوسری جلد تیاری کے مراحل میں

تھی۔ عام طور پر اس کا تسلسل دوسری جلد کی ضخامت میں ہر ماہ اضافہ کرتا تھا۔ اس بنا پر ہر دفعہ یہ بات باعث تاخیر ہو جاتی کہ اس ماہ رخصت ہونے والی عظیم اور بڑی شخصیت کا تذکرہ بھی اس میں شامل کر دیا جائے تا آنکہ یہ عذر بھی ختم ہو گیا اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو کر خود بصائر و عبر کا ایک ایسا موضوع بن گئے کہ جس پر لکھنے والے حیران و پریشان تھے کہ صاحب بصائر و عبر کا وہ تکملہ جس کو حضرت شہیدؒ ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند'' سے تعبیر کرتے تھے اب کس عنوان سے لکھا جائے گا؟ اور اس کی ہمت کون کرے گا؟ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر باوجود قلبی تقاضے اور لکھنے کی آرزو کے چند جملوں سے زیادہ نہ لکھ سکا اور قلم نے ساتھ نہ دیا۔ حضرت شہیدؒ کے ساتھ تو یہ واقعہ زندگی میں ایک دفعہ پیش آیا مگر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سرخروئی کے ساتھ رخصتی نے ان کے خدام کو پہلے مرحلے میں ہی اس کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مفتی نظام الدین شامزی، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا سعید احمد جلال پوری، مولانا نذیر احمد تونسوی اور راقم الحروف حیران و پریشان تھے کہ ماہنامہ بینات اور تصانیف کا عظیم سلسلہ کس طرح اپنا سفر حق جاری رکھ سکے گا؟ چونکہ اخباری مضامین تو کسی نہ کسی طرح چل جاتے ہیں اس لئے اخبارات نے تو حضرتؒ پر خوب لکھا۔ اسی طرح ہفت روزہ ختم نبوت اور ماہنامہ لولاک بھی منظر عام پر آگیا۔ اکابر علمأ دیوبند کی دعاؤں کی برکت سے تصانیف کا منقطع سلسلہ مفتی نظام الدین

شامزی شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ذریعہ شروع کرادیا گیا اور حضرت شہیدؒ کی آخری تصنیف "المعتمد فی المعتقد" (از علامہ فضل اللہ تور پشتی رحمۃ اللہ علیہ) کے ترجمے اور تالیف کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ مگر مولانا سعید احمد جلال پوری بصائر و عبر میں "ٹاٹ کے پیوند" کیلئے اپنے اندر ہمت نہیں پارہے تھے۔ آخرکار ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کی قوت قدسیہ نے اثر دکھایا اور برادرم مولانا سعید احمد جلال پوری کے استفسار پر انہوں نے فرمایا کہ آپ بصائر و عبر لکھیں، میرے ذہن میں حضرت شہیدؒ کی جگہ مدیر متعین ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کی برکت...... مولانا سعید احمد جلال پوری نے پہلا بصائر و عبر حضرت شہیدؒ کے دستور کے مطابق اس ماہ رخصت ہونے والی شخصیت، اپنے اور علماءِ حق کے مرشد پر تحریر فرمایا اور اس طرح بصائر و عبر کا منقطع سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور شخصیات وتأثرات کی دوسری جلد جو غالباً اپنی تکمیل کیلئے اس آخری بصائر و عبر کی منتظر تھی، مکمل ہو گئی۔

اس جلد کا پہلا تأثر بصورت مقدمہ حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے پر مشتمل ہے جو حضرت کے خلیفہ اور رفیق خاص مولانا سعید احمد جلال پوری کے قلم سے ہے، جبکہ اس میں تمام نقوش و تأثرات حضرت شہیدؒ کے بابرکت اور پر اثر قلم کا عکس ہیں، جس کے ذریعہ علماءِ حق کی سچی تصویر کی ایک ادنیٰ جھلک امت کے سامنے پیش کی گئی ہے خاص کر حضرت علامہ شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت

علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ، مولانا اسحٰق صدیقی وغیرہ حضرات پر حضرت شہیدؒ کے تأثرات ایک ایسا علمی ذخیرہ اور عقیدت کے پھول ہیں، جن کی مہک قیامت تک محسوس کی جائے گی اور امت اس سے قیامت تک استفادہ کرتی رہے گی۔

حضرت اقدس شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ کتاب شائع ہو جاتی تو حضرتؒ کی حوصلہ افزا مسکراہٹ اور ڈھیروں دعائیں ہمارے لئے بہت بڑا ذخیرہ ہوتیں، مگر رب کائنات سے امید ہے کہ اس کی اشاعت سے حضرت شہیدؒ کی روح کو جو مسرت اور راحت ہوئی ہوگی وہ ہم سب کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب. خلیفہ مجاز حضرت شہیدؒ، بھائی عبداللطیف صاحب، بھائی عتیق الرحمٰن لدھیانوی صاحب اور عزیزم سید اطہر عظیم کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے ہر مرحلہ پر اعانت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے اور حضرت شہیدؒ کی حسنات اور صدقات جاریہ کو قائم و دائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

(مفتی) محمد جمیل خان

خاکپائے حضرت اقدس شہید رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

ناموس رسالتؐ کے پاسبان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ :

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ حدیث، روزنامہ جنگ کے مشہور و مقبول عام سلسلہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے فقہی کالم نگار ماہنامہ ''بینات'' کے مدیر شہیر، ہفت روزہ ''ختم نبوت'' کراچی کے مدیر اعلیٰ، ماہنامہ ''لولاک'' فیصل آباد کے سرپرست، جامع مسجد فلاح نصیر آباد کے محراب و منبر کی زینت، اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر نشین، بیسیوں معرکۃ الآرا کتابوں کے مصنف، لاکھوں

دلوں کی دھڑکن، محدث العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث، امام العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی مراد، ان کے "ہم نام و ہم کام" حکمت نانوتویؒ کے عظیم شارح، تحریک آزادی کے نامور مجاہد، علمائے لدھیانہ کے جانشین، فلسفہ ولی اللّٰہی کے داعی و مناد، امت مسلمہ کے دین و ایمان کے محافظ، خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے محبوب تلمیذ و مسترشد، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے روحانی جانشین، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی تحریک آزادی ہند کے مخلص کارکن، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کے "سخن دان" مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے معتمد اور رفیق کار، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے "مرکز و مدار" سرمایہ ملت اسلامیہ کے نگہبان، حریم نبوت کے پاسبان، مسند سلوک و احسان کے صدر نشین، اکابر علمائے امت اور عوام و خواص کے ماویٰ و ملجا، تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے سرپرست، مرشد العلماء، شہید اسلام، حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو بروز جمعرات ۱۴/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء صبح تقریباً دس ساڑھے دس بجے اپنے گھر سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جاتے ہوئے نصیر آباد اسٹاپ پر فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شئی عندہ باجل مسمیٰ۔

حضرت شہیدؒ کے بقول: "موت کوئی اچنبھا نہیں کہ اس پر حیرت و تعجب کا

اظہار کیا جائے، یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے، موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ ولی، نہ عالم نہ جاہل، نہ نیک نہ بد، نہ مومن نہ کافر، نہ شاہ نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سب ہی گئے، اور سب ہی کو جانا ہے"۔

مرشد العلماء حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی دلی خواہش، تمنا اور آرزو پوری ہوئی کہ وہ شہادت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہو گئے، اور وہ بھی اس شان سے کہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھتے ہی خونی غسل کیا، اور سرخ رو ہو کر بارگاہ الٰہی میں اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کر دیا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے وہ نہایت تیزی سے جنت الفردوس میں پہنچ گئے، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حضرتؒ اس تیزی سے دنیا کی سرحد پار کر جائیں گے، شاید اس لئے کہ جس طرح دنیا میں ہر خیر کے معاملہ میں وہ پیش پیش اور مسلمانوں کی امامت و قیادت کے منصب پر فائز تھے، اسی طرح انہوں نے موت، شہادت اور جنت میں پہنچنے کے مرحلہ پر بھی اپنے اس معمول کو برقرار رکھا، آہ حضرت کیا گئے کہ ملت کا صبر و سکون بھی ساتھ لے گئے، ہم سب کو بلکہ مسلمانان عالم کو بے سہارا اور یتیم کر گئے، آج ہر آنکھ اشک بار ہے اور ہر شخص دل فگار ہے، اس لئے کہ جانے والوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ:

"جب وہ جاتے ہیں تو ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے،
آسمان و زمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے،
زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے......" (شخصیات ص:۱۶)

سمجھ نہیں آتا کہ حضرت پر کس طرح لکھوں؟ اور کیا لکھوں؟ اور ان کی زندگی کے کس کس گوشہ کو اجاگر کروں؟ عقل و خرد اور سوچ و فہم ساتھ چھوڑ گئے ہیں، دل و دماغ ماؤف ہو چکے ہیں اور سوچوں پر تالے لگ گئے ہیں، ابھی تک یہی یقین نہیں آتا کہ ہمارے مشفق و مربی، ماہنامہ بینات کے مدیر، جامعہ علوم اسلامیہ کے استاد، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں اور کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ، واقعی ہم سے جدا ہو گئے ہیں؟ نہیں! نہیں! دل و دماغ اس کشمکش میں ہیں کہ حضرت شہید نہیں ہوئے بلکہ کہیں کسی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں، یقیناً آپؒ کسی درس و تدریس یا وعظ و تلقین کی مجلس، یا پھر کسی دینی ادارہ کی افتتاحی، اختتامی یا دعائیہ تقریب میں تشریف فرما ہوں گے، اور حسب معمول آپؒ ٹھیک گیارہ بجے دفتر تشریف لائیں گے، ہم سب کی سرپرستی فرمائیں گے، اپنے متعلقین و محبین کو شرف ملاقات بخشیں گے، ان کو اپنے سینے سے لگائیں گے، انہیں تسلی دیں گے، ان کی پریشانیوں کا حل بتلائیں گے، علامہ فضل اللہ تورپشتی کی کتاب "المعتمد فی المعتقد" کا ترجمہ املا کرائیں گے، طحاوی شریف کے سبق کی تیاری فرمائیں گے "آپ کے مسائل اور ان کا حل" لکھوائیں گے، بینات کی کاپی کے بارے میں پوچھیں گے اور "تحفہ قادیانیت" جلد چہارم، "دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار" اور "شخصیات و تاثرات" جلد دوم کے بارہ میں استفسار فرمائیں گے۔

لیکن افسوس کہ یہ محض ظن و تخمین اور وہم و خیال ثابت ہوئے، آنکھوں

کے مشاہدہ اور اپنے ہاتھوں آپؒ کی تکفین و تدفین نے اس خیالی شیش محل کو چکنا چور کر دیا کہ حضرت اب ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

اگر چہ اس پر ایک گونا اطمینان ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ ہمارے حضرتؒ کو شہادت کی آرزو تھی، اس کے لئے انہوں نے دعائیں کیں، ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور انہیں ان کی آرزو مل گئی، اور وہ حیات جاوداں پاکر جنت کی نعمتوں سے شاد کام ہو گئے، انشاء اللہ اب آپ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے، اپنے اکابر اساتذہ اور اہل جنت اور مجلس شہدا میں محو گفتگو ہوں گے، اور اپنے رب سے دوبارہ دنیا میں آنے اور راہ وفا میں جان نچھاور کرنے کی تمنا کرتے ہوں گے، بلاشبہ اب آپؒ اپنے خادم شہید عبدالرحمٰنؒ کے ہمراہ عرش الٰہی کے سایہ میں خوش خرام ہوں گے۔

اگر صدمہ ہے تو اس پر کہ ہم حضرت کے انفاس طیبات سے، ان کی شفقت و محبت سے اور امت آپ کی دعاؤں سے محروم ہو گئی، اور ایک سراپا خیر شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ گئی، اسی لئے جامعہ علوم اسلامیہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب چلے گئے، دارالحدیث کے در و دیوار اداس ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے روحانی فرزند اور حکیم العصر کی سحر آفرین آواز بند ہو گئی، مجلس تحفظ ختم نبوت نوحہ کناں ہے کہ امیر شریعتؒ کا جانشین اٹھ گیا، گھر گھر ماتم ہے کہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی شکل میں ہماری دہلیز پر مسائل کا حل بتلانے والا فقیہہ دوراں نہ رہا، اقرأ روضۃ الاطفال اور لاکھوں مدارس ماتم کناں ہیں کہ ہمارا سرپرست نہ رہا، دینی تحریکات دم بخود ہیں کہ ہمارا محسن اٹھ گیا، اہل حق حیران ہیں کہ ان کی ڈھال ٹوٹ

گئی اور زنادقہ و ملاحدہ کا تعاقب کرنے والا مرد درویش چلا گیا۔ غرض عوام و خواص، عالم و جاہل، بڑے اور چھوٹے سب ہی اپنی اپنی جگہ اس نابغہ روزگار ہستی اور عبقری شخصیت کی جدائی اور فراق کے صدمہ سے نڈھال ہیں۔ کسی کو کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور نفسا نفسی کے بحر بے کنار میں اس کی کشتی ساحل مراد تک کیسے پہنچ سکے گی؟ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنے رنج و غم اور درد والم کی داستان کسے اور کیسے سنائے؟ اور اس کے دل مجروح پر شفقت و محبت کی مرہم کون رکھے گا؟

فیاض ازل نے حضرت اقدس مرشد العلماً مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جن کمالات و فضائل اور خصوصیات و مزایا سے نوازا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسے کوتاہ عقل و فہم تو ان کے ادراک و شعور سے بھی قاصر ہیں، آپ بیک وقت بہترین حافظ و قاری، لائق و فائق عظیم محقق و مصنف، بلند پایہ محدث، اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز، طرح دار ادیب، بے مثال اور کامیاب مدرس اور مسند اصلاح وارشاد کے قطب الاقطاب تھے۔ آپ تقریر و تحریر اور تصنیف و تالیف کے امام تھے، دور حاضر کے ملاحدہ اور زنادقہ کے خلاف قلم اٹھاتے تو معلوم ہوتا کہ آپ میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی روح عود کر آئی ہے، اصلاح وارشاد کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو لگتا کہ غزالیؒ و رازیؒ پھر سے زندہ ہو گئے ہیں، فقہ و فتویٰ کے میدان میں لب کشا ہوتے تو ابو حنیفہؒ کی فقاہت کے شارح نظر آتے، تقویٰ و طہارت، زہد و استغنا، قناعت و توکل، ایثار و قربانی اور عفو و درگزر وغیرہ ملکوتی صفات کے اعتبار سے آپ اس دور کے نہیں خیر القرون کے آدمی معلوم ہوتے۔ غرض ہمارے پاس نہ تو مناسب

الفاظ و تعبیرات ہیں کہ ہم حضرتؒ کی خوبیوں کو بیان کر سکیں اور نہ ہی قلم و قرطاس میں یارا ہے کہ آپ کے محاسن و کمالات کو بیان کیا جا سکے، آپ کے اخلاص، للّٰہیت، بے لوثی، بے غرضی، بے نفسی اور فروتنی اور خمول و گوشہ نشینی نے آپ کو عنداللہ محبوب و مقبول اور مسلمانوں کی دلوں کی دھڑکن بنا دیا تھا، سچ پوچھئے تو حضرت کی ایک ایک ادا اپنے اندر "بسیار شیوہ ہائے بتاں" رکھتی تھی۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے موقع پر اظہار افسوس و غم کے لئے احباب و عقیدت مندوں، تلامذہ اور اکابر و مشائخ نے مختلف انداز و اسلوب اختیار فرمائے ہوں گے مگر سخن سازی اور تصنع سے عاری اگر کوئی خراج عقیدت کا انداز ہے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ ہے جو انہوں نے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین اطہر کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: "طبت حياً و ميتاً" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور موت بھی پاکیزہ)۔ بلاشبہ آج یہ جملہ ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتی، آپؐ کے عاشق صادق، پاسبان ناموس رسالتؐ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر ہر طرح صادق آتا ہے، اس لئے کہ آپ نے کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری، مقبولیت عامہ کا سنہری تاج تادم آخر آپ کے سر پر سجا رہا، آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سنت سے عبارت تھا، ذکر و شغل آپ کی حیات و روح تھی، اصلاح و ارشاد، وعظ و نصیحت آپ کا امتیاز، درس و تدریس آپ کی مشغولیت، احقاق حق اور تردید باطل آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ آپ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا مگر عجب و نخوت

اور کبر و غرور کبھی پاس سے نہیں گزرے، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب پاک و ہند اور یورپ و امریکہ تک آپ کی علمی اور روحانی شخصیت کا ڈنکا تھا مگر مجال ہے کہ اس سے کوڑی برابر دنیاوی مفاد حاصل کیا ہو۔

دوسری طرف جب موت آئی تو منہ مانگی اور زندگی بھر کے مناجات مقبول کے معمول "اللهم بارك لى فى الموت وفى ما بعد الموت" کی تعبیر فوراً سامنے آگئی کہ چار دن قبل شہادت کی دعا مانگی تھی۔ کسے خیال تھا کہ وہ اس قدر آسانی اور جلدی سے قبول ہو جائے گی؟ آپ نے رات بھر کے معمولات پورے کئے، صبح نماز کے بعد ذکر و تلاوت اور اشراق کا معمول بھی ناغہ نہیں ہوا، بارگاہ عالی میں حاضری کے لئے غسل کیا، نیا جوڑا زیب تن کیا، خوشبو لگائی، تسبیح ہاتھ میں لی، زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا کہ قدرت کی جانب سے بلاوا آگیا اور اللہ اللہ کرتے شہادت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہو گئے۔ اس پر بھی بس نہیں، قدرت نے اس بہشتی دولہے کی خود حنابندی فرمائی اور ستر سال کے اس بہشتی جوان کو گل و لالہ کی بجائے شہادت کے لہو کا گلوبند پہنایا گیا۔

اسے قدرت الٰہی کا کرشمہ کہئے یا حضرتؒ کی محبوبیت عند اللہ کا راز: کہ آپؒ کی "حنابندی" میں تکوینی طور پر اس کا بھی خیال رکھا گیا کہ غازۂ حسن ملتے ہوئے آپؒ کی داڑھی مبارک کو تو خون سے رنگین کیا گیا، مگر آپ کے رخ زیبا پر اس کا کوئی نشان نہ آنے دیا گیا، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کے چہرۂ انور پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں آنے دیا گیا، کہ کہیں آپؒ کے حسن و محبوبیت میں فرق نہ آجائے۔

سچ ہے کہ: "من احب لقاء الله احب الله لقائه" کے مصداق جو اللہ سے

ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ یہ لقاء الٰہی کی محویت ہی تھی کہ سفاک قاتلوں نے آپ کے جاں نثار رفیق اور ڈرائیور عبدالرحمٰن پر فائرنگ کی، پھر ان درندوں نے یکے بعد دیگرے چار گولیاں آپ کے نحیف و نزار جسم میں پیوست کرتے ہوئے آپؒ کو شہید کر دیا۔ مگر آپؒ کے چہرہ انور پر ذرہ بھر کسی وحشت و دہشت کے آثار نہیں تھے بلکہ نہایت ہشاش بشاش اور مسکراتے چہرے کے ساتھ جام شہادت نوش فرما کر ارشاد الٰہی: "یاایتها النفس المطمئنه ارجعی الی ربك راضية مرضيه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" (پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں، اور داخل ہو میری بہشت میں) کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

شہید اسلام حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن کمالات و خصائص اور مآثر و فضائل سے نوازا تھا ان کا احاطہ کرنا مجھ ایسے کسی کوتاہ قلم انسان کے بس میں نہیں، بلاشبہ حضرت اقدسؒ اپنی ذات میں انجمن تھے، اور ارشاد الٰہی: "ان ابراهيم كان امة" (ابراہیم علیہ السلام امت تھے) کے مصداق آپ کی شخصیت ایک فرد کی بجائے پوری جماعت سے عبارت تھی، آپ کی علمی خدمات کو دیکھا جائے تو یقین نہیں آتا کہ یہ کسی فرد واحد کا کام ہو سکتا ہے؟

آپ کا سب سے اہم کمال یہ تھا کہ آپ جہاں اعدا اسلام کے لئے تیغِ براں تھے وہاں اپنوں کے معاملہ میں "رحماء بينهم" کی سچی تصویر تھے، آپ عصبی، گروہی اختلافات اور معاصرتی چشمک سے بالکل الگ تھلگ، ریا دکھلاوے سے دور اور نمود و نمائش سے متنفر تھے، گوشہ نشینی آپ کا اختصاص و امتیاز تھا، آپؒ اپنے آپ

کو نمایاں کرنے کے بالکل قائل نہ تھے اور نہ ہی اپنے بارہ میں کسی تعریف و توصیف کے روادار تھے۔

آپ کی دینی خدمات اور کارناموں پر جہاں لاکھوں عقیدت مند آپ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے اور تعریف و توصیف کے گلہائے عقیدت نچھاور کرتے، وہاں دشمنان اسلام کو آپ کا احقاق حق ناپسند تھا اور وہ آپ کو گالیوں بھرے خطوط سے نوازتے، مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرماتے کہ عقیدت مندوں کی تعریف و توصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، تو بحمد اللہ وہ ان سے صاف ہو جاتی ہے۔

ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے کسی بڑے آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ: کیا مولانا محمد یوسف لدھیانوی باقاعدہ مفتی ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ: "وہ نہ باقاعدہ مفتی ہیں اور نہ بے قاعدہ"۔ اس معاصرتی فقرہ سے کسی ناگواری کے بجائے مسکراتے ہوئے فرمایا: "ہاں بھائی وہ صحیح فرماتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں اور نہ بے قاعدہ"۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آپ کے کسی فتویٰ کے مقابلہ میں اہل حق کے کسی دوسرے دارالافتا کا فتویٰ لاتا تو فرماتے: "بھائی میری تحریر کی بجائے آپ اس دوسرے فتویٰ پر عمل کریں۔"

آپ کا ایک کمال یہ تھا کہ ان سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کا سب سے زیادہ تعلق مجھ سے ہے، اس طرح پاکستان بھر کی تمام دینی اور مذہبی جماعتیں، ان کے اکابر و کارکن سمجھتے کہ حضرت ہمارے سرپرست ہیں، سچ یہ ہے

کہ آپ ہر ایک کے محبوب و مقبول میر کارواں تھے۔

حضرت کی شہادت کی خبر سنتے ہی پورا کراچی بلکہ پورا پاکستان غم واندوہ میں ڈوب گیا اور آناً فاناً بازار بند ہو گئے، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، اندرون و بیرون ملک سے لوگ دیوانہ وار اپنے محبوب قائد اور مشفق و مربی شیخ کے آخری دیدار اور ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے آنا شروع ہو گئے، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فلاح اور اس کے آس پاس کا علاقہ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے بھر گیا۔ ہر شخص اشک بار تھا اور ہر دل رنجیدہ تھا، اپنے بھی غم واندوہ کی تصویر تھے اور پرائے بھی اس سے متاثر تھے۔ صبح گیارہ بجے ہی سے حضرت کے جسد خاکی کو حضرت کے قائم کردہ دارالعلوم زکریا الخیریہ میں رکھ دیا گیا۔ عشا تک عشاق نے لائن لگا کر اپنے اس محبوب قائد کے رخ زیبا کی زیارت کی۔ حسب پروگرام عشا کی نماز کے بعد اس بے تاج بادشاہ اور دلوں پر حکمرانی کرنے والے شہید اور امت مسلمہ کے عظیم محسن و مربی کے جسد خاکی کو ایک کھلے ٹرک میں رکھ کر جلوس کی شکل میں بنوری ٹاؤن لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والے جلوس میں بلا مبالغہ ہزاروں کاریں، بسیں اور لاکھوں موٹر سائیکلیں تھیں، اخباری رپورٹ کے مطابق سات لاکھ پروانوں پر مشتمل دس میل لمبا یہ جلوس عائشہ منزل، کریم آباد، لالو کھیت اور تین ہٹی کے راستہ سے ہوتا ہوا تقریباً ایک گھنٹہ میں بنوری ٹاؤن پہنچا، یہاں پہنچ کر منظر اور بھی حیران کن تھا کہ مسجد و مدرسہ اور ان کی چھتوں، دکانوں، مکانوں، سڑکوں اور گلیوں

میں بنائی گئی صفوں کے علاوہ مسجد کی مغربی جانب بلا مبالغہ لاکھوں کا مجمع تھا جو اپنے محبوب کے جسد خاکی کو ایک بار کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ ان میں سے ہزاروں افراد ایسے تھے جو آخری دیدار سے باریاب نہیں ہو سکے تھے، ان کا خیال تھا کہ انہیں زیارت کرائی جائے، دوسری جانب اندیشہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ جنازہ اور تدفین میں تاخیر ہو جائے گی بلکہ اس کے لئے ایک رات کیا کئی راتیں بھی ناکافی ہوں گی۔ مسجد کے گیٹ تک جنازہ لانے کے لئے جس قدر مشقت اٹھانا پڑی وہ ایک طویل داستان ہے۔ بالآخر ٹرک گیٹ کے سامنے کھڑا کر کے حضرت شہید کے جسد خاکی کو اتارا گیا اور خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر اسی طرح دوبارہ آپ کے جسد مبارک کو ٹرک پر رکھا گیا اور فوراً آخری قیام گاہ کی طرف جلوس جنازہ روانہ ہو گیا۔ مقامی انتظامیہ نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلہ میں تعاون نہیں کیا بلکہ اس نے جنازہ کے جلوس میں متعدد بار اشک آور گیس کے گولے برسا کر مسلمانوں کے دلوں پر نمک پاشی کی۔ اگر اکابر علماً اور جامعہ علوم اسلامیہ کے حضرات بروقت عوام کو صبر و سکون کی تلقین نہ کرتے تو مزید بہت بڑے فساد کا اندیشہ تھا۔

بہر حال عشاق کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جلوسِ جنازہ کی شکل میں تقریباً رات ساڑھے بارہ بجے مسجد خاتم النبیین پوسٹ آفس کالونی ابوالحسن اصفہانی روڈ پہنچا، سب سے پہلے حضرت کے وفادار خادم اور ڈرائیور عبدالرحمٰن شہید کی تدفین کی گئی اور اس کے بعد بے حد اصرار پر وہاں موجود پروانوں کو حضرتؒ کا آخری دیدار کرایا گیا اور بالآخر تقریباً رات ایک بجے اس علم و فضل کے تاجدار کو جامع مسجد خاتم النبیین کے

پہلو میں سپرد خاک کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے عشاق کی نظروں سے اوجھل کردیا گیا۔

حضرتؒ کی شہادت اور آپ پر وار دراصل علم وعمل، زہد وتقویٰ اور شرافت ونجابت پر وار اور اس کا قتل ہے، حکومت کا فرض ہے کہ اس عظیم سانحہ پر فوری طور پر اس گھناؤنی سازش کو بے نقاب کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرتؒ کو اپنی بارگاہ عالی سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرتؒ کے متعلقین اور خدام کو اپنے شیخ کے چھوڑے ہوئے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ قارئین "بینات" اور حضرتؒ کے متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ حضرتؒ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ

اور ان کی تصنیفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

یکم اور دو جنوری ۱۹۸۶ء کو دہلی میں جمعیت علمائے ہند کی طرف سے "شیخ الہندؒ سیمینار" منعقد کیا گیا، جس کے لئے راقم نے "شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی تصنیفات" کے عنوان سے مقالہ لکھا، امام اہل سنت اور جانشین بنوریؒ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، قدس سرہ نے سیمینار میں شریک ہو کر اسے پیش فرمایا، جو بعد میں "ایضاح الادلہ" کے پیش لفظ کے طور پر مختصراً اور ماہنامہ بینات کراچی بابت جمادین ۱۴۰۶ھ میں کاملاً حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ہی کے نام سے شائع ہوا تھا۔

اب جب کہ اسے راقم الحروف کی کتاب شخصیات و تاثرات میں شامل کیا جارہا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ سے قبل حضرت شیخ الہندؒ کے مختصر حالات زندگی، ان کا سوانحی خاکہ اور ان کی عبقری شخصیت کے چند نقوش بھی شامل کردیئے جائیں۔

ولادت :......جنوری ۱۸۵۱ء مطابق ۱۲۶۸ھ کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ان دنوں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب بسلسلۂ ملازمت بریلی میں مقیم تھے، اس نو مولود کا نام محمود حسن رکھا گیا۔ جو آگے چل کر شیخ الہند کے نام سے آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمکا اور علم و عمل کا ماہِ منیر ثابت ہوا۔

خاندانی پس منظر :......آپ کا خاندان دیوبند کے ان چند مبارک خاندانوں میں سے ہے جو نہایت ہی نیک نام خانوادہ شمار ہوتا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی خاندان علم و عمل میں آنکھ کھولی۔ آپ کے جد امجد فتح علی صاحبؒ اپنے علاقہ کی ایک ذی وجاہت شخصیت تھے ۔ اسی طرح آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بھی بہت بلند اقبال اور دینی و دنیاوی اعتبار سے صاحب عزت تھے، آپ کا جود و کرم، علم و عمل اور آپ کے اخلاق و عادات شہر بھر بلکہ پورے علاقہ میں شہرہ رکھتے تھے۔ مال و اولاد کے اعتبار سے بھی آپ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، آپ کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں، آپ کے چاروں صاحبزادے عالم فاضل اور حافظ و قاری تھے۔ البتہ آپ کے سب سے بڑے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہر اعتبار سے بڑے تھے ۔ شہرت و کمال کے اعتبار سے آپ آسمان علم و عمل کے درخشندہ ستارے اور شہرت و ناموری کی اوج ثریا پر فائز ہوئے 'بلا شبہ آپ اپنے خاندان اور آباؤ اجداد کے لئے باعث فخر و مباہات ثابت ہوئے۔

تعلیم :...... آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کو پڑھنے بٹھایا گیا' قرآن مجید کا اکثر حصہ میاں جی منگلوری صاحب سے پڑھا' بقیہ قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی کتب میاں جی مولوی عبداللطیف صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد فارسی کی سب کتابیں اور ابتدائی عربی کتابیں اپنے معزز چچا اور مشہور استاذ مولانا مہتاب علیؒ سے پڑھیں۔ آپ کو بچپن ہی سے کھیل کود سے نفرت تھی' البتہ سیر وسیاحت اور شکار سے دلی مناسبت اور لگاؤ تھا۔

آپ کی عمر یہی کوئی پندرہ سال کی ہوگی جب آپ قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ انہیں دنوں مقبولان بارگاہ الٰہی اور سراپا اخلاص اکابرؒ کی دعاؤں' محنتوں اور کوششوں سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو دیوبند میں ایک عربی مدرسہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تجویز سے اس مدرسہ کے لئے حضرت مولانا سید محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار پر مدرس مقرر کیا گیا اور دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ میں تعلیم کا آغاز ہوا تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم بنے' یوں اس مدرسہ کا سب سے پہلا استاذ بھی "محمود" تھا تو پہلا شاگرد بھی "محمود" ہی قرار پایا۔ اور جہاں شاگرد واستاذ محمود ہوں وہاں کی برکات کا کیا عالم ہوگا؟

۱۲۸۴ھ میں آپ نے کنز الدقائق' میبذی' مختصر المعانی کا امتحان دیا۔ اس سے اگلے سال مشکوٰۃ شریف' ہدایہ اور مقامات پڑھی۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ نے قاسم العلوم والخیرات اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس

سرہ سے کتب صحاح ستہ اور کچھ دوسری کتابیں پڑھیں، اور ۱۲۸۹ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فاتحہ فراغ پڑھا۔

درس و تدریس :...... حضرت شیخ الہندؒ زمانہ طالب علمی سے بہت ہی لائق و فائق اور ذکی و ذہین تھے۔ ان کے اساتذہ کو ان کی ذہانت و ذکاوت اور علمی استعداد پر بھرپور اعتماد تھا' اس لئے فراغت کے اگلے ہی سال دارالعلوم دیوبند میں انہیں بطور معین مدرس استاذ رکھ لیا گیا' حضرت شیخ الہندؒ کی ذاتی استعداد و صلاحیت خلوص و اخلاص اور محنت و لگن کے ساتھ ساتھ ان کے قدسی صفات اکابر اور رشک ملائک اساتذہ کی سرپرستی، صحبت اور دعاؤں نے ایسا اثر دکھلایا کہ حضرت شیخ الہندؒ فراغت کے چوتھے سال دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث کے اساتذہ کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ حضرت مولانا عبدالرشید ارشد اپنی مشہور کتاب "بیس بڑے مسلمان" میں حضرت شیخ الہندؒ کی خداداد صلاحیت تعلیم و فراغت اور تدریس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "حضرت شیخ الہند ۱۲۸۹ھ میں صحاح ستہ اور دیگر علوم و فنون کی اعلیٰ کتابیں مولانا کی خدمت میں ختم فرما کر بطور معین مدرس دارالعلوم میں پڑھانے لگے' ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسہ دستاربندی اور اہل اسلام کے مجمع عام میں اس وقت کے اکابر شیوخ و علماء کی موجودگی میں مولانا شیخ الہندؒ کی دستاربندی ہوئی، اگرچہ مولانا اپنی تعلیم

کے آخری سالوں ہی میں بطور معین مدرس کام کرنے لگ گئے تھے اور فراغ و تحصیل تعلیم کے بعد باقاعدہ مدرسین کی فہرست میں شمار ہونے لگے تھے تاہم ۱۲۹۲ھ میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ایک مدرس چہارم جو تنخواہ دار ہو' کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دوسرے کئی ایک ذہین و فطین دارالعلوم کے فارغ حضرات بھی موجود تھے اور اپنی تعلیم کے زمانہ میں وہ بعض حیثیتوں سے مولانا سے فائق نظر آتے تھے۔ لیکن اس زمانہ کے مقدس مہتمم اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کی فراست صادقہ سے نظر انتخاب مولانا شیخ الہند پر پڑی اور مولانا کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب سے ذکر کیا، آپ کے والد ماجد کو اللہ تعالیٰ نے وسعت اموال عطا فرمائی تھی اور یوں بھی نہایت غیور و شریف تھے۔ اس لئے ان کو گوارا نہ ہوا کہ ان کا لڑکا مدرسہ سے معاوضہ لیکر کام کرے، لیکن دوسرے بزرگان مدرسہ کو اپنے بہت سے مصالح پیش نظر تھے' لہذا ان سب بزرگوں کے ادب کو ملحوظ رکھ کر خاموش رہے اور مولانا شیخ الہند ۱۲۹۲ھ میں بمشاہرہ پندرہ روپے ماہوار مدرس چہارم مقرر ہوئے۔

مولانا اگرچہ درجہ چہارم کے مدرس تھے اور

خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ "ابتدا میں قطبی اور قدوری پڑھا لینے کو بھی میں غنیمت سمجھتا تھا" لیکن طلبہ پہلے ہی سے آپ سے بڑی کتابیں پڑھ رہے تھے اور اب رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور خداداد ذہانت ظاہر ہونے لگی اور اوپر کی کتابیں بھی حسب موقع آپ کے زیر درس آنے لگیں۔ ۱۲۹۳ھ ہی میں آپ صحاح ستہ کی نہایت مشکل اور اہم کتاب ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ جیسی نو کتابوں کے اسباق روزانہ بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، ۱۲۹۵ھ میں تو صحاح ستہ کی دوسری کتب کے علاوہ سب سے بڑی اور افضل کتاب اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف بھی آپ نے پڑھائی۔"

(بیس بڑے مسلمان ص ۲۳۰، ۲۳۱)

سلوک واحسان:

۱۲۹۴ھ میں اکابر اساتذہ اور بزرگوں کی معیت میں حج بیت اللہ کا قصد فرمایا، اس قافلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا رفیع الدینؒ مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد یعقوبؒ اور دیگر متعدد اکابر اور حضرات علماً وصلحاً شامل تھے۔ یہ قافلہ بمبئی سے روانہ ہوکر ۱۳ دن میں جدہ پہنچا وہاں سے اونٹوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف وزیارت سے فراغت کے بعد مرشد العلماً حضرت مولانا حاجی امداد اللہ

مہاجر مکیؒ کی زیارت سے باریاب ہوا' اور فراغت حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی' مسند الہند اور استاذ الاساتذہ شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے شرف ملاقات ہوا' اور واپسی پر حضرت نانوتویؒ ہی کی تحریک پر حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو سند حدیث کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں حضرت نانوتویؒ نے پھر اپنے اس لائق و فائق شاگرد کی سفارش کی کہ حضرت حاجی صاحبؒ اسے بیعت فرمالیں۔ حضرت حاجی صاحب نے اس ہونہار کو نہ صرف بیعت فرمایا بلکہ اسی مجلس میں اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

مسند صدارت تدریس :

اس سفر سے واپسی پر جہاز ہی میں حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بیمار ہوگئے' حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ محترم کی خدمت کر کے شاگردی کا حق ادا کردیا' بہرحال واپس ہندوستان آکر اپنے مشاغل علمی میں مصروف ہوگئے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ دنیا سے بلکہ تعلیم و تعلم سے ہی دل اچاٹ ہوگیا اور گوشہ نشین ہوکر بیٹھ گئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے مشاغل علمی اور درس و تدریس صرف اس لئے تھے کہ استعداد اور قابلیت پیدا ہوجائے گی' اور حضرت نانوتویؒ کے مضامین وارشادات کو سمجھنے لگیں گے' اب جب کہ حضرت ہی رخصت ہوگئے تو ہمارے اس پڑھنے پڑھانے کا کیا فائدہ؟ فکر معاش نے ایسا ہی تنگ کیا تو گھاس کھود کر بسر کرلیں گے"

بہر حال حضرت مہتمم صاحب نے دو تین بار سمجھایا اور بالآخر لا کر مسند تدریس پر بٹھادیا۔ پھر یکے بعد دیگرے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مدرس اول دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ اور استاذ الاساتذہ مولانا محمود صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ دار العلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس پر فائز کردیئے گئے اور آپؒ نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ اپنے اساتذہ کے لگائے ہوئے اس گلشن کی آبیاری اور علوم نبوت کی اشاعت کی غرض سے ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۳۹ھ تک پورے ۳۴ سال آپ صدر مدرس رہے، جب کہ ۱۲۸۹ھ سے ۱۳۳۹ھ تک پورے پچاس سال آپ نے درس و تدریس کے عنوان سے دین کی خدمت اور علوم نبوت کی اشاعت و ترویج میں صرف فرمائے۔

زھد واستغنأ: ...... حضرت شیخ الہندؒ اپنے اکابر اساتذہ کی طرح اس دنیا کے آدمی ہی نہیں تھے۔ انہوں نے جو کام کیا، محض اللہ کی رضا کے لئے کیا، دنیاوی اغراض و مقاصد اور ضروریات و منافع ان کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بنے، وہ تو اپنی ان دینی خدمات اور تعلیم و تعلم پر معاوضہ تک لینے کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن جب تک اکابر نے حکماً اصرار فرمایا، لیتے رہے اور جیسے ہی موقع ملا اس سے جان چھڑالی، مولانا عبد الرشید ارشد اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۰۵ھ میں مولانا سید احمد صاحبؒ مدرس اول
اپنی ضروریات کے خیال اور بعض مصالح سے بڑی تنخواہ پر

بھوپال تشریف لے گئے، تعلیم تو حضرت پہلے ہی سے بڑی جماعتوں کو دے رہے تھے اور جیسا کہ سابق میں گزرا اب سے بارہ سال پہلے ۱۲۹۲ھ سے آپؒ کتب صحاح و بخاری شریف و دیگر علوم کی انتہائی درسیات پڑھا رہے تھے اب آپ مولانا سید احمد صاحب کے مشاہرہ پر باتفاق آرا اکابر و اصاغر مدرس اول نامزد ہوئے اس وقت سے آخر عمر یعنی ۱۳۳۹ھ تک تینتیس سال حضرت مولانا صدر مدرس رہے اور آپ کی ذاتِ بابرکات سے مدرسہ کو جو ترقی ہوئی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مولانا کو کبھی ترتیب درجات اور مقدار مشاہرات پر نظر نہیں ہوئی اور جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے وہ ہمیشہ دار العلوم کی خدمت کو خدائے تعالیٰ کا کام اور دینی فرض سمجھ کر بجالاتے رہے مشاہرہ قبول فرماتے تھے مگر بضرورت و کراہت اگر آپ متاع دنیا کی طلب فرماتے تو بہت مواقع ایسے تھے کہ لوگ حضرت کو سر آنکھوں پر بٹھاتے اور صالح روپیہ مشاہروں اور نذرانوں کی صورت میں پیش کرتے، لیکن آپ نے باوجود ذاتی ضرورتوں کے ہمیشہ اپنے استاذ (قدس سرہ) کے لگائے ہوئے باغ دار العلوم دیوبند کی سرسبزی وشادابی کو مطمح نظر بنائے رکھا اور اسی دینی خدمت میں عمر تمام کر دی، دار العلوم کے مخالفوں نے بدنیتی سے

موقع بموقع دل میں رنجش ڈال کر علیحدگی پر آمادہ کرنا چاہا مگر ناکام رہے پیر جی عبدالرزاق صاحب گنگوہی مہتمم مدارس اسلامیہ دہلی نے محبت اور حسن نیت سے کوئی تحریک کا موقع نہ چھوڑا مگر دل میں حسرت ہی لئے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ حضرت دہلی قیام فرما کر فیوض جاری فرمائیں۔ اور بجا طور پر الامام المحدث شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے خاندان کی نیابت کا حق دہلی میں رہ کر ادا فرمائیں۔

۱۳۱۲ھ میں جب بوجہ گرانی دیگر مدرسین کے مشاہروں میں اضافہ ہوا تو بحکم حضرت گنگوہی قدس سرہ آپ کا مشاہرہ پچاس روپے ہو گیا' آپ نے خاموشی سے قبول فرمالیا۔ دو مرتبہ استاد شفیق حضرت نانوتویؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: "محمود حسن کب تک مدرسہ سے مشاہرہ لیتے رہو گے؟" دونوں مرتبہ پورا عزم مشاہرہ چھوڑ دینے کا فرمایا لیکن حضرت گنگوہیؒ کے ادب سے مجبور تھے، انہوں نے اجازت نہ دی بلکہ ہنس کر فرمایا کہ: "نہیں ان کو کہنے دو' ہرگز نہ چھوڑو"۔ مگر جب حضرت مولانا ممدوح کی وفات ہو گئی اور ماتحت مدرسین کے اضافہ کے ساتھ آپ کے پچھتر روپے مقرر ہوئے تو آپ نے اضافہ بالکل قبول ہی نہ فرمایا اور کچھ عرصہ کے بعد مشاہرہ بالکل بند کر دیا پھر بھی

اسی پابندی اور دلسوزی سے درس دیتے رہے۔"

(بیس بڑے مسلمان ص ۲۳۴،۲۳۵)

تبحر علمی :...... حضرت شیخ الہندؒ واقعی شیخ الہندؒ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح وافر مقدار میں علوم و معارف عطا فرمائے تھے ٹھیک اسی طرح ان علوم کو امت تک پہنچانے اور منتقل کرنے کا شاندار سلیقہ بھی عنایت فرمایا تھا، ہمارے رفیق ودوست مخدوم مکرم مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے اس موضوع پر بہت ہی سلیقہ کا مضمون لکھا ہے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے اُسے یہاں نقل کرتا ہوں :

"حضرت موصوف تفسیر، حدیث، اصول، فقہ منطق، معانی کی کتب محنت اور شوق سے بے تکلف پڑھاتے تھے، ترمذی شریف وبخاری شریف تقریباً ساڑھے نوماہ میں بہ طمانیت تمام کرادیتے تھے۔

حضرت کا حلقہ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا دوسرے مدارس کے فراغ یافتہ اور بڑے بڑے ذہین طالب علم نہایت مؤدب طریق سے حاضر خدمت رہتے اور حضرت کمال عظمت ووقار سے درس دیتے اوپر اوپر کی فضول باتوں کا ذکر تک نہ تھا، دوسروں کی تحقیر اپنی تعریف کا نام و نشان نہ تھا، ہنسی مذاق اور تفریح طبع کے جملے یا ذاتی حالات کا

بیان بالکل مفقود، خطاب بالکل عام ہوتا تھا، مستعد طالب علم بار بار اور طرح طرح سے اپنے شکوک و شبہات پیش کرتے تھے اس طرح کہ حلقہ درس بالکل مجلس مناظرہ بن جاتی تھی، کبھی حضرت کے الزامی جواب طالب علم کو ساکت کردیتے تھے اور کبھی جامع مانع تقریر "شفاً مافی الصدور" کا کام دیتی تھی۔ الزامی جواب میں ملکہ تام تھا دو چار دفعہ اسی طرح ٹالتے رہتے بہت ردوبدل کے بعد تحقیق شروع فرماتے اور اس خوبی اور قوت استدلال سے تقریر فرماتے کہ سائل کو شرح صدر ہو جاتا۔

بہت سے ذی استعداد ذہین و فطین طالب علم جو مختلف اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اپنے شکوک و شبہات کے شافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے معانی و مضامین عالیہ سن کر سر نیاز خم کرکے معترف ہوتے کہ یہ علم کسبی نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں ہے۔

حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقہ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، قرآن و حدیث حضرت کو ازبر تھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر،

اور صحابہ و تابعین، فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں نہ منہ میں کف آتا تھا نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدا بناتے تھے، نہایت سبک اور سہل الفاظ میں بامحاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا امنڈ رہا ہے۔ منحنی جسم اور منکسر المزاج ایک مشت استخوان ضعیف الجثہ مرد خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بارہا مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے جو قوت و شوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔ آواز میں کرختگی آمیز بلندی نہ تھی لیکن سننے والے جانتے ہیں کہ جب صدر درسگاہ "نودرہ" میں تقریر فرماتے تو مدرسہ کے دروازہ تک بے تکلف قابل فہم آواز پہنچتی تھی۔ مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل کرتے لیکن جب امام ابو حنیفہؒ کا نمبر آتا تو مولانا کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر کتی ہی نہ تھی اور اس خوبی سے

مذہب امام اعظمؒ کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے دور دور کی مختلف المضامین احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہیں جاتا تھا، پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اتر جاتی تھی اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آجاتا تھا کہ یہی جانب حق ہے۔

بایں ہمہ ائمہ اسلام کا ادب و احترام اور ان کے کمالات کا اعتراف، حضرت کی تعلیم کا ایک جزو لاینفک ہو گیا تھا، خود بھی ایسی ہی تقریر فرماتے اور صراحت سے ذہن نشین کراتے کہ: "مذاہب مجتہدین حق ہیں اور سب مستدل بالکتاب والسنۃ، ان کی تنقیص موجب بدبختی ہے اور سوءِ ادب باعث خسران" بے شک حضرتؒ "من عمل بما يعلم آتاه الله علم مالم يعلم" کے مصداق اور اس شعر کے محمل تھے:

بینی اندر خود علوم انبیاؑ
بے کتاب و بے معین و اوستا

......لیکن حضرت صرف شراح کی تعلیم کے احاطہ میں محصور نہ تھے بلکہ وہ مضامین عجیب انہیں شروح وحواشی کے مطالعہ سے آپ کے ذہن مصفی میں آتے تھے جو دید تھے نہ



شنید۔ حضرت نے شروح احادیث کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے اور ہمارے فقہاؤ شراح کے مجمل دلائل کو اس شرح وبسط سے بیان کیا ہے کہ باید و شاید۔ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ خاص تعلق تھا۔

امام بخاری کے علوم اللہ تعالیٰ نے آپ پر کھول دئے تھے یہاں تک کہ نظر بندی مالٹا کی یکسوئی میں آپ نے خود بخود اس داعیۂ الٰہی سے مجبور ہو کر تراجم بخاری کے متعلق تحریرات لکھنی شروع فرمائی تھیں۔ بخاری کے متعلق کوئی شخص سوال کرتا تو خوش ہو جاتے اور بیان فرمانا شروع کر دیتے۔

امام مسلم نے اپنی کتاب کے خطبہ میں امام بخاری پر تعریض کر کے جو گرفت کی ہے اس پر فرمایا کرتے تھے کہ جب ملاقات ہوئی تو بخاریؒ کے خادم و عقیدت مند ہو گئے کاش اسی طرح امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاری کی ملاقات ہو جاتی تو امام بخاری اپنے تمام اعتراض واپس لے لیتے"۔

(بیس بڑے مسلمان ص ۲۳۶، ۲۳۷)

سیاسی خدمات :...... شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جہاں مسند علم و فضل اور سلوک و احسان کے صدر نشین تھے وہاں آپ سیاسیات، ملکی اور بین

الاقوامی حالات، مسلمانوں کی زبوں حالی اور انگریزی چیرہ دستیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ پہلو میں دھڑکنے والا دل اور مسلم برادری اور ہندوستانی قوم اور وطن کے لئے فکر مند دماغ بھی عطا فرمایا تھا۔

ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں انگریزوں کے شب خون اور مغل سلطنت کے زوال کے بعد جس طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے جانشین اور صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قدس سرہ نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور مسلمانوں میں آزادی حاصل کرنے کی روح پھونکی، جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، شاملی کا معرکہ اور تحریک شہیدین وجود میں آئیں، ٹھیک اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ نے استخلاص وطن کی تحریک کو منظّم فرمایا۔ انگریزی استعمار کو للکارا اور خلافت ترکیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ریشمی رومال کی تحریک کو ترتیب دیا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے یہ حکمت عملی طے فرمائی کہ ابتدائی طور پر علماءؒ کو ہمنوا بنایا گیا، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو خاص مشن دیکر افغانستان بھیجا گیا، یاغستان اور دوسرے آزاد قبائل کو اس کا مرکز بنایا گیا وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کو تیار کیا گیا اور مسلمانوں کی باہم رقابتوں اور رنجشوں کو ختم کر کے انہیں باہم شیر و شکر بنانے کی سعی پیہم کی گئی اور مسلمانوں کو اپنے متفقہ دشمن انگریز کے خلاف متحد کرتے ہوئے ان میں جہاد کی روح پھونکی گئی، ادھر یوپی میں ناگری کا اور اس کے بعد کانپور میں مسجد کا اور کلکتہ میں توہین جناب سردار دو عالم ﷺ اور پھر فائرنگ کا فتنہ اور

دوسری جانب ترکی جو عرصہ سے مسلمانوں کا قبلہ توجہ اور خلیفۂ دینی چلا آتا تھا اس کے خلاف انگریزوں کے مظالم اور دردناک بے انصافیوں خصوصاً جنگ طرابلس اور بلقان اور تقسیم ممالک اسلامیہ ایسے واقعات لگاتار پیش آئے جنہوں نے تمام ملک میں عموماً اور مسلمانوں کے دلوں میں خصوصاً بے چینی پیدا کردی۔ حضرت شیخ الہند جن کی گہری نظر ان واقعات عالم پر مرکوز تھی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانی غیرت' اخلاص وللّٰہیت' وطن اور قومی حمیت' اسلامی ہمدردی خوب خوب عطا فرمائی تھی ان واقعات خصوصاً طرابلس اور بلقان کے دل گداز اور ہولناک مظالم اور اندرون ہند کی انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور شرمناک دہشت وبربریت' لوٹ کھسوٹ کی فراوانی نے انتہائی درجہ میں مایوس ومضطرب کردیا اور آمادہ کردیا کہ عواقب ونتائج سے بے نیاز ہوکر میدان انقلاب میں سربکف اور کفن بردوش نکل کھڑے ہوں اور ہندوستان' افریقہ اور دوسرے اسلامی ممالک سے انگریزی تسلط ختم کرایا جائے' چنانچہ آپ اپنے منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ہندوستان بھر میں اکابر علماً کو اپنا ہم نوا بنایا' جگہ جگہ اس کے مراکز قائم فرمائے' ہر مرکز کا انتظامی صدر بنایا' جانبازوں کی تیاری کا نظام مرتب فرمایا' اسلحہ کی تحصیل اور اس کی ٹریننگ کا انتظام فرمایا اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کو اس خفیہ مشن پر افغانستان کابل بھیجا اور خود یہاں ہندوستان بھر کے اکابر کو متحد فرماکر استخلاص وطن کی تحریک یعنی تحریک ریشمی رومال کو منظم فرمایا' انگریزسی آئی ڈی اور اسلامی روپ دھارنے والے میر جعفروصادق قسم کے لوگوں نے خوب روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر تائید ایزدی شامل حال رہی اور

حضرت شیخ الہندؒ یہاں تحریک کو منظّم کر کے جلد از جلد براستہ حجاز ترکی استنبول جانا چاہتے تھے' اگرچہ انگریزی سی آئی ڈی اس سے واقف تھی دیوبند سے بمبئی اور جدہ تک راستہ میں متعدد بار حضرت کو گرفتار کرنے کی کوشش اور منصوبے بنائے گئے مگر حضرت شیخ الہندؒ حجاز پہنچ گئے۔وہاں ترکی کے گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات کر کے اس تحریک کے بارے میں تائید و تعاون حاصل کیا اور ہندی مسلمانوں کے نام تائیدی خطوط اور تحریریں حاصل کیں۔ نہایت حکمت عملی سے وہ خطوط اور تحریریں حضرت نے ہندوستان منتقل فرمائیں مگر اس دوران انگریزی گماشتے شریفِ مکہ اور سازشیوں کی سازش کامیاب ہو گئی اور آپ کو رفقا سمیت وہاں سے گرفتار کر کے مالٹا قید کر دیا گیا اور مسلسل ۳ برس دو مہینہ تک مالٹا کی قید تنہائی میں رہ کر ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو رہائی نصیب ہوئی اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو مالٹا سے بمبئی پورٹ پر پہنچے۔

بمبئی پہنچنے پر سب سے پہلے انگریزی سی آئی ڈی کا آفیسر اپنے دو تین انگریزی افسروں کے ہمراہ آیا اور حضرت شیخ الہندؒ سے کہا کہ یہاں مولوی رحیم بخش صاحب آئے ہوئے ہیں آپ اُن سے ملے بغیر جہاز سے نہ اتریں چنانچہ مولوی رحیم بخش صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کے لئے ریل کا ایک اسپیشل ڈبہ ریزرو کرالیا ہے آپ اس پر سیدھے آرام سے چلے جائیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ باہر ہی باہر دیوبند چلے جائیں کیونکہ ان کا منصوبہ تھا کہ عوام آپ کا استقبال نہ کر سکیں اور نہ آپ ممبران خلافت کمیٹی کے طے کردہ پروگرام اور جلسہ وغیرہ میں شریک ہو سکیں۔ مگر قدرت کا کرشمہ کہ انگریزی سی آئی ڈی کے

مولوی رحیم بخش کا منصوبہ ناکام ہوا اور کارکنان خلافت کمیٹی آپ کو جہاز سے اتار کر اپنے ہمراہ لے گئے اور زوردار استقبال کیا اور بمبئی میں ایک عظیم الشان جلسہ سے آپ نے خطاب فرمایا اور وہاں آپ کی خدمت میں ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا۔ اس استقبال میں دہلی، لکھنؤ، دیوبند اور پورے ہندوستان سے ہزاروں اکابر علماٗ اور کارکن شریک ہوئے۔ آپ بمبئی میں دو روز قیام فرما کر دھلی کو روانہ ہو گئے اور ۲۵ رمضان کو آپ دھلی پہنچے اور اس راستہ میں ہر اسٹیشن پر پُر ہجوم استقبال کئے گئے۔ حضرتؒ ہندوستان پہنچے تو تحریک آزادی پہلے سے کہیں زیادہ عروج پر تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی واپسی پر مسلمانان ہندوستان کو اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور ان میں اتحاد و اتفاق کی جتنا ممکنہ شکلیں تھیں اختیار فرمائیں اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ آپس کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مشترکہ دشمن کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے دیوبند اور علی گڑھ میں رابطہ و تعلق کو استوار کرنے کے لئے علی گڑھ کا دورہ فرمایا اور وہاں کے مسلم اسکالرز کو اپنا ہم نوا اور گرویدہ بنالیا۔ اور بتلایا کہ ہماری عزت قرآن وسنت سے گہری وابستگی میں ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ میری زندگی بھر کا تجزیہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑا تو ہم مغلوب و مقہور ہو گئے۔ اس کے لئے آپ نے ہندوستان بھر کے اسفار فرمائے۔ دوسرے لفظوں میں مالٹا سے واپسی پر آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام کو اس مبارک مشن میں صرف فرما کر اہالیان ہند اور مسلمانوں کو ایک نئی روح اور ولولہ عطا فرمایا۔

چنانچہ دہلی میں منعقدہ جمعیت علماٗ ہند کے اجلاس کے خطبہ صدارت

میں جو حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کا آخری اجلاس ثابت ہوا باجود شدید بیماری کے آپؒ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کے مندرجات کے بارہ میں ناظم جمعیت علمأ ہند حضرت مولانا محمد میاںؒ اپنی کتاب "علمأ حق" کے ص ۲۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الہندؒ کا خطبۂ صدارت اگرچہ نہایت مختصر تھا، مگر علمأ ملت اور ملی سیاست کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے مکمل اور کافی تھا۔ حضرت شیخؒ کے اس خطبہ صدارت نے علمأ کو مندرجہ ذیل اصول و نظریات کی ہدایت فرمائی:

۱:...... اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترک موالات فرض ہے۔

۲:...... تحفظ ملت اور تحفظ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادران وطن ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

۳:...... استخلاص وطن کے لئے برادران وطن سے اشتراک عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

۴:...... اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعدا کے لئے جائز ہو سکتا ہے باوجودیکہ قرون اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور مطالبوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تأمل نہ ہوگا۔ کیونکہ موجودہ

زمانہ میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں"۔

(مدنی واقبال نمبر ص ۴۷)

بیماری اوروصال :...... حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری اور وصال کے بارہ میں بھی اپنی جانب سے کچھ لکھنے کے بجائے مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا اصغر حسینؒ کے رسالہ "حیات شیخ الہندؒ" میں درج تفصیلات کو یہاں درج کردیا جائے حضرت مولانا اصغر حسینؒ نے جو کچھ اس بارہ میں لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

"حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۲۰/رمضان ۱۳۳۸ھ مطابق ۸/جون ۱۹۲۰ء کو ایک بجے دن کو مالٹا سے بمبئی پورٹ پر تشریف فرما ہوئے۔ بمبئی میں دو دن قیام فرما کر ۲۳/رمضان شب جمعہ مطابق ۱۰/جون بعد از مغرب روانہ وطن ہوئے۔ ۲۴/رمضان المبارک مطابق ۱۲/جون ۱۹۲۰ء بوقت صبح دہلی پہنچے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم کے یہاں قیام فرمایا۔ ایک روز قیام فرما کر ۲۵/رمضان المبارک مطابق ۱۳/جون ۱۹۲۰ء بروز یک شنبہ بوقت صبح دہلی سے روانہ ہوئے اور اسی روز ۹ بجے دیوبند پہنچے۔ استقبال کرنے والوں کا ہر اسٹیشن پر جس طرح نہایت زیادہ ہجوم تھا یہاں

پر بھی بہت زیادہ ہجوم تھا۔ اسٹیشن سے سیدھے دارالعلوم تشریف لے گئے۔ مہمانوں کی اطراف وجوانب سے بہت زیادہ آمد تھی۔ بنابریں ۱۳۳۸ھ ۱۰شوال تک دیوبند ہی میں قیام فرمانا پڑا۔ ورنہ پختہ ارادہ تھا کہ جلد از جلد مولانا حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کے مکان پر کوڑہ جہاں آباد، ضلع فتح پور، مرحوم کی تعزیت کے لئے پہنچیں۔ جہاں ان کی والدہ ماجدہ اور دیگر متعلقین موجود تھے۔ وہاں سے الہ آباد، غازی پور، فیض پور لکھنؤ، مرادآباد ہوتے ہوئے ۲۵/ شوال کو دیوبند واپس ہوئے۔ چونکہ اہلیہ محترمہ سخت بیمار تھیں اس لئے درمیانی مقامات پر نہ جا سکے۔ اگرچہ عقیدت مندوں کے بہت تقاضے تھے۔

۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ کو اہلیہ محترمہ مرحومہ نے داغِ مفارقت دیا۔ جس کا اثر طبع مبارک پر ہونا طبعی امر تھا۔ ماہ ذی الحجہ میں دیوبند میں موسمی بخار اور تپ ولرزہ کا بہت زیادہ شیوع ہوا۔ چنانچہ عشرۂ محرم کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی مبتلا تپ ولرزہ ہوگئے۔ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ وجع مفاصل اور بواسیر کی تکلیف حسب سابق ہندوستان پہنچنے کے بعد عود کر آئی تھی۔ مگر تاہم اس کا تحمل فرماتے تھے۔ اور نشست وبرخاست، آمد ورفت پر زیادہ اثر نمایاں نہیں

ہونے دیتے تھے مگر اس تپ ولرزہ نے یکبارگی اتنا ضعیف کر دیا کہ نشست و برخاست، آمدورفت کی طاقت جاتی رہی' معالجہ یونانی اور ڈاکٹری جاری تھا۔ بعد انتہائی کمزوری اور مرض کے اواخر محرم سے افاقہ تدریجی طور پر شروع ہوا۔ مگر افاقہ کی رفتار بہت سُست تھی۔ ۲/ صفر کو بتقریب صحت احباب اور طلباً دار العلوم کی دعوت کی گئی۔ جس کا اہتمام مخلصین نے از خود کیا تھا۔ افسوس کہ قدرت کو یہ خوشی باقی رکھنی منظور نہ تھی۔ ۶/ صفر کو پھر بخار آیا اور پیچش بھی ہوگئی۔ اور ضعف اور مرض میں اضافہ ہوتا گیا۔ تاآنکہ اطباً نے ورم جگر تشخیص کیا۔ اسی زمانہ میں سفر علی گڑھ کی تحریک ہوئی۔ جس کو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ چنانچہ ۱۶/ صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ علی گڑھ میں جلسہ ہوا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ پڑھ کر صدارت فرمائی۔ کمزوری اس قدر تھی کہ خطبۂ صدارت خود نہیں پڑھ سکتے تھے' مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم نے خطبہ پڑھا۔ اگلے روز علی گڑھ سے واپس ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر دہلی تشریف لے گئے۔ معالجہ نہایت توجہ سے ہوا، جس سے تخفیف کے آثار نمایاں تھے۔ ۱۴/ ربیع الاول تک اطمینانی حالت رہی مگر ۱۵/ ربیع الاول یوم شنبہ کو پھر لرزہ بخار آیا اور حالت

نہایت نازک ہو گئی۔ بخار بہت تیز ہو گیا۔ حالت اگرچہ تشویش ناک تھی مگر ہوش و حواس بجا تھے۔ آدمی کو پہچانتے تھے۔ بہت ضعیف آواز سے بات بھی فرماتے تھے۔

۱۸ر کی شب رات بھر یہی حالت رہی۔ سینہ پر بلغم تھا۔ جس کو ضعف کی وجہ سے دفع نہیں کرسکتے تھے، صبح کو شہد کا شربت دیا گیا تو خلاف امید حلق میں اتر گیا۔ ۶ بجے کچھ اجابت ہوئی اور خود اپنے ہاتھ سے پانی سے استنجا کیا۔ ضعف لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا اور باوجود ہوش بجا ہونے کے ایک استغراقی حالت تھی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ سات بجے کے بعد ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ یوم سہ شنبہ ۳۰ر نومبر کو بہت تغیر ہو گیا۔ حضرت دنیا سے بالکل غافل ہو گئے تھے، تنفس طویل اور غیر طبعی ہو گیا۔ اور انقطاع عن الدنیا وتوجه الی الرفیق الاعلی کا گمان غالب آنے لگا۔ چارپائی کے گرد حاضرین خاموشی اور آہستگی سے ذکر اللہ میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں حضرت نے اس غیر فانی اور واجب الوجود ہستی کو یاد کیا جس کے نام پر اپنے آپ کو محو کر دیا تھا، حضرت نے تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھولی، چھت کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ:

"مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس تو یہ

ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا تو یہ تھی کہ میدان جہاد ہوتا اور اعلاء کلمتہ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کئے جاتے"۔ اور پھر سات بار اللہ اللہ کہا اور جان جان آفریں کے سپرد فرمادی: اناللہ وانا الیہ راجعون"۔

یوں یہ آزادی ہند کا ہیرو عالم اسلام کو سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ بظاہر تحریک ریشمی رومال بھی آزادئ ہند کی دوسری تحریکوں کی طرح ناکام ہوگئی تھی مگر حضرت شیخ الہندؒ نے مسلمانان ہندوستان میں حریت وآزادی، استخلاص وطن اور انگریز ملعون کے خلاف نفرت کا جو بیج بویا، اس نے حضرتؒ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد تناور درخت کی شکل اختیار کرلی اور آزادئ ہند اور قیام پاکستان کی صورت میں برگ و بار اور ثمرات سے ہندوستانی قوم کو مالامال کر دیا۔

تصنیفات

حضرت شیخ الہندؒ کی علمی رفعت ومرتبت ہم ایسے عامیوں کے حیطہ ادراک سے بلند وبالا ہے، تاہم تین چیزوں سے آپ کے علمی مقام کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے:

اول: ------ آپ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے وہ نابغۃ العصر ہستیاں، جو آپ کے فیضان نظر سے مستنیر ہوئیں اور علم وحکمت اور شہرت کے آسمان پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکیں، حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزار سے زیادہ ہوگی، ان میں چند حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۲۔ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

۳۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

۴۔ جانشین شیخ الہند شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

۵۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

۶۔ حضرت مولانا منصور انصاریؒ

۷۔ امام انقلاب بطل حریت حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

۸۔ مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

۹۔ مولانا سید احمد مدنیؒ بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ

۱۰۔ مولانا اعزاز علی صاحبؒ

۱۱۔ مولانا سید فخر الدین صاحبؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند

۱۲۔ مولانا محمد اکبر پشاوریؒ

۱۳۔ مولانا عبد السمیع صاحبؒ

۱۴۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری

۱۵۔ مولانا محمد صدیق مہاجر مدنیؒ

۱۶۔ مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ

۱۷۔ مولانا محمد صادق صاحب کراچویؒ

۱۸۔ یادگار شیخ الہند حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ سرحدی

۱۹۔ مولانا عبد الوہابؒ صاحب دربھنگہ

۲۰۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغی جماعت

۲۱۔ مولانا عبد الصمد صاحبؒ رحمانی

۲۲۔ مولانا عبد الرحیم صاحبؒ پوپلزئی

۲۳۔ مولانا سید حامد حسن گنگوہیؒ

۲۴۔ مولانا رحمت اللہ نہٹوریؒ

۲۵۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ

۲۶۔ مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتی

۲۷۔ مولانا فضل ربی

دوم : ------- حضرتؒ کے بارے میں ہم عصر اکابر کی آرا' جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اکابر معاصرین کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا۔ اس سلسلہ میں صرف یہ اشارہ کافی ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے میں اہل علم کی طرف سے آپ کو "شیخ الہند" کا خطاب دیا گیا۔ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جانشین شیخ الہند (قدس اللہ اسرارھما) نقش حیات میں لکھتے ہیں :

> " حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جن کو تحریک خلافت میں مسلمانوں کی طرف سے لقب شیخ الہند دیا گیا تھا"۔

(ص ۱۰ ج ۱ مطبوعہ لاہور)

جس طرح "مجدد الف ثانی" کا لقب حضرت مجددؒ کے بارے میں ایسا مشہور ہوا کہ اس کی شہرت اصل نام سے بڑھ گئی اس طرح "شیخ الہند" کے لقب کی شہرت بھی آپ کے اسم گرامی کی شہرت سے سبقت لے گئی' اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے

"شیخ الہند" کا خطاب آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا' اسی سے آپ کی عظمت و مرتبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے نزدیک تو یہ لقب بھی آپ کی عظمت کے اظہار سے فروتر تھا۔ وہ ارشاد فرماتے تھے :

" حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب ہی ذات تھی' مدعیان محبت نے تو مولانا کو پہچانا ہی نہیں' اور اس نہ پہچاننے کی وجہ سے شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں' ہمارے اعتقاد میں تو وہ شیخ الہند والسند والعرب والعجم ہیں"۔

(الافاضات الیومیہ ص ج)

ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم نے آل انڈیا مسلم لیگ کا خطبہ صدارت (یہ خطبہ صدارت کراچی یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ ناقل) پڑھتے ہوئے جن الفاظ میں حضرت شیخ الہند کو خراج عقیدت پیش کیا وہ آپ کے مرتبہ و مقام کی بڑی حد تک عکاسی کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

" حضرت شیخ الہند کی وفات نے مسلمانان ہند کو نہایت افسردہ کردیا ہے' سارے ہندوستان میں کسی ایک مسلمان کا گھر بھی ایسا نہ ہوگا جہاں اس حامل شریعت حقہ کی مفارقت دائمی کا ماتم نہ کیا گیا ہو' کون نہیں جانتا کہ حضرت مغفور کی زندگی تقویٰ' اطاعت الٰہی' مذہبی زندگی اور روحانیت کے اعتبار سے کیسی عدیم المثال تھی۔ آپ عہد حاضر کے سب سے بڑے محدث اور اسوہ حسنہ پیغمبری کے عالم باعمل تھے۔ آپ کے درس کی شہرتیں دنیا کے مختلف اسلامی ممالک

سے طالبان علم کو لاتی تھیں اور حلقہ تدریس میں شامل کرتی تھیں' آپ کے تلامذہ اور شاگرد ہزاروں کی تعداد میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولانائے مغفور کا اپنی جلا وطنی اور مالٹا کی نظر بندی میں مذہب کے لئے مصائب جھیلنا ۷۵ برس کے سن میں تکالیف اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور سب سے زیادہ مرحوم کی وہ ناقابل فتح قوت ارادی اور آپ کا غیر متزلزل ایمان بالحق' یہ تمام خصوصیات ایک عظیم الشان وراثت ہیں جو حضرت اقدس مسلمانان ہند کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔"

(اخبار مدینہ بجنور یکم جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ "تذکرہ شیخ الہند" ص ۲۹۰ از مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری')

سوم : ——— آپ کی تصنیفات اور مآثر علمیہ' پیش نظر سطور میں انہی کا تعارف مقصود ہے' حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس کے انہماک میں گزرا' اس لئے آپ کی تصانیف بہت کم ہیں۔ ہمیں جن تصانیف کا علم ہوسکا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے :

۱۔ ترجمہ قرآن کریم مع فوائد موضح فرقان

۲۔ الابواب والتراجم

۳۔ ادلہ کاملہ

۴۔ ایضاح الادلہ

۵۔ جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل

۶۔ احسن القریٰ

۷۔ کلیات شیخ الہند

۸۔ تصحیح ابی داؤد

۹۔ حاشیہ مختصر المعانی

۱۰۔ تقریر ترمذی

۱۱۔ افادات محمود۔

ادلہ کاملہ :۔ مولانا محمد حسین بٹالوی' جو وکیل اہل حدیث کہلاتے تھے' حضرات ائمہ مجتہدین کے متبعین خصوصاً احناف کی مخالفت میں بہت ہی پرجوش تھے۔ موصوف اپنے خیال میں احناف کے اکثر وبیشتر مسائل کو محض قیاسی اور مخالف حدیث تصور فرماتے۔ چنانچہ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے ایسے دس مسائل کا انتخاب فرمایا' جو ان کے زعم میں بالکل بے دلیل بلکہ خلاف دلیل تھے اور پنجاب وہند کے تمام علمائے احناف کو چیلنج کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع کیا کہ اگر کوئی صاحب ان مسائل کے ثبوت میں کوئی آیت قرآنی یا کوئی حدیث صحیح صریح قطعی الدلالہ پیش کردیں تو وہ فی آیت اور فی حدیث دس روپے انعام دیں گے۔

موصوف کے اشتہار کا متن یہ تھا :

"میں مولوی عبد العزیز صاحب ومولوی محمد صاحب ومولوی اسماعیل صاحب ساکنان بلیہ وال اور جو ان کے ساتھ طالب علم ہیں' جیسے میاں غلام محمد صاحب ہوشیار پوری ومیاں نظام الدین صاحب ومیاں عبد الرحمن صاحب وغیرہ حنفیان پنجاب وہندوستان کو بطور اشتہار وعدہ دیتا ہوں کہ اگر ان لوگوں سے کوئی صاحب مسائل ذیل

میں کوئی آیت قرآن وحدیث صحیح، جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور وہ اس مسئلہ میں جس کے لئے پیش کی جاوے صریح قطعی الدلالہ ہو، پیش کریں تو فی آیت اور فی حدیث کے بدلے دس روپے بطور انعام کے دوں گا۔

اولاً : ——— رفع یدین نہ کرنا آنحضرت کا بوقت رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے۔

ثانیاً : ——— آنحضرت کا نماز میں خفیہ آمین کہنا۔

ثالثاً : ——— آنحضرت کا نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

رابعاً : ——— آنحضرت کا مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرنا۔

خامساً : ——— آنحضرت یا باری تعالیٰ کا کسی شخص پر کسی امام کی ائمہ اربعہ سے تقلید کو واجب کرنا۔

سادساً : ——— ظہر کا وقت دوسرے مثل کے آخر تک رہنا۔

سابعاً : ——— عام مسلمانوں کا ایمان اور پیغمبروں اور جبریل کا ایمان مساوی ہونا۔

ثامناً : ——— قضا کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔

تشریح : ——— مثلاً کسی شخص نے ناحق کسی کی جورو کا

دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری جورو ہے اور قاضی کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کر کے مقدمہ جیت لے اور وہ عورت اس کو مل جاوے تو وہ عورت بہ حسب ظاہر بھی اس کی بیوی ہے اور اس سے صحبت کرنا بھی اس کو حلال ہے۔

تاسعاً :۔۔۔۔۔ جو شخص محرمات ابدیہ جیسے ماں بہن سے نکاح کر کے صحبت کرے تو اس پر حد شرعی، جو قرآن یا حدیث میں وارد ہے، نہ لگانا۔

عاشراً :۔۔۔۔۔ تحدید آب کثیر جو وقوع نجاست سے پلید نہ ہو وہ دردہ سے کرنا۔

تنبیہ :۔۔۔۔۔ ان مسائل کی احادیث کے تلاش کرنے کے واسطے میں ان صاحبوں کو اس قدر مہلت دیتا ہوں جس قدر یہ چاہیں۔ زیادہ مہلت میں ان کو بھی گنجائش ہے کہ یہ اپنے مذہبی بھائیوں سے بھی مدد لیں۔ (المشتہر ابو سعید محمد حسین بٹالوی)"

مولانا بٹالوی کا یہ چیلنج نہ صرف تمام علمائے احناف کے خلاف تعلی آمیز اعلان جنگ تھا بلکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تجہیل و تضلیل کو بھی متضمن تھا۔ جس سے ناواقف عوام کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل ایسے بے دلیل ہیں کہ ملک بھر کے علمائے احناف مل کر بھی ان پر صحیح دلیل قائم نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو مجتہد العصر مولانا محمد حسین بٹالوی کی بارگاہ عالی سے انعام کے مستحق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس میں حضرت امام الائمہ کی تجہیل بھی ہے اور تمام علمائے احناف

کی تحقیر و تذلیل بھی اور انگریز کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی تائید و توثیق بھی، کیونکہ اس اشتہار کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ پورے ملک میں اشتعال کی آگ پھیل جاتی اور گلی گلی میں "حنفی وہابی جنگ" کا میدان کارزار گرم ہو جاتا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں :

"یہ اشتہار دیوبند بھی پہنچا۔ یہ سخت حملہ عموماً تمام حنفیوں کو شاق گزر رہا تھا اور پنجاب کے کسی حنفی عالم نے اپنی وسعت کے موافق کچھ جواب بھی لکھا تھا۔ حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) اور آپ کے استاد مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو یہ ناگوار طرز اور تعلی نہایت ہی ناپسند آئی۔ اس صورت میں بالالتزام گویا صاحب مذہب امام الائمہ کی توہین نظر آئی.... حضرت مولانا نے استاد مکرم کی اجازت و اشارہ سے قلم اٹھایا اور اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا جواب لکھا کہ قلم توڑ دیئے"۔

(حیات شیخ الہندؒ ص ۲۲۹ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت شیخ الہندؒ حضرت امام الائمہ ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی کی ناروا تعلی پر نکیر فرماتے ہوئے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

"اس (اشتہار) کو دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ اگر مولوی صاحب ممدوح کا اس چھوٹے منہ بڑی بات کا ارادہ تھا تو امام ابو حنیفہؒ ہی پر کیوں قناعت فرمائی۔ آپ کی بلند پروازوں کے لئے ہنوز گنجائش بہت تھی۔ صحابہؓ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزر کر جناب باری تعالیٰ تک پہنچنا تھا۔ کام بھی بڑا ہوتا۔ نام بھی بڑا ہوتا۔ آپ دس روپے کی طمع دیتے ہیں، ہم آپ سے فقط فہم

وفراست وانصاف کے طالب ہیں۔ ورنہ پھر ہم ہوں گے اور آپ ہوں گے۔ ہمارا ہاتھ ہوگا اور آپ کا دامن ہوگا۔ روز جزا خدا اور رسولؐ ہوں گے اور یہ مقدمہ ہوگا۔

جناب من! اب تک ہم بوجہ بے تعصبی کے خاموش رہے، آپ نے میدان سنسان پاکر ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کیے۔ اب آپ کی چھیڑ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشتہار جاری ہوکر آنے جانے والوں کی معرفت مدرسہ دیو بند بھی آنے لگے۔ اس فتنہ انگیزی پر کوئی کہاں تک خاموش رہے"۔ (ادلہ کاملہ ص۲)

مولانا بٹالوی مرحوم کی یہ اشتہار بازی، جسے حضرت شیخ الہندؒ بجا طور پر "فتنہ انگیزی" فرماتے ہیں، نہ صرف عالمانہ ثقاہت کے خلاف تھی، بلکہ عام اصول گفتگو سے بھی گری ہوئی تھی، کیونکہ اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون؟ پھر مدعی اور مدعا علیہ کے موقف کی تنقیح کی جاتی ہے، پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دعویٰ کس نوعیت کا ہے؟ اور اس کے ثبوت میں کیسی دلیل درکار ہے، پھر مدعی اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرتا ہے اور مدعا علیہ کو اس دلیل پر جو اعتراضات ہوں ان کو اٹھایا جاتا ہے، مگر مولانا بٹالوی نے ان مسائل عشرہ میں نہ اپنا دعویٰ منقح فرمایا، نہ اس پر کوئی دلیل قائم کی، نہ فریق مخالف کے موقف کی تنقیح کی ضرورت سمجھی، نہ یہ دیکھا کہ فلاں مسئلہ میں مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون، نہ یہی دیکھا کہ میں ہر مسئلہ میں جس قسم کی دلیل کا مطالبہ کررہا ہوں اصول مباحثہ کے لحاظ سے یہ مطالبہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ ان تمام ابتدائی امور سے صرف نظر کرتے ہوئے موصوف علمائے احناف کو للکارنے اور داد ودہش اور تقسیم انعامات کے

لئے اپنے خزانوں کے منہ کھولنے پر آمادہ ہوگئے۔

حضرت شیخ الہندؒ مولانا بٹالوی مرحوم کے اس بے اصولے پن پر نکیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"آپ اوروں سے ہر دعوے پر جب نص صریح متفق علیہ کے طالب ہیں تو اپنے دعووں کے لئے اگر ایسے دلائل سے بڑھ کر نہیں تو ایسے تو بالضرور آپ نے لگا رکھے ہوں گے۔ اس لئے بروئے انصاف وقواعد مناظرہ اول آپ کے ذمہ تھا کہ اپنے مطالب کو مشار الیہ ثابت فرماتے، پھر کہیں کسی اور سے الجھنے کو تیار ہوتے اور ہم کو بھی اسی وقت جواب دینا مناسب تھا مگر بوجوہ چند اس کشمکش میں پھنس کر اپنے اوقات کا خون کرتا ہوں، پر یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ سردست تو میں روایات کا پتہ بتلائے دیتا ہوں، اگر آپ اپنے مطالب کے لئے نصوص صریح لائیں گے اور ان کی صحت اور اتفاق ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ہم بھی انشاء اللہ اس باب میں قلم اٹھائیں گے اور یہ بھی اسی وقت بتلائیں گے کہ کون سے مطالب کے لئے کس درجہ کا ثبوت درکار ہے۔ یعنی تواتر وصحت وحسن وضعف وغیرہ مراتب روایات میں کون سی کس مطلب کے لئے درکار ہے اس لئے اس بات کو تو یوں ہی رہنے دیجئے اور اپنے اعتراض کا جواب سن لیجئے"۔ (ص ۳)

اس کے بعد ایجاز واختصار کے ساتھ مولانا بٹالوی کے اعتراضات کے ایسے مسکت جوابات دیئے کہ بقول مولانا سید اصغر حسین صاحب "قلم توڑ دیئے"۔ ہر مسئلہ

میں الزامی جواب کے ضمن میں تحقیقی جواب اس انداز سے دیئے کہ ان کے فہم وادراک کے لئے سلیقہ ولیاقت درکار ہے۔ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب لکھتے ہیں :

"ہر اعتراض کا بظاہر ایک الزامی جواب ہے، لیکن حقیقت میں اسی الزامی کے ضمن میں ہر جگہ ایک جواب تحقیقی بھی موجود ہے، بلکہ بعض جگہ دو دو تحقیقی جواب، اور اسی پر بس نہیں کی، آخر رسالہ میں معترض کے مسلک پر گیارہ اعتراض ایسے چسپاں کئے کہ مقابل کسی طرح سر نہ اٹھاسکے یا تو اپنا مسلک چھوڑ کر خفت اٹھائے یا اعتراضوں کے بار گراں میں دبا رہے۔

حضرت استاد (مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ) نے نہایت پسند فرماکر طبع کرانے کا ارشاد فرمایا اور آئندہ تالیف کے لئے ہمت بند ھادی"۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۲۹)

ایضاح الادلہ

ادلہ کاملہ شائع ہوئی تو حضرت منتظر تھے کہ غیر مقلد حضرات اس کے جواب میں کچھ لب کشائی کرتے ہیں یا سکوت اختیار کرتے ہیں۔ ادھر غیر مقلدین کے لئے "ادلہ کاملہ" کی اشاعت نے "اگر گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کی کیفیت پیدا کردی تھی، مولانا بٹالوی مرحوم "وکیل اہل حدیث" کہلانے کے باوصف اپنے رسالہ "اشاعت السنہ" میں اس کی جوابدہی کا وعدہ ہی فرماتے رہے، مگر چونکہ "ادلہ کاملہ" کا جواب لکھنے سے پہلے اس کے مندرجات کو سمجھنے کا دشوار گزار مرحلہ درپیش تھا جو کسی

طرح طے نہیں ہوپاتا تھا اس لئے مولانا بٹالوی مرحوم کے تمام وعدے معشوق بے وفا کے وعدے ثابت ہوئے۔ بالآخر جواب نویسی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب ہوا جو سخن فہمی اور سخن سنجی میں "بل هم اضل" کے منصب پر فائز ہو' اور ائمہ ہدیٰ اور اکابر امت کی شان میں گستاخی وہرزہ سرائی میں روافض کا استاد ہو۔ یہ تھی محمد احسن امروہی صاحب کی شخصیت' جو غیر مقلدوں کے حلقہ میں "احسن المناظرین والمتکلمین" کے لقب سے سرفراز تھے۔ چنانچہ موصوف نے "ادلہ کاملہ" کا جواب "مصباح الادلة لدفع الادلة الاذلة" کے نام سے تحریر کیا' اور سربر آوردہ اہل حدیث حضرات نے اس پر تقریظیں لکھیں' "مصباح الادلہ" کی اشاعت کے بعد بھی حضرت شیخ الہندؒ نے جواب میں اس خیال سے توقف فرمایا کہ شاید "وکیل اہل حدیث" بھی حسب وعدہ کچھ لکھیں تو دونوں کو یکجا نمٹا دیا جائے' لیکن کچھ عرصہ بعد مولانا محمد حسین صاحب نے اپنے پرچہ "اشاعت السنہ" میں یہ اعلان کرکے جواب سے سبکدوشی حاصل کرلی:

"میں نے کتاب مصباح الادلہ مصنفہ مولوی محمد احسن صاحب کو بتمامہا دیکھا' واقعی کتاب لاجواب اور جواب بالصواب ہے۔ اس بارے میں اب کسی کو قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ جملہ امور کا جواب محقق ومفصل اس میں موجود ہے۔ اور طالب حق کے لئے کافی ووافی ہے' ہمارا ارادہ بھی تحریر جواب کا مصمم تھا' چنانچہ اپنے پرچہ میں ہم وعدہ کرچکے تھے' مگر بعد مطالعہ مصباح الادلہ معلوم ہوا کہ اب تحریر جواب میں وقت صرف کرنا فضول ہے اس لئے مناسب ہے کہ سب صاحب اس کتاب کی خریداری میں سعی

بلیغ مبذول فرمائیں اور اس کے مطالعہ سے مستفیض ہوں"۔

(بحوالہ ایضاح الادلہ ص ۴)

اس اعلان کے بعد مزید انتظار فضول تھا' اس لئے حضرتؒ نے بنام خدا "مصباح الادلہ" کے جواب میں قلم اٹھایا۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :

"اس کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ چونکہ مجتہد مولوی محمد حسین صاحب مصباح کو جواب شافی فرماتے ہیں اور اس کی مدح میں رطب اللسان ہیں تو اب ہرگز تحریر جواب ادلہ کاملہ کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے' علاوہ ازیں اور بعض حضرات مجتہدین پنجاب بھی تعریف مصباح میں حضرت مشتہر کے ہم زبان تھے' سو اب ہم کو بھی مصباح الادلہ کا جواب لکھنا پڑا"۔

(ایضاح الادلہ ص ۴)

ایضاح الادلہ کی تالیف کے دوران بعض اہم واقعے پیش آئے جن کی بنا پر اس کی تالیف میں تعویق و تاخیر ہوئی۔ اول یہ کہ دو آبہ کے صالحین کا قافلہ سفرِ حج پر روانہ ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تمام مشاغل کو چھوڑ چھاڑ کر ہم رکابی کو سعادت و غنیمت سمجھا۔ حضرت لکھتے ہیں :

"اور جن اوقات میں مشغلہ کتب بینی و حوائج ضروریہ سے کسی قدر فراغت میسر ہوتی تھی اس میں تحریر جواب کا قصد مصمم کیا۔ سو فقط تین یا چار دفعات کا جواب لکھا تھا کہ اتنے میں اس ضلع کے مجمع علما ربانیین و مقتدایان دین و جماعت صالحین نے حج کا عزم فرمایا اور ان کی دیکھا بھالی بعض بعض ہم جیسوں نے بھی دفعیہ نظر بد کے لئے ہم رکابی اہل اللہ و گرد افشانی راہ بیت اللہ اختیار کی اور بہ

برکت اقدام اکابر مقامات متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہو کر وطن کو واپس آئے"۔

دوسرا اس سے بھی بڑا سانحہ یہ پیش آیا کہ حضرت کے استاد محترم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حج وزیارت سے فراغت کے بعد علیل ہوئے اور واپسی کے بعد دو سال سے طویل عرصہ مختلف عوارض میں مبتلا رہے' اور یہ پورا عرصہ حضرت شیخ الہندؒ کا ان کی شبانہ روز تیمار داری میں گزرا حتی کہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس حادثہ سے حضرت شیخ الہندؒ پر جو گزری اس کو اہل محبت ہی جان سکتے ہیں۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ لکھتے ہیں :

"مخدوم استاد کی وفات کے حادثہ نے حضرت مولانا کو بالکل پژمردہ کردیا تعلیم و تعلم سے دل سرد ہوگیا۔ رنج تو تھا ہی اس کے ساتھ یہ خیال بھی دل نشین ہوگیا تھا جس کو کبھی خود ہی اظہار فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے مشاغل علمی اور درس وتدریس صرف اس لئے تھے کہ کچھ استعداد وقابلیت پیدا ہوجائے اور حضرت کے مضامین وارشادات سمجھنے لگیں۔ اب کہ حضرت ہی رخصت ہوگئے اس قیل وقال اور بے نتیجہ اشتغال سے کیا فائدہ؟ فکر معاش نے ایسا ہی تنگ کیا تو گھاس کھود کر بسر کرلیں گے"۔ حضرت مولانا نے مدرسہ آنا بھی چھوڑ دیا اور اپنے مکان میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ حضرت اس عزم پر مضبوطی سے قائم تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے احادیث نبویؐ کی نشر واشاعت اور علوم دینیہ کی

خدمت اور فیوض قاسمیہ کی افادت مقدر فرمائی تھی، حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ (قدس سرہ) کو خود بھی مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کا صدمہ کچھ کم نہ تھا کیونکہ آپ سے زیادہ مولانا کا قدر شناس کون ہوسکتا ہے؟ لیکن حوادث ونوازل کے وقت اہل عزم وثبات خود بھی سنبھلتے ہیں اور دوسروں کو بھی سنبھالتے ہیں اور حق تعالیٰ کے علم میں جو امر مقدر ہوتا ہے باوجود ظاہری نامساعدت کے اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا کردیتا ہے، مولانا نے ایک دو مرتبہ سمجھایا اور تیسری مرتبہ اپنے ساتھ مدرسہ میں لے آئے۔ زاویہ نشینی اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں جو کچھ فرق ہے وہ حضرت بھی خوب سمجھے ہوئے تھے، مگر دوسری حالت کا غلبہ تفرید و تجرد کے فوائد کو ترجیح دیتا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ کے ارشاد نے الہام ربانی اور لطیفہ غیبی کا کام دیا، بزرگوں کی عظمت اور ان کے اوامر کی وقعت حضرت کے قلب میں ہمیشہ بدرجہ کامل رہی ہے۔ مولانا ممدوح کے ارشاد کی تعمیل کی اور بچشم گریاں درس جاری فرمایا"۔

(حیات شیخ الہندؒ ص۲۷،۲۸)

ایسی حالت میں کہ دل کی دنیا اجڑ گئی ہو، اور آرزوؤں اور تمناؤں کے آبگینے چکنا چور ہوگئے ہوں تصنیف وتالیف کا خیال کس کو آسکتا تھا؟ حضرت تحریر فرماتے ہیں :

"جب یہ واقعہ جانگزا وصدمہ غم فزا، جو کہ عام اہل اسلام

کے حق میں موجب حسرت اور بالخصوص متوسلین اور خدام کے لئے نمونہ فزع اکبر ہے' پیش آیا تو بوجہ کثرت حیرانی وپریشانی مشغلہ کتب بینی کچھ عرصہ تک یک لخت چھوٹ گیا' بلکہ درس وتدریس کے نام سے نفرت اور کتاب کے خیال سے وحشت ہوتی تھی۔ یہ بھی یاد نہیں کہ عرصہ دراز تک تحریر مذکور کا یا اس کے ناقص رہ جانے اور اس کی تکمیل کا خیال بھی گزرا ہو' بلکہ اوراق پریشاں ناتمام بجنسہ پڑے رہے' بقول شخصے :

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام وسبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے"

(ایضاح الادلہ ص۵)

الغرض اولاً سفر حج ثانیاً حضرت نانوتویؒ کی علالت' ثالثاً حضرتؒ کی وفات کی وجہ سے "مصباح الادلہ" کے جواب میں کئی سال کی تاخیر و تعویق ہوئی۔ بالآخر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ صاحب زادہ گرامی حضرت نانوتوی قدس سرہ کے حکم پر بقیہ دفعات کا جواب لکھ کر تکمیل فرمائی۔ جو "ایضاح الادلہ" کے نام سے شائع ہوئی۔ ایضاح الادلہ کا موضوع تو وہی مسائل عشرہ ہیں لیکن اس ضمن میں بیسیوں علمی مباحث سے تعرض کیا گیا' جن میں حضرت کے تفقہ فی الدین' علوم حدیث میں حضرت کی بصیرت و مہارت کے خوب خوب جوہر کھلے ہیں۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رقم طراز ہیں :

"حضرت مولانا نے اس کتاب میں شرح معانی حدیث اور تطبیق بین الروایات اور توفیق اقوال المجتہدین بالحدیث میں اپنے خدا

داد تفقہ فی الدین کانمونہ دکھلایا ہے اور مختلف ابحاث کے ضمن میں ایسے مضامین عالیہ بیان فرمائے ہیں کہ اذہان متوسط کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ اقوال فقہا و مجتہدین کی بھی اس خوبی سے شرح فرمائی ہے کہ بے ساختہ ان ھذا لھو الحق المبین زبان سے نکل جاتا ہے اور قرات فاتحہ اور نفاذ قضا قاضی، نکاح محرمات اور زیادۃ و نقصان ایمانی کی ابحاث میں بے مثل تحقیقات کو دیکھ کر الہام من عند اللہ کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اردو عبارت نہایت سلیس، تعریضات واشارات دوبے شمار اور باموقع اردو فارسی کے پر مغز ذائقہ دار اشعار اس بے مثل خزینہ علوم محدثین کو چار سو صفحات پر ختم کرکے ۱۲۹۹ھ میں مولانا نے فراغت پائی اور اسی وقت طبع ہو کر مقبول خاطر اہل علم ہوا۔ حضرت مولانا کے علوم و کمالات کے لئے اگر بالفرض دنیا میں کوئی بھی ثبوت اور کوئی بھی یادگار نہ ہوتی تو یہی کتاب کافی تھی۔ جزاھم اللہ تعالٰی عنا وعن سائر المسلمین۔"

(حیات شیخ الہند ص ۲۳۲)

مصنف مصباح الادلہ کی بدزبانی پر احتجاج

ایضاح الادلہ میں جگہ جگہ حضرتؒ نے مصباح الادلہ کے مصنف محمد احسن امروہی کی بدفہمی کے نمونے پیش کرکے ان پر اظہار تاسف فرمایا ہے، اور بہت سی جگہ

اکابر کی شان میں اس کی بدزبانی و ہرزہ سرائی پر احتجاج فرمایا ہے۔ رسالہ کے آغاز ہی میں اپنی تصنیف کی سرگزشت بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

"سو اول تو یہ عرض ہے کہ مجتہد محمد احسن صاحب نے اپنے رسالہ میں استعمال سب و شتم و تفسیق و تضلیل میں ہرگز کمی نہیں کی، بلکہ بعض مواقع میں اپنے جوش و خروش میں بیباکانہ کلمات تکفیر بول اٹھے ہیں، اور تماشا ہے کہ رسالہ مذکورہ کے مقرظین ومداحین اس کو کلام ظرافت آمیز اور تحریر سنجیدہ فرماتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ صاحبو اگر ظرافت و سنجیدگی اسی کا نام ہے تو تمام عامی اور رند بازاری اعلیٰ درجہ کے سنجیدہ اور ظریف ہیں۔ آخر مجتہد ہیں ظرافت کے معنی وہ ایجاد کئے جو کسی کو نہ سوجھے تھے۔ دیکھئے اول اپنے رسالہ کا نام "مصباح الادلہ لدفع الادلہ الاذلہ" ہی ایسا تجویز فرمایا ہے کہ جس میں بے تہذیبی کے علاوہ بے ربطی بھی صاف ظاہر ہے، ادلہ کاملہ کی تردید اور نام اس کا مصباح الادلہ، مصنف اعطاہ اللہ فہما کی خوش فہمی پر دلیل کافی ہے"۔ (ایضاح الادلہ ص ٦و٥)

وہ تمام آیات جو کفار کے تقلید آبا کے بارے میں تھیں، مصنف مصباح نے اپنی بدفہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ائمہ مجتہدین اور ان کے متبعین پر چسپاں کردیا۔ اس پر احتجاج کرتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں :

"آپ کے اس قسم کے استدلالات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک تمام مقتدایان دین وائمہ مجتہدین خلاف احکام خداوندی وارشادات نبوی حکم دینے والے ہیں.... حیف صد حیف

اس جہالت و تعصب کا کیا ٹھکانا ہے کہ وہ آیات جو یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب کی شان میں نازل ہوں آپ ان کا مصداق جملہ مقلدین کو فرماتے ہیں اور کفار جو خلاف ارشاد خداوندی اپنے آباؤ اجداد اور ان کی رسوم کی اتباع کرتے تھے' آپ اس کو اور اتباع ائمہ مجتہدین کو' جو بعینہ اتباع احکم الحاکمین ہے۔ کما مر' ہم سنگ سمجھتے ہیں' ایسے احمقوں سے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اتباع نبویؐ کو بھی اس قاعدے کے موافق ممنوع بتلانے لگیں' آخر حضرات صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدین کے اتباع کو جن کی شان میں "بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" موجود ہے آپ کے بعض ہم مشربوں نے ساقط کر ہی دیا ہے' چنانچہ بیس تراویح کو بعض جہال بدعت عمری کہتے ہیں:

یہی گر تیری چشم سحر آفریں ہے
تو دل ہے نہ جاں ہے نہ ایماں نہ دیں ہے"

(ایضاح الادلہ ص۹۸)

ایک جگہ مصنف مصباح نے حضرت امام الائمہؒ پر مرجئہ ہونے کی تہمت لگائی' اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے تحریر فرمایا:

"اور اگر آپ کے کہنے کے موافق فقط تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کو ایمان کہنے سے اور اعمال کو خارج از ایمان تسلیم کرنے سے داخل مرجئہ ہونا لازم آتا ہے تو یوں کہو کہ جمیع اکابر و علمائے اہل سنت آپ کے زعم کے موافق مرجئہ ہی تھے' اوراق سابقہ دیکھئے

جمہور علما کا یہی مذہب ہے کہ حقیقت ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اعمال صالحہ ثمرات ایمانی ہیں تو بس اب تو آپ یا اور جو کوئی آپ کا ہم مشرب ہو گا وہی مصداق اہل سنت رہ گئے اور جمیع علما و محققین وجمہور اہل اسلام مرجئہ ٹھہرے، سو اب تو کس کی قسمت جو فرقہ مرجئہ میں شمار نہ ہوا؟ موافق شعر منسوب بامام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے :

ان کان حب العلی رفض
فانی ارفض العباد"

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر یہ جملہ اکابر دین مثل حضرت امام غزالی وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبد العزیز و قاضی عیاض وشیخ ابو عمرو وامام نووی وجملہ محققین شافعیہ وحنفیہ وغیرہ علما دین آپ کے زعم کے موافق مرجئہ تھے تو خدا سب مسلمانوں کو یہ نعمت عطا فرمائے یقیناً وہ ارجا کہ جس پر یہ جملہ اکابر دین ہوں گے مجتہدان زمانہ حال کے تسنن سے بدرجہا اعلیٰ واشرف ہوگا، شعر

ترسم ایں قوم کہ بر دردکشاں میخندند
در سرکار خرابات کنند ایماں را

اب مجتہد صاحب کی بیباکی وہذیان سرائی ایسی بڑھی کہ العظمۃ للہ مجتہد صاحب سے خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ اکابر کی نسبت سوء ادبی سے پیش آنا بہت سخت امر ہے [illegible] کا آپ

نے بھی سنا ہوگا:

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلے صاحبدلے ناید بدرد"

(ایقنلن "الاداء" ص ۱۹۲)

کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

"مجتہد آخر الزمان (مصنف مصباح) کو جواب تو کچھ نہیں سوجھا محض تبرا و لعن طعن و تضلیل و تکفیر سے وہ کام لیا کہ فوارہ لعنت کہئے تو بجا ہے، حتی کہ "ان اللہ لایھدی القوم الکافرین" اور "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ" اور "وجعلنا بینک وبین الذین لایومنون بالآخرۃ حجابا مستورا" اور "وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی آذانھم وقرا" اور "واللہ ارکسھم بما کسبوا" اور "وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا" اور "فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا" جملہ آیات کا مخاطب ومصداق تمام مقلدین ائمہ مجتہدین کو بلا تخصیص قرار دیا ہے، ہرچند ہم تو مجتہد صاحب کے جواب نہ دینے اور سب و شتم فرمانے کے دونوں امر کی اصل سے واقف ہیں، ظاہر ہے کہ مجتہد صاحب خود تو اس قدر فہم واستعداد سے معرا ہیں، اصل سے کچھ فہم ہوگا بھی تو اہل اللہ وجمہور مسلمین کے عناد ولداد

کی شامت سے وہ بھی جاتا رہا"۔ (ایضاح الادلہ ص ۳۹۴)

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :

"مجتہد صاحب ماشاء اللہ مسلم ہیں گو بد فہم اور متعصب وکج طبع ہیں اور ہر چند عباد صالحین وعلمادین کی شان میں گستاخ اور مقلد طریقہ رفاض ہیں اور اگرچہ تکفیر مومنین میں معتزلہ اور خوارج کے شاگرد ہیں اور یہ امور گو یقیناً سخت خوفناک ہیں اور سبب خذلان وہلاک ہیں"۔ (ایضاح الادلہ ص ۳۹۴)

مصنف مصباح کا انجام اور حضرت کی کرامت

حضرت شیخ الہندؒ نے جب یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ کوئی پیش گوئی فرمارہے ہیں' بلکہ آپ کا مقصد اکابر کی شان میں گستاخی کے انجام بد سے ڈرانا تھا' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرتؒ نے مصنف مصباح کو جس انجام بد سے ڈرایا تھا اس کی شامت اعمال نے وہی روز بد اس کو دکھایا' اور وہ غیر مقلدیت سے ترقی کرکے مرزا قادیانی کے حلقہ ارتداد میں داخل ہوگیا' اس طرح ائمہ مجتہدین اور اکابر امت کی شان میں گستاخی وبدزبانی کی پاداش میں دولت ایمان کھو بیٹھا۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ اس وقت حضرتؒ کا یہ شعر ایک پیش گوئی بن گیا :

ترسم ایں قوم کہ بر دردکشاں می خندند
در سرکار خرابات کنند ایماں را

مصنف مصباح کی تذلیل

خدا کی شان جو شخص ائمہ ہدیٰ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کو لائق اقتدا نہیں سمجھتا تھا وہ غلام احمد قادیانی ایسے دجال اعور واسود کو "مسیح موعود" مان بیٹھا' اور جو ائمہ اجتہاد کی تاویلات کی پھبتیاں اڑاتا اور ان پر خندہ استہزا بلند کرتا تھا وہ اب عیسیٰ بن مریم کی تاویل غلام احمد سے' دمشق کی تاویل قادیاں سے' دو زرد چادروں کی تاویل مرزا کے مراق اور سو سو بار پیشاب کرنے سے کرنے لگا' اور اس سے کوئی حیا اسے مانع نہ ہوئی۔ فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

غلام احمد قادیانی نے اس مخذول کی متاع ایمان تو لوٹ لی مگر اس کو جس طرح ذلیل کیا وہ تماشا بجائے خود لائق عبرت ہے' غلام احمد نے اس شخص کے فقر و مسکنت کا اظہار کرکے اس کے لئے ٹکے ٹکے کی خیرات جمع کرنے کا اشتہار دیا' جو مرزا کے مجموعہ اشتہارات میں نمبر ۸۷ پر درج ہے۔ اس کا ایک اقتباس بہ نظر عبرت ملاحظہ فرمایئے:

> "اس وقت میں ضروری طور پر اپنے دوستوں کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اخویم مکرم حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب جو اس وقت بمقام بھوپال محلہ چوبدار پورہ میں نوکری سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہیں' بوجہ تکالیف عسر ہمدردی کے لائق ہیں.... لہٰذا ہر ایک بھائی کی اپنے اپنے مقدرت کے موافق توجہ درکار ہے...."

(مجموعہ اشتہارات ص ۳۳۷ ج ۱)

اس کے بعد مرزا نے ان بائیس افراد کی فہرست دی ہے جنہوں نے محمد احسن

امروہی مرتد کو دو آنے سے پانچ روپے ماہوار خیرات دینے کا وعدہ کیا' ان میں سے ایک نے دو آنے کا' دس نے چار آنے کا' دو نے آٹھ آنے کا' پانچ نے ایک روپے کا' تین نے دو روپے کا اور ایک نے پانچ روپے کا وعدہ کیا تھا' یہ کل انتیس روپے ۲ آنے کی رقم ہوئی جس کا بائیس افراد نے وعدہ کیا' اور مرزا نے "ھل من مزید" کے لئے اشتہار جاری کیا' مرزا خود "رئیس قادیاں" کہلاتا تھا' وہ چاہتا تو اپنی گرہ سے چالیس پچاس روپے آسانی سے بجھوا سکتا تھا' یہ نہیں تو اپنے دو چار مریدوں کو' جو بڑے بڑے سیٹھ تھے' اس کا اشارہ کر سکتا تھا' اتنی حقیری سی بات کے لئے باقاعدہ اشتہار دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن قدرت کو مرزا قادیاں کے ساتھ ساتھ محمد احسن امروہی کی ذلت وخست کا اشتہار دلوانا منظور تھا' یہ تھا ائمہ ہدیٰ اور صلحائے امت کے خلاف ہرزہ سرائی کا انجام :

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

ایک ضروری تنبیہ

"ایضاح الادلہ" پہلی مرتبہ ۱۲۹۹ھ میں میرٹھ میں طبع ہوئی تھی' دوسری مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں مولانا سید اصغر حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ مطبع قاسمی دیو بند سے شائع ہوئی' جس کے صفحات چار سو ہیں' (حال ہی میں "فاروقی کتب خانہ ملتان" سے اس نسخہ کا عکس شائع ہوا ہے) کتب خانہ فخریہ امروہی دروازہ مراد آباد سے بھی یہ کتاب شائع ہوئی جس پر سن طباعت درج نہیں' لیکن اندازہ یہ ہے کہ یہ ایڈیشن دیو

بندی ایڈیشن کے بعد کا ہے' اس کے چار سو بارہ صفحات ہیں طبع اول کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوسکا' لیکن دیوبند اور مراد آباد کے دونوں ایڈیشنوں میں ایک آیت کریمہ کی طباعت میں افسوس ناک غلطی ہوئی ہے' عبارت یہ ہے :

"یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا "فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول والٰی اولی الامر منکم" اور ظاہر ہے کہ اولوا الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیا کرام علیہم السلام کے اور کوئی ہیں سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیا اور جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں' آپ نے آیت "فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر" تو دیکھ لی اور یہ آپ کو اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے' اسی میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی ہے"۔ (طبع دیوبند ص ۹۰۔ طبع مراد آباد ص ۱۰۳)

یہ سبقت قلم ہے۔ جس آیت کا حضرتؒ نے حوالہ دیا ہے' اس سے مراد یہ آیت ہے" : یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" (النساء۔۵۹) چنانچہ قضائے قاضی کی بحث میں حضرتؒ نے اسی مدعا پر دوبارہ اس آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھئے طبع دیوبند ص ۲۵۶ اور طبع مراد آباد ص ۲۶۹) بہرحال یہ سہو کتابت ہے جو نہایت افسوسناک ہے' اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ دیوبند سے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کی تصحیح کے ساتھ اور مراد آباد سے حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ کے حواشی کے ساتھ یہ کتاب شائع ہوئی لیکن آیت کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں کی گئی بلکہ حضرت مولانا سید فخر الدین

صاحب" نے ترجمہ بھی جوں کا توں کیا۔

لطیفہ

غیر مقلد حضرات "ایضاح الادلہ" کے لاجواب دلائل کا جواب دینے سے قاصر رہے البتہ آیت کریمہ میں سہو کتابت کو خوب اچھالتے ہیں' علامہ خالد محمود صاحب کی روایت کے مطابق کسی مناظرے میں حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے سامنے یہی آیت پیش کردی گئی تو حضرت نے برجستہ فرمایا:

"ہمارے اکابر پر تفقہ غالب تھا' اس لئے وہ ائمہ فقہا کی تقلید فرماتے ہیں لیکن چونکہ حدیث شریف سے اشتغال بھی رہتا ہے اس لئے کبھی کبھی محدثین کی طرف بھی مائل ہوجاتے ہیں اور آیت کی نقل میں غلطی محدثین سے واقع ہوجاتی ہے' چنانچہ مشکوۃ شریف "باب اعلان النکاح والخطبہ والشرط" فصل ثانی (ص ۲۷۲) میں خطبہ نکاح میں سورۃ النسا کی مشہور آیت "یآیھا الذین آمنوا" سے شروع کی گئی ہے' جب کہ قرآن مجید میں "یآیھا الناس" سے شروع ہوتی ہے۔ محدثین کی اسی تقلید کا اثر ہے کہ شیخ الہند کی کتاب میں بھی آیت غلط طور پر نقل ہوگئی"۔

یہ سن کر غیر مقلد مناظر دم بخود رہ گیا۔

یہ تو خیر ایک لطیفہ تھا' لیکن ناشرین کا فرض ہے کہ آئندہ اس غلطی کی اصلاح کریں۔

ایک مزید عبرت

مصنف مصباح الادلہ نے ائمہ مجتہدین کی مخالفت پر بڑا زور باندھا تھا' لیکن تماشائے عبرت دیکھئے کہ وہی شخص جو ائمہ مجتہدین کو لائق اتباع و تقلید نہیں سمجھتا تھا' اور جو ان اکابر امت کو اولی الامر میں شامل کرنے پر آمادہ نہیں تھا' جب اس نے مرزا قادیانی کا ربقہ ارتداد گلے میں ڈالا تو انگریزی طاغوت کو اولی الامر میں شامل کرکے دل وجان سے ان کی اطاعت کے فرض ماننے پر مجبور ہوا' چنانچہ مرزا قادیانی "ضرورۃ الامام" میں لکھتا ہے :

"میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں"۔

(ضرورۃ الامام ص ۲۳' مطبوعہ ربوہ)

تصحیح ابی داؤد

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اہم علمی کارنامہ اور علم حدیث کی ایک عظیم الشان خدمت سنن ابو داؤد کے نسخہ کی تصحیح ہے' اس کی کیفیت حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ نے اس طرح قلم بند کی ہے :

" ابو داؤد کے قلمی و مطبوعہ قدیم جدید نسخوں کو جمع فرماکر آپ نے ان کے مطالعہ اور مقابلہ سے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمانے کا ارادہ کیا' درس وتدریس سے فراغت پانے کے بعد آپ منتخب فارغ التحصیل طلبہ کی جماعت کو لے کر اور تمام نسخے سامنے رکھ کر تصحیح پر

متوجہ ہوتے' ہر لفظ واعراب کو صحیح فرماتے' تعلقات عبارت کے رموز ثبت فرماتے اور دوسرے نسخوں کی عبارات زوائد جو قلم ناسخین سے متن میں شامل ہوگئی تھیں' ان کو بہ حسن ترتیب حاشیہ پر درج کراتے اور جو عبارات والفاظ غلطی سے چھوٹ گئے تھے' ان کو اضافہ فرماتے' اور دیگر کتب حدیث وشروح سے بھی مدد لے کر صحت میں کوشش فرماتے' طویل مدت اور کمال محنت سے ایک نسخہ بغایت صحت مرتب ہوا جو ۱۳۱۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع کیا گیا"۔

(حیات شیخ الہند ص ۲۳۹)

مولانا عبد الاحد ناشر نے کتاب کے آخر میں تحریر فرمایا:

"اور پھر خاکسار نے عمدۃ العلما قدوۃ الاذکیا ماہر فن مولانا مولوی محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ دیوبند سے اس کی تصحیح کا کام لیا' صحت کے لئے اکثر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ قدیم نسخے جمع کیئے گئے۔ خاص کر وہ نسخے جو گزشتہ اور موجودہ بڑے بڑے محدثین کے درس وتدریس میں سالہا سال رہ چکے ہیں"۔

(تذکرہ شیخ الہند ص ۸۰)

احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ!

کسی صاحب نے ایک استفتا اس مضمون کا علما کی خدمت میں پیش کیا کہ گاؤں

میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ دہلی کے علما اہل حدیث کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ جمعہ کے لئے کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں، جب دو شخص کسی مکان میں مل کر جماعت سے جمعہ پڑھ لیں تو جمعہ ہو جائے گا، اور ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی، اس فتویٰ میں شہر کی تخصیص کو باطل اور "ہوس من ہوسات الشیطان" قرار دیا گیا۔ یہ فتویٰ کسی صاحب نے قطب العالم حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کبھی نہیں ہوا، اور احادیث صحیحہ سے اس کو ثابت فرمایا۔ فتویٰ اہل حدیث میں مذہب حنفیہ پر جو شبہات پیش کئے گئے تھے ان کا بھی نہایت محققانہ اور شافی جواب تحریر فرمایا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ فتویٰ "اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعہ فی القریٰ" کے نام سے جناب قاضی علم الدین صاحب سکنہ قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر نے افادہ عام کے لئے شائع کر دیا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فتویٰ شائع ہوا تو اہل حدیث حضرات میں سے دو صاحبوں نے اس کا جواب تحریر فرمایا، ایک مولانا محمد سعید پنجابی ثم بنارسی جو محدث بنارس کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، دوسرے جناب مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب سکنہ مئو ضلع اعظم گڑھ۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :

"یہ ہر دو مجیب اپنے رسائل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حسب ارشاد جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق ہم نے جواب لکھنا شروع کیا، اور ان مولانا ابو الطیب کو ایک صاحب "رئیس المحدثین" اور دوسرے "مجتہد مطلق" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ رسائل مذکورہ میں اگر ان کی

اصلاح و ترمیم کی نوبت نہ آئی ہو تو یہ ضرور ہے کہ انہوں نے منجملہ اہل حدیث زمانہ حال ان ہر دو صاحبوں کو منتخب فرماکر اس خدمت پر مامور کیا' وکفیٰ بہ فخرا۔ (احسن القریٰ ص ۳)

"احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ" انہی دو صاحبوں کے جواب میں تالیف فرمائی' سبب تالیف کا تذکرہ کرتے ہوئے عبارت مذکورہ بالا سے متصل حضرتؒ فرماتے ہیں :

"اس لئے ہم کو بھی یہ خیال ہوا کہ یہ ہر دو رسالہ ضرور قابل دید ہوں گے' اور ان سے بہتر شاید اور کوئی نہ لکھ سکے' چنانچہ اسی شوق میں ہر دو رسالہ کا مطالعہ کیا' مگر کیا عرض کروں ان کے مطالعہ سے اوثق العریٰ کا اسم بامسمیٰ ہونا اور بھی دل نشین ہوگیا' اور بلا ارادہ "لاانفصام لہا" زبان پر آیا' اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ "حبک الشی یعمی ویصم"۔ تو حضرت سید المرسلین ﷺ کا ارشاد ہے مگر "بغضک الشی یعمی ویصم" بھی غلط نہیں' مگر تعجب یہ ہے کہ ان ہر دو رسائل کو دیکھ کر اس ہیچ مداں کو بھی خود بخود شوق تحریر جواب دامن گیر ہوا' اور ہر دو حضرات منتخب فرمودہ رئیس المحدثین ومجتہد مطلق کے جواب میں بسم اللہ کہہ کر بلا تامل قلم ہاتھ میں لے بیٹھا حالانکہ اپنی ہیچ مدانی کے علاوہ جب یہ خیال کرتا ہوں کہ اہل علم وفہم کے نزدیک ان جوابوں سے انشاء اللہ اوثق العریٰ میں کوئی ضعف پیدا نہیں ہوا' اور نہ مجھ جیسے کی تائید کی کوئی حاجت' نہ کسی بڑے چھوٹے نے مجھ

کو اس کام کے قابل خیال فرماکر مجبور یا مامور کیا تو کوئی وجہ شوق تحریر جواب سمجھ میں نہیں آتی' ہاں حق تعالیٰ کی رحمت جس سے کوئی برا بھلا مایوس نہیں ہو سکتا اس کا متوقع اگر یہ ناکارہ بھی ہو تو بے جا نہیں۔ الحاصل بندہ کے اس شوق کا مبنٰی اگر کوئی امر مذموم ہے جیسا کہ میرے حال کے مناسب ہے تو اس کو منی و من الشیطان سمجھنا چاہئے' اور اگر کوئی امر محمود ہے جیسا کہ وسعت رحمت حق تعالیٰ کے لائق ہے تو ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ کہنا چاہئے مگر حسن ظن چونکہ اہل علم وفضل کے مناسب حال ہے اس لئے ضرور ہے کہ میری معروضات کو فہم وانصاف کے ساتھ مطالعہ فرماویں۔ اللھم انی اعوذ بک من ان اضل او اضل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علی"۔

(احسن القریٰ ص ۳۔۴)

یہ کتاب گویا اوثق العریٰ کی مفصل ومدلل شرح ہے جس میں حضرتؒ نے اوثق العریٰ کے مضامین کو ایسی شرح و بسط سے مدلل ومبرھن فرمادیا ہے کہ متوسط استعداد کا آدمی بھی اس سے استفادہ کرسکتا ہے' اور مباحث کے دوران ایسی بلند پایہ تحقیقات قلم بند فرمائی ہیں جو اہل علم کے لئے گنج گرانمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں' طول اندیشہ نہ ہوتا تو جی چاہتا تھا کہ حضرتؒ کی تحریر سے چند علمی افادات کے اقتباس نقل کردئے جائیں' مگر حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کا تبصرہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں :

"... صفحے کتاب کی عبارت ... مولانا کی تمام تصانیف سے زیادہ

شگفتہ اور سلیس اور رواں ہے اور مولانا کی مہذب ظرافت اور بذلہ سنجی بہ نسبت دیگر تصانیف کے اس میں زیادہ نمایاں، اثبات مدعا کے لئے احادیث واقوال محدثین کے علاوہ جا بجا آیات اور احادیث کی طرف لطیف اشارات اور موقع بموقع ادیبان عرب کے مشہور مقولے اور اہل عرب کی زبان زد مثالیں تحریر فرماتے جاتے ہیں اور کبھی عارف شیرازی کے شعر سے بیان میں جان ڈال دیتے ہیں اور کبھی استاد ذوق وغالب کے کلام سے لطف دوبالا کردیتے ہیں، اور بسط وطول کی پرواہ نہ کرکے نہایت سلاست سے اظہار مقصود وافہام مطلوب میں انتہائی سعی فرماتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے اختصار میں جو حقائق غامضہ اور معانی دقیقہ عقول متوسط سے مخفی رہ گئے تھے ان کے اظہار میں کمال کرکے ناظر فہیم کو متحیر بناتے ہیں، کبھی وہ حضرت مؤلف کے فضل وکمال، وسعت نظر اور قوت استدلال پر عش عش کرتا ہے اور کبھی مولانا کے ذہن رسا کمال فہم اور حسن بیان پر سبحان اللہ کہتا ہے۔

مذکورہ بالا دو جوابوں کے بعد اوثق العریٰ کا ایک بہت مختصر جواب ایک غیر مشہور عامل بالحدیث مولوی مولا بخش خان صاحب نے بھی لکھا تھا، جس میں رسائل سابقہ سے کوئی بات زائد اور نئی نہ تھی۔ بعض لوگوں کے اصرار سے حضرت نے اس کا بھی مختصر جواب بنام "التلمیع الی مفاسد التجمیع" تحریر فرماکر احسن العریٰ کے آخر میں بطور ضمیمہ ملحق فرمایا اور چونکہ خان صاحب نے

جسارت اور بے باکی سے کام لیا تھا اور بزرگوں کی نسبت سخت الفاظ کا استعمال کیا تھا حضرت مولانا نے بھی علی سبیل الانتصار ومدافعت عن العشیرہ تلمیحات واشارات اور برمحل اشعار وبرجستہ فقرات سے اس طرح مہذب خبرلی کہ باحیا کو گردن اٹھانے کی جگہ نہ رہے۔

بایں ہمہ عظمت وشان حضرت مولانا کی خاکساری اور خلوص وعقیدت اور قدر شناسی اکابر کا یہ حال تھا کہ زمانہ تصنیف میں احسن القریٰ کے اجزا گنگوہ لے جاتے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو سناتے اور اصلاح کے منتظر رہتے۔ مولانا ممدوح کتاب کے مضامین سن کر نہایت محظوظ ہوتے اور قلبی فرحت کے ساتھ حضرت مولانا کی تحقیق کی داد دیتے۔ یہ کتاب حضرت مولانا گنگوہی کی حیات ہی میں آپ کے مخصوص ومعزز خادم مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اہتمام سے طبع اور شائع کی گئی"۔

(حیات شیخ الہندؒ ص ۲۳۴)

حاشیہ مختصر معانی

مختصر معانی کا حاشیہ معروف ومتداول اور ہر قسم کے تعارف سے بے نیاز ہے' حضرتؒ نے یہ حاشیہ مطبع مجتبائی کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا' جو سب سے پہلے ۱۳۴۴ھ میں مطبع مجتبائی سے شائع ہوا' اور اب پاک وہند میں یہی حاشیہ رائج ہے' حضرتؒ نے مختصر المعانی کی دونوں شرحوں "تجرید" اور "دسوقی" کی ایسی تلخیص فرمائی ہے کہ اصل شروح کی بہ نسبت اس حاشیہ کا افادہ بڑھ گیا ہے' جس کا جی چاہے اصل شروح اور ان

کی اس تلخیص کا مقابلہ کر کے دیکھ سکتا ہے۔ راقم الحروف نے مشہور روایت "اطلبوا العلم ولو بالصین" کے بارے میں "قال ابن حبان لا اصل لہ" سب سے پہلے اسی حاشیہ میں دیکھا تھا۔ (مختصر المعانی ص ۱۵۴)

الابواب والتراجم

امام بخاریؒ کے تراجم ہمیشہ سے معرکۃ الآرا اور مطمح الانظار رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے اس سلسلہ میں زیر نظر کتاب لکھنے کا آغاز فرمایا تھا جس میں اولاً پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے۔ اس کے ہر ترجمہ الباب پر لکھنا شروع کیا لیکن افسوس کہ یہ رسالہ "باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد" تک لکھا جاسکا۔ جانشین شیخ الہند حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دیباچہ کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوا۔ حضرت مدنی لکھتے ہیں :

> "حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی آخری تحریر تراجم بخاری سے متعلق تھی، جس کو اس خیال سے کہ آپ کا فیض علمی تا قیام قیامت جاری رہے، شائع کیا جاتا ہے۔ عدم مساعدت مشیت ایزدی کی وجہ سے اگرچہ شیخ الہند قدس سرہ اس تمام لالی وجواہر کو کاغذ کی سطح پر نہ رکھ سکے جن کا آپ نے ارادہ کرلیا تھا، لیکن بحالت موجودہ بھی یہ گنجینہ گرانمایہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے۔ ارباب نظر اور اصحاب قلم اس مختصری تحریر سے جو فوائد حاصل کریں گے ان سے خود ہی واقف ہوجائیں گے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم اس تحریر کو قبولیت عامہ فرمادے۔" (الابواب والتراجم ص ۲-۳)

رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

"بالجملہ یہ رسالہ اس ناتمامی کی حالت میں بھی اگر بدر کامل کا کام نہیں دے گا تو ماہ دہ روزہ ضرور ثابت ہوگا"۔ (ص ۷۹)

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے نقش قدم پر آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادی نے "القول الفصیح فیما یتعلق بابواب الصحیح" تحریر فرمائی، لیکن حضرتؒ کے کام کی تکمیل کی سعادت سیدی وسندی قطب العالم برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی کے ہاتھوں مقدر تھی۔ چنانچہ آپ نے مقدمہ لامع الدراری میں ستر کے قریب تو "اصول تراجم" ذکر فرمائے، اس کے بعد "الابواب والتراجم" کے نام سے کئی جلدوں پر محیط کتاب تالیف فرمائی۔

ہمارے شیخ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ لامع الدراری کی تقدیم میں فرماتے ہیں:

"میں آخر میں کہتا ہوں کہ ابن خلدون کے بقول شرح بخاری کا قرض امت کی گردن پر ہے اور امام سخاویؒ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرض ان کے شیخ حافظ ابن حجر کی کتاب "فتح الباری" کی تالیف سے چکا دیا گیا ہے۔ ہمارے شیخ (امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ "بخاری کے تراجم کا قرض ابھی امت پر باقی ہے اسے آج تک کسی نے ادا نہیں کیا"۔

میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت شیخ الہندؒ کی کتاب "الابواب

والتراجم" مکمل ہو گئی ہوتی تو یہ قرض ادا ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ وہ پوری نہیں ہوئی۔

اب میں کہتا ہوں کہ یہ سعادت ازلیہ شیخ زکریا کے لئے مقدر تھی کہ وہ اس قرض کو ادا کریں اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ حضرت شیخ نے شرح ابواب وتراجم کی جو خدمت کی ہے اس سے انشاء اللہ یہ قرض ادا ہو گیا"۔(تقدیم لامع الدراری ص ت)

کلیات شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ

یہ حضرتؒ کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے جسے آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیو بندی رحمہ اللہ نے ۱۳۴۰ھ میں جمع کیا وہ دیباچہ میں لکھتے ہیں :

"تصانیف عالمانہ محققانہ آپ کی، مثل ایضاح الادلہ، واحسن القریٰ وجہد المقل وغیرہ عرصہ دراز سے مطبوع ہو کر شائع ومشتہر ہو چکی ہیں۔ البتہ منظوم کلام آپ کا مختلف کتب ورسائل میں متفرق جگہ منتشر ہے اور بعض اجزا کے اب تک طبع ہونے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی، اس لئے بر نظر تحفظ اس کی جمع وترتیب کو حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کی ایک ادنیٰ خدمت سمجھ کر اور اپنے لیے یادگار وذخیرہ آخرت خیال کر کے خاکسار فقیر اصغر حسین دیوبندی نے ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ میں بلا کسی خاص ترتیب کے جمع کر کے طبع کرادیا۔ واللہ الموفق والمعین" (ص ۵)

اس منظوم کلام میں بیشتر اکابر کے مرثیے ہیں اور ایک دو نظمیں ہیں۔ ان سب میں بلا کی روانی و سلاست ہے۔ جس سے آپ کی شعر و سخن سے فطری مناسبت واضح ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہ رسالہ نایاب تھا' کچھ عرصہ پہلے "مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ' کریم پارک لاہور" نے دیوبندی نسخہ کا عکس شائع کر کے شائقین کو ممنون احسان فرمایا ہے۔

جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل

یہ حضرت شیخ الہندؒ کی محققانہ کتاب ہے جو کانپور کے مشہور معقولی عالم مولوی احمد حسین پنجابی کے رسالہ "تنزیہ الرحمٰن" کے جواب میں لکھی گئی۔ "تنزیہ الرحمٰن" کے مصنف نے اہل بدعت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت اقدس شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے متبعین کو "فرقہ مزداریہ" میں شمار کیا تھا۔ اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ خلاف واقع جملہ کا صدور قدرت الٰہیہ میں داخل نہیں' کیوں کہ ممتنع بالذات ہے' حضرت شیخ الہندؒ نے اس کے جواب میں یہ ثابت فرمایا کہ ظلم' سفہ' اور کذب وغیرہ کو ممتنع بالذات قرار دینا معتزلہ کا مذہب ہے' اہل سنت کے نزدیک یہ جملہ امور ممکن بالذات ہونے کی وجہ سے قدرت خداوندی میں داخل ہیں' کیونکہ اگر ان کو داخل تحت القدرت قرار نہ دیا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے عجز و مجبوری کی نسبت لازم آتی ہے' البتہ چونکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات تمام قبائح و شرور سے منزہ ہے اس لئے یہ تمام امور ممتنع بالغیر ہوں گے۔ حضرت اقدسؒ نے اس کتاب کو چند مقدمات اور تین ابواب پر تقسیم فرمایا' چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :

"اول مناسب یہ ہے کہ مطالب ضروری لکھتے' مگر اول ہم

چند امور بطور مقدمہ ذکر کرتے ہیں، جن کو ایضاح مطالب واثبات مدعا ورفع الزام خصم میں دخل ہو، اور مقدمہ سے فراغت پاکر جملہ کتاب میں تین باب ذکر کریں گے۔

اول باب میں تو اپنے مدعا کے مثبت دلائل نقلیہ و عقلیہ ہوں گے، اور دوسرے باب میں انشاء اللہ ان اعتراضات عقلیہ و نقلیہ کا جواب عرض کیا جائے گا جو اعتراضات ہمارے بعض دلائل پر فریق ثانی نے پیش کئے ہیں، باقی رہا باب ثالث، سو اس میں ہماری جانب سے ان دلائل پر اعتراضات پیش کئے جائیں گے جو دلائل مولف تنزیہ نے اپنے اثبات مدعا کے لئے ذکر فرمائے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔"

(ص ۱۱)

غرض تالیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اور احقر کو بخدا اس تالیف سے بجز اعانت وحمیت اہل حق اور کچھ مقصود نہیں، نہ فہرست مصنفین میں داخل ہونے کو دل چاہتا ہے، نہ کسی سے تحسین کی امید ہے، اگر ہے تو اندیشہ لعن وطعن ہے، اور اظہار علمیت کا تو سو سو کوس بھی خیال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ علما کا کام ہے، اور اپنی یہ کیفیت ہے کہ عالم ہونا تو درکنار، پوری طرح سے جاہل ہونا بھی میسر نہیں۔ بقول شخصے:

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل نہ ہوا"

(ص ۱۰)

ہمارے اکابر پر فقہ وحدیث اور علوم قرآن وسنت کا ذوق غالب تھا' معقولات اور فلسفہ ومنطق سے ایک گونہ وحشت وتنفر تھا' لیکن "جہد المقل" کے مطالعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ معقولات میں بھی ہمارے اکابر کا مقام کتنا بلند تھا اور یہ کہ حضرت اقدسؒ نے بتوفیق خداوندی معقولات کی گتھیاں کس طرح سلجھائی ہیں۔

ترجمہ قرآن مجید

حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ قرآن مجید ایک ایسا علمی شاہکار ہے جو ایک مستقل ضخیم مکالمے کا موضوع ہے۔ احباب کا اصرار تھا کہ حضرت قرآن مجید کا ترجمہ فرمائیں' غور وفکر کے بعد حضرت نے حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن مجید کو منتخب فرمایا' جو بامحاورہ اردو تراجم میں ام التراجم ہے اور جس کی زبان اور طرز ادا الہامی ہے' حضرتؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ترجمہ کی تسہیل کا قصد فرماکر اپنے احباب کی اعانت سے کام شروع کیا' حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں جو لفظ غریب یا محاورہ متروک ہوگیا تھا' اس کی جگہ متبادل لفظ رکھ دیا اور جہاں کہیں ایجاز واختصار کی وجہ سے فہم مراد میں دقت پیش آتی تھی اس کو ایک آدھ لفظ سے کھول دیا' الغرض مستقل ترجمہ کرنے کے بجائے حضرت شاہ صاحبؒ کے متبرک ترجمہ کی خدمت کو اہم سمجھا' حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کے محاسن اور اپنی خدمت کے دائرہ کار کو مقدمہ میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ دس پاروں کا ترجمہ مکمل ہوچکا تھا کہ سفر حجاز اور وہاں سے اسارت مالٹا کا سانحہ پیش آیا اور بیس پاروں کا ترجمہ اور سورہ نساء تک فوائد مالٹا میں تحریر فرمائے۔ مولانا مجید حسن صاحب مالک مدینہ پریس بجنور "گزارش طابع وناشر" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"مختصر یہ کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ اپنے رفقا کے ساتھ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا پہنچے اور شوال ۱۳۳۵ھ سے ترجمہ کا سلسلہ شروع فرمایا.... اس طرح بقیہ بیس پاروں کا ترجمہ ایک سال کی قلیل مدت میں ۲ شوال ۱۳۳۶ھ کو اختتام پذیر ہوا۔ ترجمہ سے فراغت ہوئی تو حواشی تحریر فرمانا شروع کئے اور سورہ نساء تک لکھ چکے تھے کہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو ہندوستان روانہ کردیئے گئے"۔

ہندوستان تشریف لانے کے بعد تکمیل حواشی کی فرصت نہیں ملی' یہاں تک کہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

ترجمہ شیخ الہندؒ کی اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جناب مولانا سید مجید حسن صاحب مالک مدینہ پریس بجنور کے دل میں داعیہ پیدا فرمادیا۔ موصوف نے حضرتؒ کے وصال کے بعد ترجمہ قرآن کریم کے مسودات گرانقدر معاوضہ دے کر حاصل کئے۔ اور نہایت اعلیٰ طباعت کا انتظام فوراً شروع کردیا' حواشی میں سورہ آل عمران کا مسودہ نہیں مل سکا' اس لئے طبع اول میں سورہ بقرہ اور سورہ نساء پر حضرت شیخ الہندؒ کے حواشی تھے' اور باقی جگہ موضح القرآن کے فوائد درج کئے گئے۔ مولانا مجید حسن صاحب نے ایک پارہ نہایت آب و تاب کے ساتھ چھاپ کر بہت سے مشاہیر کی خدمت میں بھیجا' اور ان سے تقریظ لکھنے کی فرمائش کی اور ان کو "ترجمہ قرآن مجید پر علمائے ہند کی رائے" کے عنوان سے طبع اول میں چھاپ دیا' اس طرح ترجمہ شیخ الہندؒ کا پہلا ایڈیشن بڑی تقطیع پر نہایت خوبصورت دیدہ زیب اور خوشنما سنہری حاشیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ مولانا مجید حسن صاحب کی تمنا تھی کہ بقیہ حواشی کی تکمیل ہوجائے۔

اس سلسلہ میں ان کی نظر سب سے پہلے جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر پڑی۔ حضرت نے بھی نہایت مسرت کے ساتھ اس خدمت کو قبول کرلیا، لیکن حضرتؒ اپنے علمی و سیاسی مشاغل کے ہجوم کی بنا پر اس کے لئے فرصت کے لمحات نہیں نکال سکتے تھے اس لئے یہ خدمت مولانا احمد حسن امروہی رحمہ اللہ کے سپرد کی گئی مگر کسی وجہ سے وہ بھی نہ کرسکے تو حضرت مدنیؒ کے مشورہ سے اس خدمت کے لئے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا، اور موصوف نے نہایت محققانہ انداز میں فوائد کی تکمیل فرمائی، مولانا مجید حسن صاحب پر اس ترجمہ کی اشاعت کا جذبہ کس قدر غالب تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کس اخلاص و جانفشانی کا مظاہرہ کیا، اس کا کچھ اندازہ موصوف کے اس طویل مکتوب سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے مولانا احمد حسن امروہی کی خدمت میں لکھا تھا، اور جسے مفتی عزیز الرحمٰن زید مجدہم نے تذکرہ شیخ الہند میں درج کیا ہے۔ (ص ۸۵ ومابعد)

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ الہند اور ترجمہ کے ناشر مولانا مجید حسن کے اخلاص کی برکت سے اس ترجمہ کو بہت ہی مقبولیت عطا فرمائی، پاکستان میں سب سے پہلے انجمن اشاعت قرآن کراچی نے ہانگ کانگ سے بجنور کے نسخہ کا عکس شائع کیا، پھر مکتبہ رشیدیہ لاہور نے شائع کیا، اس کے بعد دارالتصنیف تبلیغی کالج کراچی نے جرمنی سے چھپوا کر اس کی اشاعت کا بڑے پیمانہ پر اہتمام کیا، اس کا فارسی ترجمہ افغانستان سے شائع ہوچکا ہے اور انگریزی ترجمے کے بعض اجزا بھی چھپ چکے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق اسارت مالٹا حضرت مولانا عزیر گل مدظلہ العالی کی اہلیہ مرحومہ نے بہت ہی عقیدت کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کو انگریزی میں منتقل کیا تھا لیکن افسوس کہ ابھی تک وہ شائع نہیں ہوسکا، انشاء اللہ "جامعۃ العلوم

الاسلامیہ بنوری ٹاؤن" کی طرف سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

مکاتیب وفتاویٰ

حضرت شیخ الہندؒ کے مکاتیب وفتاویٰ کے جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ورنہ یہ بہت ہی گراں قدر ذخیرہ ہوتا چند متفرق مکاتیب تذکرہ شیخ الہند اور کلیات شیخ الہند میں شائع ہوچکے ہیں اور تذکرہ شیخ الہندؒ میں حضرتؒ کا ایک فتویٰ ترک موالات کے سلسلہ میں شائع ہوچکا ہے۔

تقریر بخاری و تقریر ترمذی

حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر بخاری و ترمذی کا درس دیا' لیکن ان تقاریر کے ضبط کرنے کا بھی کما حقہ التزام نہیں کیا گیا' آپ کی ایک تقریر بخاری جو آپ کے شاگرد مولانا مشتاق احمد پنجابی نے قلم بند کی تھی النور الساری علی صحیح البخاری کے نام سے ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی اور آپ کی تقریر ترمذی شریف کے مطبوعہ نسخوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

آخر میں جمعیتہ علمائے ہند کے اکابر خصوصاً جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا اسعد مدنی کو شیخ الہندؒ سیمینار کے انعقاد پر تہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اسی کے ساتھ اپنے اکابر کے تمام منتسبین کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہم نے اپنے اکابر کے علوم وافادات سے ناقدر شناسی کا برتاؤ کیا ہے ہم میں سے ایک دو فی ہزار ایسے ہوں گے جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا! ہماری بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ آج ان اکابر کے

یہ علمی خزانے ناپید ہو رہے ہیں اور ڈھونڈنے پر بھی کوئی کتاب مشکل ہی سے دستیاب ہوتی ہے' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اخلاف اپنے اسلاف کے ذوق و مزاج سے نا آشنا ہوجائیں گے اس لئے ضروری ہے کہ اکابر کے علمی جواہر کی اشاعت کا وسیع پیانہ پر انتظام کیا جائے۔ واللہ الموفق لکل خیر وسعادۃ۔

(بینات جمادین ۱۴۰۶ھ)

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۴ء کو صبح چھ بجے جمعیت علمأ اسلام کے امیر' قافلہ سالار حریت، عالم اسلام کی نامور شخصیت، استاذالاساتذہ، قائد انقلاب، تحریک آزادی کے نامور مجاہد، قافلۂ ولی اللّٰہی کے سرخیل اور جامعہ مخزن العلوم خانپور کے بانی و مدیر اعلیٰ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و عندہ باجل مسمی۔

حضرت درخواستیؒ کی وفات علم و عرفان کی موت ہے۔آپ کا سانحہ ارتحال "موت العالم موت العالم" کے مصداق انسانیت کا نقصان ہے آپ کی وفات سے جہاں اہل علم حلقے ایک محقق، مفسر، محدث اور قادر الکلام خطیب سے محروم ہو گئے، وہاں ارباب سیاست ایک بہترین قائد اور منجھے ہوئے سیاست دان اور اہل قلوب عظیم روحانی پیشوا سے محروم ہو گئے۔ حضرت درخواستی کی پیدائش محرم الحرام ۱۳۲۴ھ میں خان پور کے قریب درخواست نامی ایک بستی میں مجاہد

حریت جناب حافظ محمود الدین صاحب کے گھر میں ہوئی۔ یوں آپ نے ایک دین دار گھرانے میں اور مجاہد خاندان میں آنکھ کھولی۔ اور زندگی بھر باطل قوتوں سے نبرد آزما رہے۔

حضرت درخواستیؒ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے غیر معمولی ذکاوت وذہانت اور قوت حافظہ کی نعمت سے مالامال فرمایا تھا، چنانچہ نہایت ہی کم عمری میں حفظ قرآن کی دولت سے سرفراز ہوگئے اور بہت ہی جلد درس نظامی سے فارغ ہو کر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور تاحیات یہ سلسلہ جاری رہا۔

آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ قرآن کریم کی طرح احادیث نبوی کے بھی گویا حافظ تھے۔ آپ کو اس کثرت سے احادیث مبارکہ یاد تھیں کہ "حافظ الحدیث" آپ کے نام کا حصہ بن گیا تھا۔

آپ کو قرآن اور علوم قرآن سے عشق کے درجہ میں والہانہ تعلق تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال آپ شعبان، رمضان مین ایک خاص انداز سے تفسیر قرآن پڑھاتے، جس میں شرکت کے لئے دور ونزدیک کے علماؤ طلبا اور ہر طبقہ کے لوگ بھرپور شرکت کرتے۔ چنانچہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، سعودی عرب، امارات وغیرہ تک آپ کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ ہے اور آپ کے تلامذہ میں سے بیشتر حضرات آپ کے اسلوب میں اپنے علاقہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بلا مبالغہ آپ شعبان رمضان میں چار سے چھ گھنٹے تک بلاتکان مسلسل ایک نشست پر بیٹھ کر درس قرآن دیتے اور ذرہ بھر کسی اکتاہٹ اور بوریت کا احساس

نہ ہوتا۔

آپ جہاں بلند پایہ مفسر، عظیم اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے فن خطابت میں کمال عطا فرمایا تھا۔آپ کا خطاب احادیث نبوی ﷺ سے معمور' قرآنی آیات سے مزین' نہایت شفقت و محبت کا پیغام ہوتا۔ تین تین اور چار چار گھنٹے تک آپ بولتے رہتے اور عوام والہانہ انداز میں محوِ سماعت ہوتے۔ اس اعتبار سے آپ نے مسلک حقہ مسلک علمائے دیوبند کی خدمت وترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ محض اسی جرم کی پاداش میں کئی بار آپ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے مگر "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟" کے مصداق ہمیشہ محفوظ رہے۔آپ نے خانپور شہر میں جامعہ مخزن العلوم کے نام سے ایک بہترین اور معیاری درسگاہ کی داغ بیل ڈالی اور تادم آخر، اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث رہے۔آپ کے علم وفہم اور درس وتدریس کا پوری دنیا میں شہرہ تھا۔آپ کے علوم و معارف' فہم و فراست، تقویٰ وتدین کی دنیا معترف تھی۔آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں مسلمہ اور متفق علیہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات کے بعد ۱۹۶۲ء سے آپ جمعیت علمائے اسلام کے (تقریباً ۳۲ سال سے) امیر چلے آرہے تھے۔

آپ کی امارت میں آسمان علم کے درخشندہ ستارے، علم و عرفان کے بحر بیکراں' زہد و تقویٰ کی تصویر مجسم، غزالی و رازی کے خوشہ چین اور اسلاف کے علوم و معارف کے امین حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک ' مولانا محمد عبداللہؒ شجاع آبادی' مولانا محمد حبیب اللہ گمانویؒ جیسے اکابرین نے جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم پر کام

کیا ہے۔

آپ کو سیاسی اعتبار سے اگر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی نیابت حاصل تھی تو آپ روحانی اعتبار سے سلسلہ قادریہ کے مشائخ میں سے حضرت اقدس مولانا عبد الہادی دین پوری قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

آپ نے تحریک ریشمی رومال اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفیؐ میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ بارہا آپ کو پابند سلاسل کیا گیا۔ آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں مگر آپ نے ہمیشہ " افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر " کی تصویر کا نمونہ پیش فرمایا۔

آپ کی وفات ہم سب بلکہ پوری امت مسلمہ کا مشترکہ نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو کروٹ کروٹ رحمتوں سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان متعلقین اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد و آله واصحابه اجمعين

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ)

حضرت مولانا مفتی
ولی حسن خان ٹونکیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد:

ہمارے مخدوم و محترم الشیخ الفاضل العلامۃ الفقیہ القاضی المفتی حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ ۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ مطابق ۲ر فروری ۱۹۹۵ء شب جمعہ کو بوقت سحر طویل علالت کے بعد عازم سفر آخرت ہوئے' اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم ٹونک کے مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے' ان کے والد مولانا مفتی انوار الحسن خانؒ' دادا مولانا مفتی محمد حسن خانؒ اور پردادا مولانا مفتی احمد حسن خانؒ تینوں اپنے دور کے جید عالم وفقیہ' ریاست ٹونک کے مفتی اور عدالت شرعیہ ٹونک کے قاضی رہے۔ ٹونک کے دونامور عالم مولانا محمود حسن خانؒ ٹونکی مؤلف معجم المصنفین اور مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ ہمارے مفتی صاحب کے والد کے چچا تھے' مولانا حیدر حسن خانؒ تقریباً سترہ سال دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث اور مہتمم رہے' اس دوران ہزاروں حضرات ان کے چشمہ فیض سے مستفیض ہوئے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے ''پرانے چراغ'' میں ان کا مبسوط تذکرہ لکھا ہے' اسی تذکرہ

میں ان کے بڑے بھائی مولانا محمود حسن خان ٹونکی ''مؤلف معجم المصنفین'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دوسرے بھائی مولانا محمود حسن خان توان سب بھائیوں میں واسطۃ العقد اور بیت القصید کا درجہ رکھتے تھے۔ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے اکابر علماً میں شمار ہونے کے قابل ہیں' ان کی کتاب ''معجم المصنفین'' ایک تصنیفی کارنامہ بلکہ فرد واحد کی حیثیت سے عالی ہمتی' وسعت نظر اور محنت شاقہ کا شاہکار ہے۔ یہ کتاب ۶۰ جلدوں اور بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور چالیس ہزار افراد کے تراجم پر حاوی ہے۔ افسوس ہے کہ اس عظیم کتاب کے صرف چار حصے مملکت آصفیہ کی توجہ سے شائع ہو سکے............''

(پرانے چراغ۔ ص ۲۰۰' جلد اول)

مفتی ولی حسن خان مرحوم نے ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد مفتی انوار الحسن خانؒ سے پڑھیں۔ گیارہ سال کی عمر تھی کہ والد ماجدؒ کا انتقال ہو گیا۔ مولانا حیدر حسن خانؒ (جو غالباً اس وقت خاندان کے سب سے بڑے تھے) لکھنؤ سے اپنے وطن مالوف ٹونک آئے تو اس بچے کو تعلیم کے لئے اپنے ساتھ ندوۃ العلما لے جانے کی خواہش ظاہر کی' جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ اس طرح چار سال تک ان کی تعلیم شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خانؒ کی نگرانی میں ہوئی' اور درسی اسباق کے علاوہ خارج میں بھی فنون کی بعض کتابیں ان سے پڑھیں۔ حضرت مولانا حیدر

حسن خانؒ نے ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ (جنوری ۱۹۴۰ء) میں لکھنؤ کو چھوڑ کر وطن مالوف ٹونک میں مستقل قیام کا ارادہ فرمالیا تو دارالعلوم ندوۃ العلما کے اساتذہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس طالب علم (مفتی ولی حسن خان) کو یہیں ندوہ میں رہنے دیا جائے، لیکن حضرتؒ نے قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کو پرانے طرز کا عالم بنانا ہے' چنانچہ ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے' وہاں غالباً باقاعدہ تعلیمی نظام مرتب نہ ہو سکا' بلکہ حضرت مولانا حیدر حسن خانؒ سے مستفید ہوتے رہے' اور حماسہ اور ملا حسن' تک کتابیں ان سے پڑھیں۔

جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ (۱۶ر جون ۱۹۴۰ء) کو حضرت مولانا حیدر حسن خان نے دار فانی سے رحلت فرمائی تو مفتی صاحب مرحوم ان کی وفات سے ایسے متاثر ہوئے کہ تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور انہوں نے غالباً خانگی حالت کے پیش نظر عدالت شرعیہ ٹونک میں ملازمت اختیار کرلی' اس عرصہ میں الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی کا اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات دیئے' یہ امتحانات تو صرف سرکاری ملازمت کے استحکام کے لئے دیئے گئے تھے' لیکن جس طالب علم کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خانؒ نے فرمایا تھا کہ "اسے پرانے طرز کا عالم بنانا ہے" ان تمام امتحانات میں کامیابی کے بعد بھی اس کے دل کی خلش نہیں گئی چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد اس نے "پرانے طرز کا عالم بننے" کا فیصلہ کرلیا' اور ملازمت کو چھوڑ چھاڑ کر مظاہر علوم سہارن پور کا رخ کیا' اور پھر وہاں سے دارالعلوم دیوبند پہنچے' دونوں جگہ مجموعی طور پر چار سال میں "پرانے طرز کا عالم" بننے کی تکمیل کی اور دورہ حدیث حضرت

شیخ الاسلام قطب العالم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ اور دیگر اساتذہ کرام سے پڑھا، فاتحہ فراغ پڑھنے کے بعد اپنے آباؤاجداد کی طرح ٹونک کی عدالت شرعیہ کے قاضی و مفتی بن گئے، اسی دوران ملک تقسیم ہوا اور مفتی صاحب نے پاکستان میں قیام کو ترجیح دی، چنانچہ کراچی چلے آئے، یہاں آکر کچھ عرصہ ایک اسکول میں پڑھاتے رہے، پھر حضرت مولانا نوراحمد مرحوم نے (جو حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے عزیز داماد اور اس وقت دارالعلوم کراچی کے ناظم تھے) ان کی خدمات دارالعلوم کورنگی کے لئے حاصل کرلیں، ان دنوں دارالعلوم نانک واڑہ میں تھا، بعد ازاں جب دارالعلوم کورنگی میں منتقل ہوا تو حضرت مفتی صاحب مرحوم، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے قائم کردہ "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" سے منسلک ہوگئے اور پھر اسی کے ہو رہے۔

ہمارے حضرت بنوریؒ جوہر شناس بھی تھے، اور قدر شناس بھی، صحیح بخاری اور ترمذی شریف کے اسباق حضرتؒ کے یہاں ہوتے تھے، حضرتؒ نے مفتی صاحب کو معارف السنن کا قلمی نسخہ عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ خوب تحقیق و مطالعہ کے بعد ترمذی شریف کے سبق میں شرکت فرمایا کریں، چنانچہ مسلسل تین سال تک جناب مفتی صاحب "معارف السنن" کے حوالوں کی روشنی میں پوری تیاری کے بعد حضرت بنوریؒ کے درس ترمذی میں نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے، ایک طرف مدرسہ کے اسباق تھے، دارالافتاء کی ذمہ داریاں تھیں، اور دوسری طرف مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے خواب

(پرانے طرز کا عالم بنے) کی تکمیل ہو رہی تھی، اس تکمیل کے بعد حضرت بنوریؒ نے ترمذی شریف کا درس (جو صحاح ستہ میں سب سے بنیادی اور مرکزی درس سمجھا جاتا ہے) جناب مفتی صاحب مرحوم کے حوالہ کر دیا، اور حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد حضرت بنوریؒ کا درس صحیح بخاری بھی جناب مفتی صاحب کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ تھے ہمارے شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مفتی صاحب کا بیعت وارشاد کا تعلق قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا حماد اللہ ہالیجوی، پنوں عاقل، سے تھا، یہ بڑے قوی النسبت بزرگ تھے۔ ہمارے حضرت بنوری قدس سرہ ان کے فضل وکمال، زہد و تقویٰ اور دولت باطنی کے بڑے قائل تھے اور استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضری کا التزام فرماتے تھے، حضرت بنوریؒ نے ان کے کچھ افادات (عربی میں) قلمبند بھی فرمائے تھے جو ماہنامہ بینات بابت ماہ شعبان ورمضان ۱۳۹۰ھ میں (دو قسطوں میں) راقم الحروف کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے، حضرتؒ اس مضمون کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”سرزمین سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہچانا نہیں یا پھر صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ پیرو مرشد تھے لیکن متبع سنت، وہ حکیم بھی تھے لیکن نہایت حاذق، وہ عالم بھی تھے لیکن نہایت محقق، وہ زاہد تھے جن کے زہد کی نظیر میں

نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی، نہ سنی وہ عارف تھے، تصوف کے رموز واسرار اور ان کے لطائف واذکار کے دانائے راز تھے، انکی یہ خصوصیات تو ایک مقالے کی محتاج ہیں۔ دو چار ملاقاتوں میں ان کی زندگی کے ایسے گوشے نظر آئے کہ حیرت ہوئی۔ ان مختصر مجالس اور مختصر قیام میں چند باتیں سنی تھیں، جن کی حلاوت ولذت سے اب تک سرشار ہوں، ان افادات کو اپنی یادداشت میں کچھ عرصہ کے بعد قلمبند کرلیا تھا، جی چاہا کہ "بینات" کے ناظرین اور اہل علم حضرات کو بھی اس لذت میں شریک کروں۔ کاش ان کے علمی ملفوظات اور مجلسی جواہرات قلم بند ہوتے تو آج تصوف کے علمی خزانے میں بیش بہا جواہرات کا اضافہ ہوتا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(البنوری)

(ماہنامہ بینات کراچی شعبان، ۱۳۹۰ھ ۔ ص ۲۳)

حضرت ہالیجوی جیؒ نے ایک کتاب لغات القرآن مرتب فرمائی تھی، جو مولانا محمد امین اللہ (مدرسہ مدینۃ العلوم حمادیہ پنوں عاقل) کے اہتمام سے شائع ہوئی، حضرت مؤلفؒ نے اس کا نام خود تجویز نہیں فرمایا تھا، طباعت کے موقع پر حضرت بنوریؒ سے اس کے نام کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو حضرتؒ نے اس کا نام "الیاقوت والمرجان فی شرح لغات القرآن" تجویز فرمایا۔ اور اس پر "قلائد العقیان"

کے نام سے عربی میں مقدمہ تحریر فرمایا۔اس میں ”ترجمۃ الامام مؤلف الکتاب“ کے عنوان سے حضرت ہالے جویؒ کی شخصیت کا تعارف کرایا اوران کے آثر علمی وروحانی کا تذکرہ فرمایا' اس ضمن میں ”شمائلۃ العامہ“ کے عنوان سے لکھتے ہیں :

”کان رحمه الله عالمًا عابدًا زاهدًاحليمًا وقورا أبعدالناس عن الرياء وأزهدخلق الله فيمن رأيته من أهل الفضل والصلاح وأحلم خلق الله فى اهل البيعة والارشاد۔وكان صاحب كشف صحيح وصريح وكان ذاحرض شديد فى ايصال النفع الى الخلق وكان يحب العلماء والفقراء ولم يكن لارباب الثروة والغنىٰ ولا لاهل المناصب الكبيرة فى قلبه لاجل دنياه منزلة۔و كان صبارًاعلى الشدائد والمكاره وكان عيشهٗ وحياته حياةخشونة ، بعيداعن لذائذ الماكولات ومشتهيات الاطعمةوالاشربة۔ يصلى بالناس صلاة الفجر ثم يجلس للناس امالالارشادوالبيعة وتلقين الاذكاروالادعية الماثورة ولقضاء حوائج الناس يعلّم الناس الا دعية ويرشدهم الى الادوية وكان طبيبًا حاذقاًعنده عن الادوية والمعالجات كل مجرب۔جاء عنده رجل سندى جلف جاف قال ادع الله لى فانامريض فرفع يديه ودعاله دعاءً طويلاً ثم قال اكتب عوذة فكتب ثم قال صف لى دواء نافعًا

لمرضى فوصف له دواءً وصفاً طويلاً يعلمه كيف يسويه وكيف يصلحه وكيف يستعمله۔

ثم قال ماعندى مااشترى به الادوية فساعد نى فساعده واعطاه مايكفيه من النقود۔ واستغرق هذه المحاولات والتساؤل وقتاً كثيرالم نرعلىٰ محياه شيئاً من التكدر والتنغص وقاسى كل ذٰلك متهللا راضياً مرضياً۔ هذا هٰذامارأيته وقدطال اعجابى بخلقه وبحلمه وزادتعجبى من فضله وكرمه......"

"ترجمہ: حضرتؒ عالم تھے' عابد تھے، زاہد تھے۔ حلیم تھے' صاحب وقار تھے' سب سے زیادہ بے ریا تھے' جن اہل فضل وصلاح کو میں نے دیکھا ہے ان میں ازہد خلق اللہ تھے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر دنیا سے بے رغبت) اللہ تعالیٰ کے جو بندے بیعت وارشاد میں مشغول ہیں ان میں سب سے زیادہ حلیم تھے' کشف صحیح وصریح رکھتے تھے۔ مخلوق کی نفع رسانی کے شدید حریص تھے' علماء وفقرا سے محبت فرماتے تھے' اہل دولت اغنیاء کی اور بڑے بڑے عہدہ داروں کی ان کی دنیا کی وجہ سے ان کے دل میں ذرہ بھی قدرومنزلت نہیں تھی۔ تنگی اور تکلیف پر بڑے صبر کرنے والے تھے' ان کی گزران اور ان کی پوری زندگی خشونت کی

زندگی تھی، لذیذ اور نفیس ماکولات و مشروبات سے کوسوں دور تھے۔

حضرت کے معمولات یہ تھے: کہ صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھتے، پھر وہیں لوگوں کی نفع رسانی کے لئے بیٹھ جاتے، اسی میں بیعت کا سلسلہ بھی رہتا، تلقین وارشاد کا بھی، لوگوں کو اذکار کی تلقین کرتے۔ ماثورہ دعائیں تعلیم فرماتے، اسی میں ضرورتمند اہل حاجات کی ضرورتیں بھی پوری فرماتے۔ بیماروں کو دعائیں بھی بتاتے، اور دوائیں بھی۔ خود طبیب حاذق تھے، اور آپ کے پاس مجرب دوائیں اور معالجات موجود رہتے تھے۔

میرے سامنے ایک اکھڑ قسم کا اجڈ دیہاتی آیا، اور درخواست کی کہ میں بیمار ہوں میرے لئے دعا فرمایئے۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور طویل دعا فرمائی، پھر اس نے کہا کہ ایک تعویذ بھی لکھ دیجئے وہ بھی لکھ دیا، پھر کہا کہ میری بیماری کے لئے کوئی دوا بتایئے۔ آپ نے اس کو دوا بتائی، اور دیر تک دوا تیار کرنے اور استعمال کرنے کا طریقہ سمجھاتے رہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس دوا خریدنے کے پیسے نہیں، لہٰذا میری مالی مدد کیجئے۔ آپ نے اس کو اتنی رقم عطا فرمائی جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے، اس پوری گفتگو میں آپ کا بہت

سا قیمتی وقت صرف ہوا، لیکن آپ کے چہرہ مبارک
پر تکدر کا معمولی اثر بھی ظاہر نہیں ہوا، بلکہ بڑی خندہ پیشانی
کے ساتھ راضی خوشی اس کو برداشت فرمایا، یہ قصہ میرے
سامنے گزرا، اورآپ کے اخلاق اور تحمل اور بردباری سے
حیرت ہوئی..........""الخ۔

حضرت ہالیجویؒ کے وصال کے بعد مفتی صاحب مرحوم نے ہمارے شیخ برکۃ العصر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث الحافظ الحجہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے رجوع کیا، اورآپ سے خلافت واجازت پائی، جناب مفتی صاحب کے علم وفضل اور فقہ وحدیث اور علوم نبویہ میں ان کی مہارت وحذاقت کا ایک زمانہ قائل تھا، حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے وصال کے بعد ہمارے مفتی صاحب کو مفتی اعظم پاکستان کے لقب سے سرفراز کیا گیا، ہمارے حضرت بنوری قدس سرہ کا ان کو جامعہ علوم اسلامیہ کے رئیس دارالافتاء کے منصب کے لئے تجویز کرنا اور صحاح ستہ کی مرکزی کتاب جامع ترمذی کی تدریس ان کے حوالے کردینا فقہ وحدیث میں ان کے فضل وکمال کی کافی شہادت ہے۔ حضرتؒ نے جب مدرسہ میں تخصصات کے شعبے جاری فرمائے تو" تخصص فی الفقہ "کا مشرف ونگران جناب مفتی صاحب مرحوم کو مقرر فرمایا۔

جناب مفتی صاحب کا ایک لائق رشک امتیازی وصف "برالوالدین" تھا، یہ ناکارہ جب کراچی آیا تو مفتی صاحب یہاں کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث تھے، اس کے باوجود والدہ ماجدہ کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اپنا پورا مشاہرہ

والدہ ماجدہؒ کی خدمت میں پیش کردیتے تھے، اور وہ اپنے اس جلیل القدر فرزند کو چار آنے یومیہ پان کے لئے عطا فرماتی تھیں، ضعیف العمر والدہ کے ساتھ مفتی صاحبؒ کا یہ حسن سلوک اس دور میں غالباً عدیم النظیر تھا، جو غایت تواضع اور ادب مع الاکابر سے ناشی ہے۔

(ماہنامہ بیّنات کراچی ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ)

امیر تبلیغ حضرت جی
مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

کافی دنوں پہلے کی بات ہے، ریل کے سفر میں چند ایسے نوجوانوں کی رفاقت میسر آئی جن کے ساتھ پہلے سے شناسائی نہیں تھی، انہوں نے مختلف موضوعات اور تحریکات کے بارے میں سوال کئے، ان میں سے ایک سوال تبلیغی تحریک کے بارے میں تھا کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟

عرض کیا کہ کسی تحریک کے حق وباطل اور صحیح وغلط کو جانچنے کے دو معیار ہیں ایک یہ کہ بانی دعوت کے حالات کو دیکھا جائے کہ وہ لائق اعتماد شخصیت تھی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اس دعوت کے آثار و نتائج کا مطالعہ کیا جائے، اور ان دونوں معیاروں کی طرف قرآن کریم میں اشارات کئے گئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی حقانیت کے ثبوت میں متعدد جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت پاکیزہ کو پیش فرمایا گیا، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

"فقدلبثت فیکم عمراً من قبله۔" (سورہٴ یونس: ۱۶)

ترجمہ:...."کیونکہ اس سے پہلے بھی تو میں ایک حصہ عمر تم میں رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ایک جگہ اور ارشاد ہے:"وانك لعلیٰ خلق عظیم"۔

(القلم: ۴)

"ترجمہ:......اور بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون"۔ (الحجر: ۷۲)

"ترجمہ:......آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔"

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

الغرض بار بار آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو حقانیت اسلام کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے۔ اسی طرح دعوت اسلام کو قبول کرنے کے نتیجے میں قدوسیوں کا جو گروہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت وجود میں آیا' قرآن کریم نے متعدد جگہ اس کے بھی حوالے دیئے ہیں' چنانچہ سورہ فتح کی آخری آیت میں ارشاد ہے:

"محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم' الخ"۔ (الفتح:)

"ترجمہ :.... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں' اور جو
لوگ آپؐ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں
تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے
گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں' کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں' ان (کی
عبدیت) کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں
پر نمایاں ہیں............" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیت شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا گویا ایک دعویٰ ہے' اور صحابہ کرامؓ کے احوال و صفات اس دعوے کی حقانیت کا ثبوت ہے۔

تبلیغی تحریک کے بانی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی نوراللہ مرقدہ' اپنے دور کے اکابر اولیاءُ اللہ میں تھے' اپنے تمام اکابر کے معتمد علیہ تھے' ان کا علم و عمل اور حال و قال سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی تجدید کا جو عظیم الشان کام لیا تمام اکابر امت نے اس کو بنظر استحسان دیکھا' اور اس پر مہر تصویب ثبت فرمائی۔ یہ تمام امور اس امر کی قوی علامت ہیں کہ یہ تحریک سراپا خیر و برکت ہے' اور عنداللہ مقبول ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حالات پر مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ العالی کی کتاب "مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" لائق مطالعہ ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ' کی وفات ۲۱/ رجب ۱۳۶۳ھ۔۔ مطابق ۱۳/ جولائی ۱۹۴۴ء کو بروز پنج شنبہ بوقت اذان فجر ہوئی' ان کے بعد ان کے صاجزادہ گرامی حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ کو ان کا جانشین مقرر کیا گیا' جو واقعۃً "الولدسر لابیہ" کا مصداق اور ایک سچے جانشین تھے۔ (حضرتؒ کے حالات اور اوصاف وکمالات پر ایک کتاب مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے قلم سے شائع ہو چکی ہے' جن حضرات کو حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کی زیارت میسر نہیں آئی وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں) انہوں نے ۱۲ سال تک دعوت الی اللہ کے کام کی قیادت کی' اور اسے عرب وعجم اور مشرق ومغرب تک پھیلادیا' یہاں تک کہ اسی دعوت کے راستہ میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ ان کا وصال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/ اپریل' ۱۹۶۵ء کو بروز جمعہ ۲ بج کر ۵۰ منٹ پر لاہور میں ہوا۔

"اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔ وحسن اولئك رفيقا۔" (النساء:٦٩)

"ترجمہ :...... تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیا' وصدیقین اور شہداٴ اور صلحاٴ' اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حضرت موصوفؒ کی وفات کے بعد اس کام کی زمام قیادت ان کے رفیق ودست راست حضرت جی مولانا انعام الحسن نور اللہ مرقدہ کے سپرد کی گئی' حق

تعالیٰ شانہ نے ان کی صحت و عمر میں برکت فرمائی' یہاں تک اللہ تعالیٰ نے تیس سال تک ان سے امت کی اصلاح وتربیت کی خدمت جلیلہ اور دعوت الی اللہ کا عظیم الشان کام لیا۔

اس ناکارہ نے کافی محنت وکاوشوں سے حضرتؒ کے حالات جمع کرنا شروع کئے تھے کہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ "اگست ستمبر ۱۹۹۵ء" پہنچا جس میں جناب مولانا مرغوب احمد لاجپوری حال ڈیوزبری۔ برطانیہ کاایک جامع اور خوبصورت مضمون شائع ہوا ہے، اس کے بعد اپنی کاوش ہیچ معلوم ہوئی اور اس کی جگہ یہ پورا مضمون یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوا:

"شب شنبہ ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰/ جون ۱۹۹۵ء کو تقریباً ڈیڑھ بجے تبلیغی جماعت کے قائدوامیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

راقم الحروف نماز مغرب کے لئے قبیل مغرب مرکزی مسجد ڈیوزبری حاضر ہوا تو ایک صاحب نے پرنم آنکھوں اور لرزتی زبان سے یہ وحشت ناک خبر سنائی کہ "حضرت جی کا انتقال ہوگیا" مغرب میں تھوڑا سا وقت تھا' دعا میں مشغول ہوگیا۔ نماز سے فراغت پر امام صاحب نے اعلان کیا' سنت ونوافل کے بعد یاسین کا ختم ہوا۔ حافظ پٹیل صاحب مدظلہ العالی (امیر تبلیغ برطانیہ) نے چند منٹ بات کی اور مختصر دعا فرمائی۔ زبانیں خاموش' جسم ساکت' بعضوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بعض صبر وعزیمت کا منظر دکھارہے تھے۔

حضرت جی حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایات اور الطاف بے پایاں کا مورد تھے افسوس کہ حضرت جیؒ کی وفات سے لاکھوں مبلغین اپنے امیر سے اور لاکھوں مریدین ومعتقدین اپنے شیخ طریقت کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ حضرت جیؒ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے آپ نے زہدو قناعت، ورع و تقویٰ، علم و حلم، تبلیغ ودعوت کی پر کیف فضاؤں میں آنکھ کھولی اور انہیں پر کیف فضاؤں میں زندگی کے اوقات گزارے۔

ولادت:

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ر فروری ۱۹۱۸ء بروز چہار شنبہ اپنے آبائی وطن کاندھلہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم کا نام نامی مولانا الحاج اکرام الحسن صاحب اور جد محترم کا اسم گرامی مولانا رضی الحسن صاحب تھا۔

تعلیم:

حافظ منگتو صاحب سے حفظ قرآن پاک کی تکمیل کی، ابتدائی فارسی وعربی کتب اپنے نانا حکیم عبدالحمید صاحب سے پڑھ کر دہلی چلے آئے اور میزان الصرف، ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ سے پڑھیں۔ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہو کر شرح جامی، میر قطبی، کنزالدقائق، اصول الشاشی وغیرہ کتابوں سے سہارنپور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ، مفتی اعظم سہارنپور حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی

جمیل احمد صاحبؒ آپ کے اساتذہ میں تھے۔

۱۳۵۴ھ میں دورہ حدیث کی کتابیں بخاری شریف جلد اول اور ابو داؤد شریف حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے 'بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے 'مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خان صاحبؒ سے 'ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کامل پوری سے پڑھیں۔ دورہ حدیث کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی شدید بیماری کی بنا پر حضرت دھلویؒ کے تعمیل ارشاد میں آپ مولانا محمد یوسف صاحب کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور امتحان میں شریک نہ ہو سکے' نظام الدین آکر باقی ماندہ حصہ کی تکمیل کے ساتھ کتب حدیث میں ابن ماجہ 'نسائی' شرح معانی الآثار اور مستدرک حاکم حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے پڑھیں۔

علمی صلاحیت واستعداد پختہ تھی' کتب درسیات توجہ اور محنت سے پڑھیں' حضرتؒ خود اپنی طالب علمی کے زمانہ کا معمول اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"ہم دونوں (مولانا محمد یوسف صاحب و مولانا انعام الحسن صاحب) نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اسی کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ یہ ہوگا کہ فجر کی

جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو جگائے گا۔ ایک دن مولانا محمد یوسف صاحبؒ شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا دوسرے دن ترتیب اس کے برعکس ہوتی تھی"۔ (سوانح مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ، ص ۱۷۱)

امتحانات میں اعلیٰ نمبرات حاصل فرماتے' ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے طلباً دورہ حدیث کے لئے مخصوص نمبرات متعین فرما کر چند انعامی کتب تجویز فرمائیں جو حضرت شیخؒ کی طرف سے ان کے متعینہ نمبرات حاصل کرنے والے کے لئے بطور تحفہ کے تھیں' طلباً کی اطلاع کے لئے یہ اعلان آویزاں کیا گیا کہ:

"جو شخص ابو داؤد میں سب سے زیادہ بلا شرکت غیرے زیادہ نمبر حاصل کرے گا اس کو بذل کامل بطور انعام بندہ کی طرف سے موعود ہے اور بشرکت غیرے جتنے بھی شرکاً ہوں سب کو ایک ایک کوکب دری موعود ہے...... زکریا"

چنانچہ اس اعلان کے بموجب کوکب دری کامل آپ (مولانا انعام الحسن صاحب) کو انعام میں ملی۔ (تاریخ مظاہر' ص ۱۱۵' ج ۲)

نکاح اور رخصتی:

۳ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ نکاح ہوا' علماً ومشائخ کی بابرکت مجلس میں حضرت اقدس مدنیؒ نے پڑھایا۔ حضرت شیخ نے

"آپ" بیتی (ص ۲۸۴ نمبر ۳) میں پانچ چھ صفحات میں اس نکاح کی تفصیل دلچسپ انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے خاندان کا قدیم دستور اصول موضوعہ کے طور پر یہ طے شدہ تھا کہ جب کوئی لڑکی پیدا ہو تو اس کا اقرب ترین نامحرم گویا شادی کے لئے متعین تھا۔ والدہ زبیر کے متعلق ذہنوں میں تو سب کے مندرجہ بالا قاعدہ کے موافق طے شدہ تھا۔ لیکن دو ایک سال بعد بھائی اکرام صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ والد صاحب کے تعمیل حکم میں لکھ رہا ہوں 'تمہاری دوسری بچی سے عزیز انعام الحسن کے نکاح کی تجویز کو پسند فرمایا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا پھوپھا میرے بھی بڑے ہیں اس کے بھی بڑے ہیں مجھ سے کیا پوچھنا؟ یہ ہوا منگنا مولانا انعام الحسن صاحب کا۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے حسب معمول مورخہ ۲ر محرم ۱۳۵۴ھ کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے میوات میں جلسوں میں نکاح کا دستور پڑ گیا ہے۔ کل کے جلسے میں حضرت مدنیؒ سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوا دوں' میں نے کہا شوق سے 'ضرور پڑھوا دیجئے' مجھ سے کیا پوچھنا' میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے

کان میں ڈال دیا۔ اہلیہ مرحومہ نے کہا۔ تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک جوڑا توان کے لئے سلوا دیتی (حضرت نے جواب دیا) اچھا مجھے خبر نہیں تھی یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنیؒ سے عرض کر دیا کہ یوسف وانعام کا نکاح پڑھنے کے لئے چچا جان فرما رہے ہیں، حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا۔ کہا ضرور پڑھاؤں گا۔ اور جامع مسجد میں دونوں لڑکوں یوسف وانعام کو ممبر کے پاس کھڑے کر کے خطبہ پڑھ دیا۔"

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں چچا جان نے ارشاد فرمایا خیال یہ ہے کہ کل کو جاتے وقت یوسف وانعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں، میں نے کہا جیسے رائے عالی ہو، مگر لڑکے تو یہاں پڑھ رہے ہیں، حضرت عائشہؓ کی بنا توان ہی کے گھر میں ہوئی تھی، میرا خیال یہ کہ ان دونوں لونڈوں کی بنا یہیں کروا دیں' چچا جانؒ نے فرمایا کہ تجھے اپنے کام کی حدیثیں بہت یاد رہتی ہیں' پھر فرمایا بہت اچھا' میں نے عصر کے وقت بچیوں سے کہہ دیا ہے کہ اپنی بہنوں کو کپڑے پہنا دو' رات کو ان کی یہیں رخصتی ہے' مولانا یوسف مرحوم کو اپنے کمرے میں اور مولانا انعام الحسن صاحب کو کچے گھر میں تجویز کیا"۔ دوسرے دن صبح مختصر دعوت ولیمہ ہوئی۔" (ملخص آپ بیتی)

تدریس :

نظام الدین میں قیام فرماکر دعوت و تبلیغ کی محنت میں مصروفیت ومشغولیت کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی بڑے اہتمام سے جاری رکھا' متعدد فنون کی مختلف کتابیں پڑھائیں' سالہاسال تک حدیث پاک کا درس دیا۔ آخر میں کئی سال بخاری شریف پڑھائی' ابواب وتراجم پر بڑی محنت فرمائی' تراجم پر آپ کی تحقیقات مسودہ کی شکل میں محفوظ ہیں۔

بیعت وخلافت :

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے بچپن ہی سے ایسے دینی ماحول میں پروان چڑھایا جہاں حضرت شیخؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت اقدس رائے پوریؒ جیسے صاحب نسبت بزرگوں کی آمد ورفت رہتی' ان حضرات کی صحبت کی برکت اور خصوصاً حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے فیض نظر نے آپ کو بھی صاحب نسبت بنادیا تھا' آپ کے صاحب نسبت ہونے کی شہادت ایسے صاحب نسبت بزرگ وولی کامل نے دی جس کے صاحب نسبت ہونے پر عصر کے تمام ہی صاحب نسبت کا اتفاق تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی وفات سے دو تین روز قبل حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے اس بات کا اظہار فرمایا۔ حضرت شیخ اپنی آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں :

"چچا نور اللہ مرقدہ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن پہلے اس سیہ کار سے کہا کہ میرے

آدمیوں میں چند لوگ صاحب نسبت ہیں،' عزیز مولانا
یوسف صاحب' قاری داؤد' سید رضا صاحب بھوپالی'
مولانا انعام صاحب ...... میرے بعد ان میں سے کسی ایک
کو مولانا رائے پوری کے مشورے سے بیعت کے لئے
تجویز کردو"۔ (آپ بیتی نمبر ۴' ص ۱۲۳)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے حضرت جی کی صفت نسبت بہت پہلے تاڑلی تھی' اسی لئے آپ نے مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب کو بیعت بھی بڑے اہتمام سے فرمایا۔ بیعت کا تذکرہ حضرتؒ ہی کی زبانی سنئے' فرماتے ہیں:

"جب حضرت شیخ مدظلہ العالی کو یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہو چکے ہوں گے' بہر حال اب دیر نہ کرو' ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہونے کی درخواست کی' حضرت جی نے اسے منظور فرمالیا' خود غسل فرمایا' اور بڑے اہتمام کے بعد خوشی و مسرت کے ساتھ ہم لوگوں کو بیعت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ مبارک فرمائے' انشاءاللہ مبارک ہی ہے۔"

(سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ' ص ۱۸۱ تیسرا باب)

۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے سر فراز فرمایا' مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ فیض آپ کے ذریعہ اطراف عالم میں خوب پھیلا' ہزاروں نہیں لاکھوں افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات اور آپ کی امارات :

۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کا حادثہ پیش آیا' مولانا کے انتقال کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جس کی نزاکت اور اہمیت کا احساس ہر درد منداور خاص کر دعوت و تبلیغ سے متعلقین کو ہو رہا تھا وہ مولانا مرحوم کی جانشینی کا تھا' مولاناؒ کی نیابت کی ذمہ داری کوئی آسان اور سہل نہ تھی اس عالمگیر کام کی امارت کیلئے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے اللہ پاک نے اصابت رائے' دوربینی ودوراندیشی کی نعمت عطا فرمائی ہو' حاضر دماغی' قوت قلبی اور معاملہ فہمی کی صفات سے بھی متصف ہو' مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی اپنی اصابت فکر' صلاح وتقویٰ اور طویل عرصہ تک مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں رہنے اور شروع ہی سے اس کام سے وابستگی' اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہمہ وقت کی مصاحبت اور دعوت کے کام میں مسلسل شرکت' اور اس کام میں اپنے فہم و تجربہ کی وجہ سے جماعت کی اور تبلیغ کے کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے' اس لئے نظریں آپ کی طرف پڑ رہی تھیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے مشورہ سے آپ کو مولاناؒ کا نائب اور دعوتی کام کا امیر بنادیا اور اس بات کا اعلان مولانا فخر الحسن صاحبؒ استاذ دار العلوم دیوبند نے ہزاروں پرانے کام کرنے

والوں کے مجمع میں کیا، دعوت کی موجودہ ترقی ومقبولیت اور عالم گیر وسعت نے یہ ثابت کر دیا کہ امارت کے لئے حضرتؒ کا انتخاب اور حضرت شیخؒ کا فیصلہ صحیح اور نہایت موزوں وحق بجانب تھا۔

مولانا محمد یوسفؒ کی وفات کے بعد متعلقین کے قلوب رنجیدہ ومغموم تھے، اس خیال سے آپ نے مولانا ہارون صاحبؒ کے ساتھ مل کر ایک خط سارے تبلیغی مراکز کو تحریر فرمادیا جس میں مولانا یوسف صاحبؒ کی وفات پر تعزیت کے ساتھ دعوت تبلیغ کی محنت میں اپنے اوقات لگاتے رہنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ وہ خط آج حضرت جیؒ کی وفات پر کام کرنے والوں کے لئے رہنمائی کا سامان ہو سکتا ہے جو درج ذیل ہے:

"مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین اولیا

نئی دہلی نمبر ۱۳، ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مکرم ومحترم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خداوند کریم سے امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوں گے، یہ تو جناب کے علم میں آگیا ہوگا کہ حضرت اقدس جناب الحاج، مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ لاہور میں مورخہ ۲؍اپریل ۱۹۶۵ء کو بعد نماز جمعہ معمولی علالت سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت اقدس

بہت ہی کمالات وخوبیوں کے حامل تھے اور ہماری بہت سی بیماریوں کے علاج کی صورت تھے۔ ان کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ظاہری طور پر صورت پریشانی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محنت ان ظاہری صورتوں کا نعم البدل اور بدل حقیقی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بابرکت اور باعظمت ہستی جن کے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے دردوکرب اور بے چینیوں سے امت کا نشوونما اور جن کی گریہ وزاری سے امت کی دارین کی فلاح ونجات اور جن کے چہرہ انور کی زیارت ہزارہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی' اگر وہ بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لے جاویں اور امت ان کی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر دین کے لئے قربانیوں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور اس محنت کا دنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کے لئے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لئے ہوئے ہے۔

"وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ

معذبهم وھم یستغفرون"۔ (الاعراف)

ترجمہ :..... "اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دینگے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے لطف وکرم اور فضل سے دین کی محنت کے جس عالی کام کی طرف ہم جمیع احباب کی رہنمائی فرمائی ہے اس میں پوری طرح امت محمدیہ مرحومہ کے دارین کے مصائب کا علاج ہے' آپ پورے انہماک کے ساتھ سارے مصائب کے علاج کا یقین اس میں کرتے ہوئے اس صورت کے بڑھنے اور اس کی شکل کے وسیع ہونے کے لئے پوری طرح محنت کریں تاکہ اس امت کے علاج کیلئے ایمان کی قربانی والی محنت کی فضاؤں میں بہت سے باہمت 'بے لوث 'نفس کش' داعی الی اللہ پیدا ہوں۔ اور آپ ان کے وجود میں آنے کے لئے بھرپور کوشش کریں اور کرائیں 'صدقات 'خیرات اور کثرت تلاوت قرآن پاک خصوصاً ذکر ودعا' مقامی وبیرونی گشت ' روزانہ کی تعلیم ' وتسبیحات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کی صورتیں اختیار کی جائیں' حضرت جیؒ کی آخری تمنا یہ تھی کہ جو شخص دین کا

دردو فکر رکھتا ہو وہ مدنی صحابہ رضی اللہ عنھم کی طرح تمام
جان ومال اس دینی محنت کے زندہ کرنے کے لئے خرچ
کرنے والا بن جائے' اس تمنا کو پورا کرنے کا یہ عین وقت ہے۔

فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ' محمد ہارون غفرلہ"

حضرت جیؒ کے زمانہ امارت میں الحمدللہ کام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی' دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں' جس میں آپ کی پر خلوص محنت ودعا کا بڑا حصہ ہے' مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کے بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی نہج پر محنت کو جاری رکھا اور رکھوایا' ایک موقع پر فرمایا:

"ہم تو لکیر کے فقیر ہیں' مولانا الیاس صاحبؒ کے اصول پر جم کر کام کریں گے اور کروائیں گے"۔

اپنے تیس سالہ دور امارت میں دنیا بھر کے مختلف الالوان' مختلف اللسان کام کرنے والوں میں یکجہتی واتفاق رکھنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے' کسی بھی تنظیم میں اختلاف کا ہونا یقینی امر ہے مگر اختلاف اختلاف کی حد سے تجاوز کر جائے تو یقیناً یہ معیوب ہے' اہل تبلیغ اور مختلف ممالک کی شوریٰ میں جب اختلاف کی صورت پیدا ہوتی اور حضرت کے سامنے ایسے امور پیش کئے جاتے تو حضرت اپنی خداداد معاملہ فہمی سے لمحوں میں ایسا فیصلہ فرماتے کہ فریقین کو بغیر رضامندی وطاعت کے چارہ نہ رہتا۔

حضرت جیؒ کا خدام کے ساتھ حسن سلوک :

کتب سیر واحادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کے متعلق ہزاروں واقعات موجود ہیں۔ ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، حضرت طلحہؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! انسؓ ہوشیار وذکی لڑکا ہے آپ اسے اپنی خدمت میں رکھ لیجئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں، میں نے سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا ''تو نے ایسا کیوں کیا''؟ اور میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ ''تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا''۔

(حیات الصحابہؓ باب حسن خلقہ علیہ السلام مع خادمہ انسؓ)

سنت نبویؐ کی اتباع میں حضرت جیؒ کا طرز عمل اپنے خدام کے ساتھ بالکل ویسا ہی تھا جس کی شہادت صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے متعلق دی۔ حضرت جیؒ کے سفر وحضر کے خاص خادم مولانا سلیمان صاحب کی زبانی سنئے، موصوف فرماتے ہیں ''میں پندرہ سال سے زیادہ عرصہ سے حضرت جیؒ کی خدمت میں ہوں کبھی حضرتؒ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا، یہ کیوں نہیں کیا؟''

(روایت مولوی اسماعیل مایت صاحب)

ملفوظات: حضرت جیؒ لمبی تقریر کے عادی نہ تھے، آپ کے سفر و حضر میں تقریر ووعظ کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مدظلہ العالی پر ہوتی۔ حضرت آخر میں چند جملے ارشاد فرمادیتے، مگر عجیب تاثیر تھی نہ معلوم کس درد دل کے ساتھ زبان سے نکلتے اور دل میں اترتے:

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ارشادات نقل کردوں:

۱:...... فرمایا، دو راستے انسان کی زندگی گزارنے کے ہیں۔ ایک اعمال اور دوسرا مادیت والا، اور دونوں راستوں پر چلنے والے دو قسم کے انسان ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے دونوں راستوں کا اور دونوں طرح کے انسانوں کے انجام کا ذکر کیا ہے۔

۲:...... اللہ کے لئے اپنی مالوفات اور مرغوبات کو چھوڑ دینا، حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہجرت کہلاتا ہے۔

۳:...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو طبقوں میں منقسم تھے، یا مہاجر تھے اور یا انصار، پہلا درجہ ہجرت کا ہے اور دوسرا نصرت کا۔ لولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار۔ (ترمذی جلد ثانی)

آج بھی اگر امت ان دونوں حصوں میں تقسیم ہو جائے ایک دعوت کے لئے ہجرت کرے اور دوسری نصرت کرے، تو پورے عالم میں دین زندہ ہو جائے، ساری امت کی فکر کرو اور انہیں جہنم سے نجات دلانے کی تدبیر سوچو،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہاری کمر تھام کر جہنم سے روک رہا ہوں مگر تم ہو کہ تیزی کے ساتھ اسی طرف بڑھے جا رہے ہو''۔

۴ :...... عبداللہ بن مبارکؒ محدث تھے' چھ ماہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور چھ ماہ اللہ کے راستے میں گزارتے تھے اور اسی سفر میں جو غبار جسم پر لگ جاتا تھا' اس کو جمع کر لیتے تھے جسے اینٹ بنا کر رکھ دیتے اور اسی طرح قرآن وحدیث کی تحریر میں جو قلم استعمال کرتے تھے ان کے تراشے جمع کر لیتے تھے۔ وفات کے موقع پر فرمایا کہ قلم کے تراشوں سے میرے جنازہ کا پانی گرم کیا جائے اور قبر کو ان اینٹوں سے بند کیا جائے۔

۵ :...... اللہ تعالیٰ جب کرنے پر آتے ہیں تو اصنام کے پیٹ سے توحید ظاہر ہو جاتی ہے' باطل نقشوں سے حق کی آواز اٹھتی ہے۔

۶ :...... ایک مرتبہ دستر خوان پر فرمایا ''کھلانے والے میں بخل نہ ہو اور کھانے والے میں حرص و طمع نہ ہو اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

۷ :...... کام خوب ہو رہا ہے، قربانی دی جا رہی ہے، مگر رات کو رونے والوں کی کمی ہے۔

۸ :... یہ دنیا کی زندگی جو اجیرن بنی ہوئی ہے اگر احکامات کا ان میں لحاظ کیا جائے تو زندگی کا مزہ آجائے۔

۹ :...... یہ ساری محنتیں ایک اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہوں' مادی منفعت کے لئے ہرگز نہ ہوں' نہ کسی جاہ اور عہدہ کا ارادہ ہو۔

۱۰ :...... اللہ کی راہ میں ایک صبح گزار دینا یا ایک شام ''دنیا اور دنیا کی ساری

چیزوں سے بہتر ہے، حتی کہ سواری کا کھانا اور لید تک کو ثواب شمار کیا گیا ہے۔ (تلک عشرۃ کاملہ)

کیفیت دعا:

نظام الدین میں روزانہ اجتماعی وانفرادی دعا کا حال تو مجھے معلوم نہیں البتہ تبلیغی اجتماعات میں آخری دعا حضرتؒ ہی کی ہوتی، راقم الحروف کو مختلف اجتماعات کے موقع پر آپ کے ارشادات سننے اور دعا میں شریک ہونے کا موقع نصیب ہوا، اکثر دعا کے دن لاکھوں کا مجمع ہوتا، بڑے بڑے علماً اور اہل اللہ شرکت فرماتے، دعا اکثر طویل ہوتی، شروع میں عربی پھر اردو میں بہت گریہ وزاری و دل کی گہرائی اور اعتماد و یقین کے ساتھ دعا فرماتے، لاکھوں کا مجمع ہر ہر جملہ پر آمین کہتا، ساری فضا میں آمین کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی، سادہ دعائیہ جملوں پر لاکھوں آنکھیں پرنم ہو جاتیں تھیں، بعض نرم دل کی تو چیخیں نکل پڑتیں، دعا کے اختتام پر گھنٹوں دل پر اثر رہتا۔

اسفار:

حضرت جیؒ نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے علاوہ بیرونی ممالک میں یورپ وامریکہ کے بھی سفر فرمائے۔

حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت تو بیسیوں سے زائد مرتبہ نصیب ہوئی، کئی سالوں سے یہ معمول قضا نہ ہوا کہ ہر دوسرے سال حج کا سفر فرماتے، زندگی کے آخری سال میں بھی حق تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمادی اور اپنے

در پر بلا کر تسکین عطا فرمائی۔ گویا حضرتؒ کا یہ آخری سفر سفر آخرت کا مقدمہ تھا۔

مرض وفات :

حضرتؒ بیمار تو تھے ہی ضعف ونقاہت بھی تھی' معذوروں کی کرسی پر سفر فرماتے' چلنا پھر نا دشوار تھا آخری رات میں درد دل شروع ہوا اور چند گھنٹوں میں یہی درد مرض الموت ثابت ہوا' بالآخر نصف صدی سے دین کی محنت کرنے والا' آسمانِ علم وفضل اور افق رشد وہدایت کا چمکتا دمکتا سورج اپنی زندگی کی ستر منزلیں طے کر کے' دہلی نظام الدین میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور اپنے نیک اور مخلص بندوں کے ساتھ آپ کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔

مقبرہ ہمایوں کے میدان میں نماز جنازہ آپ کے صاحبزادہ مولانا زبیر صاحب مدظلہ نے پڑھائی' لوگوں کا ہجوم بے انتہا تھا' سنا ہے ڈھائی لاکھ کے قریب مجمع تھا۔ نظام الدین میں تدفین کا فیصلہ ہوا۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ داراً خیراً من دارہ واھلاً خیراً من اھلہ اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاول ۱۴۱۶ھ)

حضرت مولانا

سید مصباح اللہ شاہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

شب ہفتہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۴ر نومبر ۱۹۹۵ء کو ہمارے لائق احترام بزرگ اور ہمارے مدرسہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث وناظم تعلیمات حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہ صاحبؒ رحلت فرما گئے۔إنا لله وإنا اليه راجعون۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم کی پیدائش ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی مولانا سید عبدالصادق اور وطن مالوف "چنار کوٹ تحصیل مانسہرہ" (ہزارہ) تھا، خوش قسمتی سے تعلیم کا آغاز دارالعلوم دیوبند کی مبارک اور نورانی فضا میں ہوا، جس کی تقریب یہ ہوئی کہ ان کے بہنوئی جناب مولانا پیر سید شاہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، وہ اپنے اس عزیز کو چھ سال کی عمر میں اپنے ساتھ دارالعلوم لے گئے۔ مرحوم نے دو سال وہاں رہ کر ابتدائی فارسی وغیرہ پڑھی، ۱۳۵۷ھ میں مولانا پیر سید شاہ کی تعلیم مکمل ہو گئی تو ہمارے شاہ صاحبؒ کو بھی وہاں سے تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا، وطن میں اپنے والد ماجد

اور دیگر اہل علم سے پڑھتے رہے، پھر چھچھ (کیمبل پور) اور "انہی" (گجرات) میں مولانا شاہ ولی اللہ سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ بالآخر ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۳ء میں دار العلوم ٹنڈوالہ یار میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرحمان کامل پوری، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمانؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھا۔

فراغت کے بعد مدرسہ خدام القرآن میرے شاہ ضلع رحیم یار خان میں تدریسی خدمت پر مامور ہوئے، اور وہاں دس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اسی دوران حفظِ قرآن کریم کا شوق دامنگیر ہوا تو چار ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ ۱۹۶۵ء میں اپنے رفیق درس حضرت مولانا بدیع الزمان کے اصرار (اور غالباً حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ایماء پر) جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن (سابق مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن) تشریف لائے۔ اور قریباً تیس سال تک شیخ بنوریؒ کے مدرسہ میں اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے بالآخر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

بیعت کا تعلق حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا۔ بعد میں حضرت قطب العالم شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے خلیفہ اعظم حضرت اقدس شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ (سرگودھا والے) سے تجدید بیعت فرمائی، اپنے معمولات میں پختہ تھے، خصوصیت کے ساتھ نماز میں تکبیر تحریمہ کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ تین ہٹی کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں امام وخطیب تھے اور وہیں رہائش تھی، لیکن اب کچھ عرصہ سے مدرسہ کے فلیٹ میں

رہائش اختیار کرلی تھی اور مسجد کی امامت وخطابت ان کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ صاحب کے سپرد تھی، اس جمعہ کو (جس کے بعد کی شب میں انتقال ہوا) اس مسجد میں صاحبزادے کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انتقال بھی وہیں ہوا۔

یہ ناکارہ روسیاہ حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک سال بعد ۱۳۸۶ھ میں سیدی حضرت اقدس بنوریؒ کے ساتھ وابستہ اور ان کے مدرسہ کے ساتھ منسلک ہوا تھا، اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ تیس سال رفاقت رہی، اس طویل مدت میں خلوت وجلوت میں ان کے حالات کے مطالعہ کا موقع ملا، واقعہ یہ ہے کہ ان جیسے مرنجان مرنج آدمی کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں، ان کے بعض اوصاف وعادات تو اس ناکارہ کیلئے ہمیشہ لائق صدرشک رہے، ان کے یہاں انانیت وخود پسندی اور کبر وعُجب نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کسی سے بغض وکینہ رکھنا ان کے آئین درویشی ہی سے خارج تھا:

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

ترجمہ: ہمارا آئین ہے دل کو شیشے کی طرح صاف رکھنا، دل میں کینہ رکھنا ہمارے طریقہ میں کفر ہے۔

وہ کسی سے الجھنے اور جھگڑنے کے قائل ہی نہیں تھے، بسا اوقات مسائل زیر بحث آتے، لیکن ان کے یہاں کبھی مباحثہ ومجادلہ کی نوبت نہیں آئی تھی، جب کبھی گفتگو مباحثہ کا رخ اختیار کرتی نظر آتی وہ "بس چھوڑو مولوی صاحب!" کہہ کر فارغ ہو جاتے تھے اور مناقشہ کے چھینٹوں سے دامن بچا کر صاف نکل جاتے۔

حج وعمرہ کے اسفار میں اکثر ان کا ساتھ رہا لیکن وہ نماز کے اوقات میں (خصوصاً سحر کے وقت) چپکے سے حرم شریف کی طرف چل دیتے‘ اور کسی کی رفاقت کے منت کش نہیں ہوتے تھے‘ تکبیر تحریمہ پر شدت سے پابند تھے‘ حرم نبویؐ میں صف اول کا اہتمام رہتا‘ اور اس میں اکثر و بیشتر کامیاب ہوتے۔ مرحوم نے سفر آخرت میں بھی ”چپکے سے تنہا جانے“ کی روایت کو برقرار رکھا۔ تقاضائے سن وسال کے مطابق ضعف پیری تو تھا ہی‘ اس کے علاوہ بظاہر کوئی خاص تکلیف نہیں تھی‘ عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا‘ پھر باتیں کرتے رہے‘ کھانسی کی شکایت تھی‘ جس میں شدت سی آگئی‘ اسی حالت میں گیارہ بجے کے قریب اٹھ کر استنجا کیلئے گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر وضو کرنے لگے‘ گھر کے لوگوں نے کہا کہ ابھی نماز (تہجد) کا وقت نہیں ہوا آپ لیٹ جائیں‘ اور صاحبزادہ کھانسی کی تکلیف کیلئے ڈاکٹر کی طرف دوڑے‘ شاہ صاحبؒ وضو کر کے لیٹ گئے اور چپکے سے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راتوں رات تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا۔ جناب مفتی نظام الدین نے صاحبزادوں کے ساتھ مل کر غسل دیا‘ ۴ بجے میت مدرسہ لائی گئی‘ مفتی صاحب موصوف نے ہی جنازہ پڑھایا‘ اور تدفین کیلئے میت کو بذریعہ ہوائی جہاز آبائی وطن لے جایا گیا‘ اور آبائی قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ اس ناکارہ کو چار بجے کسی نے مدرسہ سے ٹیلیفون کیا کہ رات شاہ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا ہے‘ نماز جنازہ فجر کے بعد ہو گی۔ بھاگم بھاگ فجر کی نماز پر پہنچا‘ معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ تو جا بھی چکے۔

مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ‘ چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کو سوگوار

چھوڑا ہے۔ دو بڑے صاحبزادے ماشاءاللہ عالم ہیں، ان سے چھوٹے اس سال دورہ حدیث کی تکمیل کررہے ہیں اور سب سے چھوٹے مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ صاحبزادی ماشاءاللہ شادی شدہ ہیں اور اپنے گھر میں خوش وخرم ہیں۔

حق تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور ان کے تمام پسماندگان کی کفایت فرمائیں اور انہیں اجر وصبر کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وابدله داراً خيراً من داره واهلاً خيراً من اهله اللهم لاتحرمنا اجرهٗ ولا تفتنا بعده۔

(ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۴۱۶ھ)

حضرت مولانا

محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

بتاریخ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء شب دوشنبہ کو دو بجے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی ۸۵ برس کی عمر میں رحلت فرماگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم ۱۲ فروری ۱۹۱۳ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو بروز چہار شنبہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دینی تعلیم مدرسہ لکھنؤ اور دارالعلوم ندوۃ العلماءؒ لکھنؤ میں حاصل کی، فقہ وحدیث اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد "مولوی فاضل" اور قرأت کی سندات بھی دارالعلوم ہی سے حاصل کیں، پھر منبع الطب کالج لکھنؤ میں طب کا نصاب مکمل کیا، اور کانپور میں مطب جاری کیا۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے تدریسی خدمات وقف کردیں، اور زندگی کا طویل دورانیہ دارالعلوم کے ساتھ وابستگی میں گزارا، وہاں کے شیخ الحدیث اور مہتمم بھی رہے، اسی دوران حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فرمائش پر "اسلام کا سیاسی نظام" لکھی، یہ گویا آئین پاکستان کا پہلا خاکہ تھا۔ یہ کتاب

حضرت سید صاحبؒ کے ادارہ "دارالمصنفین اعظم گڑھ" سے شائع ہوئی اور پاکستان میں سندھ اکیڈمی نے اسے شائع کیا۔

سنہ ۱۳۹۰ھ کے اواخر اور ۱۹۷۱ء کے اوائل میں حضرت اقدس محدث العصر سیدی وشیخی الشیخ العلامہ شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے، حضرت نے جامعہ علوم اسلامیہ کے شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کی نگرانی پر حضرت مرحوم کو مقرر فرمایا' اور ایک عرصہ تک اس شعبہ کے مشرف رہے، اور اس شعبہ کے طلبہ کو "حجة الله البالغة" (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سبقاً پڑھائی۔ اور ایک عرصہ تک جامعہ کے شعبہ دار التصنیف "مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی" کے رفیق رہے، اور متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، اظہار حقیقت، تنویر العینین فی تفسیر المعوذتین' دینی نفسیات' ایمان وایمانیات' نور حیات وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان کے متعدد مضامین ومقالات ماہنامہ "بینات" کی زینت بنے۔

حضرت مولانا مرحوم اصلاح وارشاد کا تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رکھتے تھے، اور ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبد الحی عارفی قدس سرہ سے مجاز تھے۔ عجز وانکسار میں ممتاز تھے، مزاج میں تواضع اور مسکنت تھی۔ نماز میں ان کے خشوع کی کیفیت دیدنی ہوتی تھی، جو ہم خوردوں کے لئے لائق رشک بھی تھی اور سبق آموز بھی، الغرض حال وقال اور ظاہر وباطن کے جامع تھے۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

مرحوم کا نشو ونما لکھنؤ کی فضا میں ہوا تھا، ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت امام

اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے مدرسہ میں ہوئی تھی اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی محبت و عظمت ان کی روح و قلب میں پیوستہ تھی، پھر ان کی عمر عزیز کا قیمتی حصہ بھی لکھنؤ کے اسی ماحول میں گزرا تھا اور انہوں نے مدح صحابہؓ میں لوگوں کی چیرہ دستیوں اور تحریک مدح صحابہؓ کی جولانیوں کو بچشم خود دیکھا تھا، اس لئے دشمنان صحابہؓ کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ ادھر محمود احمد عباسی کی تحریک ناصبیت بھی بظاہر حمایت صحابہؓ کے پردے میں اٹھائی گئی تھی، جس نے ہمارے دینی مدارس کے بہت سے فضلأ کو متاثر کیا' اور بہت سے نوجوان علمأ نے رافضیت کے رد عمل میں محمود احمد عباسی کے افکار کی آبیاری شروع کر دی اور اسی کو مسلک اہل سنت کی خدمت تصور کیا' ان حضرات نے مولانا مرحوم کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا' مرحوم کو "امام اہل سنت" کا خطاب دے کر ان کا قرب حاصل کیا اور مرحوم سے اپنی کتابوں پر تقریظیں لکھوانی شروع کر دیں' اس طرح مولانا مرحوم کو اس تحریک ناصبیت کے قائد کی حیثیت سے پیش کیا۔

حضرت مرحوم کا ناصبیت کی طرف انتساب ہم خدام کیلئے موجب تشویش تھا' ادھر ان کا مدرسہ سے تعلق اس تشویش میں مزید اضافے کا موجب تھا' ہم خدام نے کوشش کی کہ مرحوم کا "ناصبی تحریک" کے نمایاں لوگوں سے تعلق ختم ہو جائے اور وہ ان کے غلط سلط رسائل وکتب پر تصدیق و تقریظ ثبت نہ فرمایا کریں، مگر افسوس کہ یہ کوشش "سعی لاحاصل" رہی۔ دریں اثنأ ۱۹۸۳ء (۱۴۰۳ھ) میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، چکوال، نے ۶۱۲ صفحے کی ایک

ضخیم کتاب :

”مولانا محمد اسحاق سندیلوی۔ کراچی کا مسلک اور خارجی فتنہ حصہ اول“

کے نام سے تحریر فرمائی، جس میں پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ دلائل واقتباسات کی روشنی میں مولانا مرحوم کو اس ناصبی تحریک کا قائد ثابت کیا گیا۔ یہ کتاب راقم الحروف کو تبصرہ کے لئے بھیجی گئی، راقم الحروف نے ماہنامہ "بینات" کے انیس صفحات میں اس کتاب کی تلخیص قارئین کے سامنے پیش کرکے اس پر اپنی جانب سے چار صفحے کا تبصرہ کیا، نامناسب نہ ہوگا اگر تبصرہ کا یہ حصہ یہاں دوبارہ نقل کردیا جائے تاکہ اس کا مالہ وماعلیہ قارئین کے سامنے آجائے :

”مندرجہ بالا اقتباسات سے جناب مصنف کے مباحث کا خلاصہ اوران کی تنقیدات کا نمونہ قارئین کے سامنے ہے۔

بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں :

ایک یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے۔ اوراس کا انکار یااس کی تنقیص خلافت راشدہ کا انکار یااس کی تنقیص ہے۔

دوم : یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے دور میں جو مشاجرات ومحاربات رونما ہوئے ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق

جانب تھے' جو حضرات ان کے خلاف صف آرا ہوئے وہ خطا پر تھے' مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے' انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا۔ اس اس لئے وہ اپنی تمام اجتہادی خطا پر بھی عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں' ان پر طعن و تشنیع روا نہیں۔

بلاشبہ ان دونوں مسئلوں میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے۔ اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔

جو لوگ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر ناروا حملے کرتے ہیں اور آپ کی توہین و تنقیص کے درپے رہتے ہیں وہ درحقیقت ان خوارج کے جانشین ہیں جن کے بارے میں لسان نبوت ﷺ سے : "یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیة" کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور جن کے

بارے میں فرمایا گیا کہ :"لان ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد"
یہ خارجیت دراصل رافضیت وسبائیت ہی کی ایک شاخ ہے جس کا مقصد اکابر امت کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ مگر ہمارے دور میں یہ ٹولہ تردید سبائیت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے اس لئے بہت سے نوجوان بھی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں' اوران کی ہفوات کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں' اس لئے شدید ضرورت تھی کہ ان مسائل میں اہل حق کے عقیدہ کی وضاحت کردی جاتی۔ جناب مصنف صحیح فرماتے ہیں کہ :

"عباسیت ویزیدیت کے اثرات دیوبندی حلقوں میں سرایت کررہے ہیں' بہت کم علما رہ گئے ہیں جن کا مقصد تحفظ مسلک ہے۔ دینی مدارس میں بھی عقیدہ خلافت راشدہ زیر بحث نہیں آتا۔ اکابر محققین کی تحقیق پر اعتماد نہیں رہا، اور ہمارے مدارس کے بعض طلبہ اہل زیغ والحاد کے لٹریچر سے متاثر ہو جاتے ہیں"۔ (ص ۲۸)

جناب مصنف مدفیضہم کے مقصد سے اتفاق اور زیر بحث مسائل میں ان کے موقف کی مکمل تائید کے باوجود ہمیں ان کے اندازبیان سے اختلاف رہا ہے۔ ہمارے نزدیک اس فتنہ کی اصلاح وتدارک کی صحیح صورت یہ تھی کہ خوارج ونواصب نے جو شبہات پھیلار کھے ہیں اور جن کاوہ ہر تقریر و تحریر میں

آموختہ دہراتے رہتے ہیں، کسی خاص فرد کو نشانہ بنائے بغیر ان کا جواب دیا جاتا اور ان مسائل میں مثبت انداز میں اہل حق کا مسلک پیش کر دیا جاتا۔ اس صورت میں کتاب زیادہ ضخیم بھی نہ ہوتی اور مناظرانہ ردوکد اور غیر ضروری بحث سے بھی کتاب پاک ہوتی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی اپنے لئے "زاد سقر" تیار کرنا چاہتا تو ہماری بلا سے۔ لیھلك من هلك عن بينة ويحيىٰ من حى عن بينة۔"

اور اگر جناب مصنف کی نظر میں مولانا محمد اسحاق صدیقی کی کچھ تحریریں یا ان کے افکار و نظریات مسلک اہل حق کے خلاف ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے تو اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ مولانا کو ذاتی طور پر ان کی توجہ دلائی جاتی اور ان سے التماس کی جاتی کہ وہ ان کی اصلاح فرمائیں، مولانا محمد اسحاق صاحب حضرت تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ کے شیخ طریقت ہیں اور حضرت تھانویؒ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے کہ حضرتؒ نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کیلئے "ترجیح الراجح" کے عنوان سے ایک مستقل سلسلہ شروع کر رکھا تھا، اور اہل علم میں سے کوئی شخص حضرتؒ کی کسی فروگزاشت یا تسامح پر مطلع کرتا تو اپنی غلطی سمجھ میں آجانے کے بعد حضرتؒ اس سے رجوع کا اعلان فرما دیتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ رشید حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے بارے میں میں نے حضرت اقدس بنوری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ آخری زمانے میں فرماتے تھے (جس کا مفہوم یہ تھا) کہ میرے پہلے زمانے کی تصانیف میں کچھ تسامحات اور غلطیاں رہ گئی ہیں۔ افسوس کہ میں نظر ثانی نہیں کر سکتا۔' کاش آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے دو چار محقق علماٗ میری کتابیں پڑھ کر میری غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے تو میں ان سے رجوع کا اعلان کر دیتا اور ان کی اصلاح کر لیتا۔

حضرت مولانا اسحٰق صاحب کے تدیّن و تقویٰ کے پیش نظر ان سے یہی توقع تھی کہ اگر حق پرست اہل علم ان کو ان کے تسامحات اور فرو گزاشتوں کی طرف توجہ دلاتے تو وہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسوۂ حسنہ کو پھر سے تازہ کرتے' اور اپنی عبارتوں کی مناسب اصلاح فرما دیتے۔

اہل علم کا دوسرے اہل علم پر رد کرنا یا ان کے نظریات پر تعاقب کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ امام مالکؒ کے بقول "کل مناراد ومردود علیه الاصاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم"

ہم حضرات صوفیاٗ کے شطحیات اور اہل علم کے تفردات

وشطحیات کو لائق اقتدا نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدھم کے بعض تفردات سے ہمیں بھی اختلاف ہے' اور ان کی جن عبارتوں کی حضرت قاضی صاحب نے نشاندہی کی ہے انہیں لائق اصلاح سمجھتے ہیں' لیکن ان کے علم وفضل' زہد و تقویٰ اور شرف و عظمت کے بارے میں ہمارے دل میں کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت قاضی صاحب تو ان کی برابر کی سطح کے بزرگ ہیں' وہ ان پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں مگر راقم الحروف جیسے لوگ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم جن اکابر کے حوالے سے بات کہتے ہیں خود مولانا کو بھی اعتراف ہوگا کہ وہ اپنے علم وفضل کی بلندیوں کے باوصف ان اکابر کی گرد پا کے برابر بھی نہیں۔ ان اکابر کے مسلک سے ہٹ کر خودروی وخود رائی اختیار کرنے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور مدت العمر اپنے اکابر اور جمہور اہل سنت کے نقش قدم پر جینے اور اسی پر مرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کسی نئے نظریہ کی اختراع یا شاذ اقوال کی اتباع کبھی امت کے حق میں خیر وبرکت کی موجب نہیں ہوئی۔ ان چیزوں سے ہر مؤمن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

قاضی صاحب نے مولانا پر جو تنقیدات کی ہیں اگرچہ

ان کا لب ولہجہ بہت ہی تیز وتند ہے، لیکن مولانا کی عظمت وبلندی اور ان کے بے نفسی وللّٰھیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس "داروئے تلخ" کو نسخہ شفاء سمجھتے ہوئے نوش کریں گے:

"شفا بایدت داروئے تلخ نوش کن"

"اظہار حقیقت" میں مولانا محترم نے کیسی عمدہ بات فرمائی ہے:

"الحمد للہ کہ ان سطور کا راقم زمرہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اسی پر استقامت کو اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خلافت صحیح خلافت تھی، اور بے شک وہ خلیفہ بر حق ہیں، یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربی اعظم خاتم النبیین ﷺ کے فیض تربیت نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے قلب کو حب دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک کردیا تھا۔ چہ جائیکہ حضرت علی المرتضیٰؓ جن کا شمار اکابر صحابہ میں سے ہے اور وہ اس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں۔"

(جلد دوم ص ۱۸)

ظاہر ہے کہ جب حضرت محترم مسلک اہل حق پر جینے اور مرنے کا عہد کرتے ہیں تو اگر ان کی کوئی عبارت ان کے

عہد کے خلاف ہو تو اس کی اصلاح ناگزیر ہو گی۔ نیز جس طرح ان کا قلم روافض (خذلہم اللہ) کے خلاف شمشیر براں ہے اسی طرح نواصب و خوارج (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا یا تو انکار کرتے ہیں' یا اس کی توہین و تنقیص اور بے وقعتی کرتے ہیں) کے خلاف بھی اسی شدت و قوت سے چلنا چاہئے۔ اہل سنت کو جس طرح روافض سے نفرت ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کی تنقیص کرنے والے "مارقین" سے بھی نفرت ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف و مسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے۔ اور خود حضرت مولانا محمد اسحاق مرحوم نے بھی منقولہ بالا اقتباس میں اسی کو اپنا عقیدہ و ایمان بتایا ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے خلاف جس درشتی و تندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

اب اگر مولانا محترم اس شدت سے قطع نظر کر کے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ ان کی للّٰہیت و بے نفسی کا کمال ہو گا' اور اگر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیں تو قلم ان کے ہاتھ میں بھی ہے' جس

کا نتیجہ یہ ہوگا سبائیت وخارجیت کے طفیل میں اہل سنت کے دو بڑے بزرگوں کے درمیان ایک اور ''جنگ صفین'' برپا ہوگی' دشمنان صحابہؓ (خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وناصبی) خوش ہوں گے اور ان بزرگوں کے نیاز مند غنی کا یہ شعر پڑھ کر ماتم کریں گے:

''غنی روز سیاہ ماہ کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا''۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی۔ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق جنوری ۱۹۸۴ء)

اس تبصرے سے مدعا یہ تھا کہ مولانا مرحوم کو قاضی صاحب کے اقتباسات' اور ان پر اس ناکارہ کا متوازن تبصرہ پڑھ کر اصلاح احوال کی طرف توجہ ہوگی' وہ نہ صرف یہ کہ خارجیت وناصبیت کا پرچار کرنے والے افراد کی سرپرستی سے احتراز فرمائیں گے بلکہ خود ان کی اپنی تحریروں میں جو الفاظ اصلاح طلب ہوں گے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں گے' لیکن:

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

مولانا مرحوم نے ہماری آرزو کے برعکس اس تبصرہ پر شدید رد عمل کا اظہار فرمایا اور جامعہ سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ فرمالیا۔ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن مرحوم اور دیگر خدام نے ان سے درخواست کی کہ وہ استعفیٰ نہ دیں تو مرحوم نے دو شرطیں پیش فرمائیں' ایک یہ کہ تبصرہ نگار ''بینات'' کے صفحات میں اس پر معافی طلب کرے' دوم یہ کہ وہ اس کا جواب لکھیں گے اسے ''بینات

"میں شائع کیا جائے۔

جناب مفتی احمد الرحمٰن مرحوم نے مولانا مرحوم کی ان دونوں شرطوں کا تذکرہ راقم الحروف سے کیا' میں نے عرض کیا کہ پہلی شرط تو سر آنکھوں پر! اس ناکارہ کے جن الفاظ پر حضرت مولانا کو اشکال واعتراض ہو ان کو نشان زد کر کے میرے پاس بھیج دیں' میں "بینات" کی اگلی اشاعت میں ان تمام الفاظ کو نقل کر کے لکھ دوں گا کہ :

"تبصرہ کے ان الفاظ سے حضرت مولانا کو ناگواری ہوئی ہے' میں اپنے ان الفاظ کی کوئی توجیہ وتاویل نہیں کرنا چاہتا' بلکہ بذریعہ تحریر ہٰذا حضرت مولانا سے غیر مشروط معافی طلب کرتا ہوں"۔

جہاں تک ان کی دوسری شرط کا تعلق ہے کہ وہ قاضی صاحب کے مناقشات کا جواب تحریر فرمائیں گے "بینات" ان کے جواب کو شائع کرے آپ (مفتی احمد الرحمٰن مرحوم) حکم فرمائیں تو مجھے شائع کرنے سے کیا انکار ہو سکتا ہے؟ اس کیلئے احباب سے مشورہ کر لیا جائے' یہ ضرور ہے کہ اس کے بعد قاضی صاحب بھی "جواب الجواب" لکھیں گے' یوں ایک ناخوشگوار بحث چل نکلے گی' اور نتیجہ کچھ برآمد نہیں ہوگا۔ اگر حضرت مولانا کو قاضی صاحب کا جواب ہی لکھنا ہے تو انہی کی طرح اپنے جواب کو بھی کتابی شکل میں شائع کر سکتے ہیں۔

الغرض ہماری کوشش ناکام ہوئی' حضرت مولانا مرحوم نے اصلاح احوال کے بجائے مدرسہ سے تعلق ختم کرنے کو ترجیح دی۔ وکان امر اللہ قدرًا

مقدور اً ان کے "ترک خدمت" کا ہم خدام کو تو افسوس ہوا لیکن جن لوگوں کے تعلق کی وجہ سے یہ افسوسناک سانحہ رونما ہوا ان کو اس سے خوشی ہوئی ہوگی کہ ان لوگوں کو اپنے افکار مولانا کی طرف منسوب کرنے سے اب کوئی مانع نہیں رہا تھا' چنانچہ بعد میں ایسے مناظر بھی آنکھوں کے سامنے آئے ہیں جن کا ذکر شاید حدیث نبویؐ:

"اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم" (مشکوٰۃ ص: ۱۴۷)

(اپنے گزشتگان کی خوبیاں ذکر کیا کرو' اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو)

کے خلاف ہوگا۔ - - - - - - - - - - - - - -

گلشن اقبال نمبر ا میں ان کے بھائی صاحب کی رہائش ہے۔ مولانا مرحوم انہی کے یہاں رہائش پذیر تھے۔ اور تجرید و تفرید کے منازل طے کرتے ہوئے بالآخر بھائی صاحب کے مکان میں ۸۵ برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

محلے کی مسجد میں، جو مسجد قباء کے نام سے معروف ہے، ظہر کے بعد مولانا مرحوم کا جنازہ ہوا' ہم خدام کو بھی اس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی' محترم مولانا محمد طاسین صاحب نے امامت کے فرائض انجام دیئے' اور فیڈرل بی ایریا غریب آباد سے ملحقہ قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔ یوں زندگی کا تھکا ماندہ مسافر اپنی آخری آرامگاہ تک پہنچا۔

حق تعالیٰ شانہ ہماری اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائیں' اور رحمت و رضوان اور مغفرت کا خصوصی معاملہ فرمائیں، آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی شعبان ۱۴۱۶ھ)

راقم الحروف نے حضرت مرحوم پر جب یہ شذرہ سپرد قلم کیا تو حضرتؒ کے برادر خورد جناب عبدالحق تمنا صاحب نے میری تحریر کے بعض مندرجات میں احتجاج واختلاف فرمایا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا خط اور راقم الحروف کا جواب نقل کردیا جائے:

حضرت مرحوم کے برادر خورد کا مکتوب

بخدمت عالی جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ العالی

مکرمی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بینات کے جنوری ۱۹۹۶ء کے شمارے میں آپ کا مضمون "حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ" پڑھ کر دل پر ایسی چوٹ لگی کہ میں یہ خط لکھنے پر مجبور ہوگیا۔

میں مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی مرحوم کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں اور یہ شرف مجھے حاصل ہوا کہ میری درخواست پر انہوں نے میرے ساتھ مستقل قیام کا فیصلہ کیا اور ۱۹۸۴ء سے لے کر اپنے آخری لمحات تک میری اور میرے بیوی بچوں کی سرپرستی فرمائی۔

قبل اس کے کہ میں آپ کے ان جملوں کا ذکر کروں جو تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہوگئے، محض ریکارڈ کی درستی کے لئے چند دوسری باتیں لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

بھائی صاحب مرحوم (مولانا محمد اسحاق ندوی) صاحب

مرحوم) نے بیاسی ۸۲ سال اور تقریباً سات ماہ کی عمر پائی نہ کہ پچاسی سال کی جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

ابتدائی تعلیم کے لئے دو سال انہوں نے ندوۃ العلماء میں گزارے اور علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل کیا لیکن فقہ، حدیث اور درس نظامیہ کی تکمیل مدرسہ الفرقانیہ (لکھنؤ) سے کی اور قرأت کی سندات بھی مدرسہ الفرقانیہ ہی سے حاصل کیں (مجھے مدرسہ ہی یاد پڑتا ہے ہو سکتا ہے جامعہ الفرقانیہ ہو)

میں تھوڑا بہت پڑھا لکھا ضرور ہوں لیکن نہ تاریخ کا طالب علم رہا ہوں' نہ عالم دین ہوں' اس لئے آپ کے مضمون کے اُس حصے پر تبصرہ کرنے کا اہل نہیں جس میں آپ نے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے بھائی صاحب مرحوم کو ناصبی تحریک کا قائد کہا ہے۔ میں اس سلسلے میں وہی بات کہوں گا جو آپ نے کہی ہے یعنی "اہل علم کا دوسرے اہل علم پر رد کرنا یا ان کے نظریات پر تعاقب کرنا کوئی نئی بات نہیں" (پر کا استعمال غالباً کتابت کی غلطی ہے) ہاں ایک بات ضرور عرض کروں گا کہ میں نے متعدد بار بھائی صاحب مرحوم کی زبان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ برحق ہونے کی

بات سنی تھی اور یہ بات انہوں نے دوسروں کی موجودگی میں کہی تھی۔

آپ کی ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آپ نے گڑے مردے اکھاڑنے کی ضرورت کیوں محسوس کی، اور وہ وجوہات کیوں سپرد قلم کیں جن کی بنا پر بھائی صاحب مرحوم نے جامعہ سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور خصوصیت سے اب جبکہ وہ آپ کی بیان کردہ وجوہات پر تبصرہ کرنے کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

اور اب میں آپ کے وہ الفاظ نقل کرتا ہوں جنہوں نے میرا دل چھلنی کر دیا اور میں آپ سے احتجاج کرنے پر مجبور ہوا۔ آپ نے لکھا ہے: "اس پر مستزاد یہ کہ اس پیرانہ سالی میں وہ کسمپرسی کے عالم میں گزر رہے تھے، اولاد تھی ہی نہیں، اہلیہ کا ساتھ تھا، اور وہ بھی چند سال پہلے داغ مفارقت دے چکی تھیں، ان صدمات نے ان کے ذہن کو کس قدر متاثر کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ دوسروں کو مشکل ہے اس لئے آخری دور حیات میں وہ واقعتاً معذور تھے" (زبان کی غلطیوں کو میں نظر انداز کرتا ہوں کہ نفسِ مضمون سے ان کا کوئی تعلق نہیں)

معذوری دو قسم کی ہو سکتی ہے اول جسمانی اور دوم

ذہنی۔ جہاں تک جسمانی معذوری کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ہے کہ وہ مرنے سے چند ماہ قبل بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن اتنی طاقت تھی کہ مسجد میں نماز ادا کرنے جاتے تھے۔ ہاں انتقال سے چند دن قبل صرف دووقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ لیکن آخری دن تک وہ حسب معمول کسی دوسرے کا سہارا لئے بغیر ناشتے اور کھانے کے لئے اوپری منزل سے نیچے آئے اور واپس اوپر گئے۔ جہاں تک ذہنی معذوری کا تعلق ہے آخری دن بھی انہوں نے فجر کی نماز ادا کی، قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے بعد اپنی کتاب جو وہ لکھ رہے تھے لکھنے بیٹھ گئے اور تقریباً دو گھنٹے تک لکھتے رہے پھر کچھ حضرات ان سے ملنے آئے جن سے بامعنی اور باربط گفتگو کی اور کسی نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہیں۔ آخر وقت تک اُن کی تحریریں بامقصد، بامعنی اور باربط رہیں، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ نے کس بنیاد پر ان کو ذہنی طور پر معذور قرار دیا اور وہ بھی ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد کہ اب وہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ آپ کا انداز ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی پاگل کی بات کا برا مانے تو لوگ اس سے کہیں "ارے بھائی! اس کی بات کو برا کیوں مانتے ہو یہ تو پاگل ہے" لیکن آپ نے

معذور کے ساتھ "واقعۃً" کا لفظ استعمال کر کے اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی حالانکہ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی اور ان کی ملاقات کئی برس سے نہیں ہوئی تھی۔ سنی سنائی باتوں کو تحقیق کئے بغیر آگے بڑھا دینے والی حدیث آپ نے ضرور پڑھی ہو گی۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ کا حوالہ تو آپ نے اسی مضمون میں دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"اپنے گزشتگان کی خوبیاں ذکر کیا کرو' اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو"

میں ان کے پاس اکثر بیٹھ جاتا تھا اور بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کا حافظہ آخر وقت تک بالکل نارمل تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ بالکل نئے علوم کے حصول کی اور ان میں اچھی خاصی استعداد پیدا کرنے کی صلاحیت ان میں آخر وقت تک قائم رہی۔ دو سال قبل انہیں سائنس کے مضامین پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے فزکس اور زولوجی میں اتنی قابلیت پیدا کر لی کہ اپنے ایک دوست فہیم صاحب کے بیٹے خالد سلمہ' کو انٹر میڈیٹ کی تیاری میں مدد دی۔ انتقال سے چند ماہ قبل انہوں نے ایک کتاب THE.IN.GANE PAWMS پڑھی تھی جس میں یہودیوں کی بین الاقوامی سازشوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور ان کے آئندہ کے

منصوبوں کی نشاندھی کی گئی ہے۔ چونکہ میں بھی اس موضوع سے خصوصی دلچسپی رکھتا ہوں اس لئے انہوں نے مجھے بلاکر اس کتاب پر بہت عالمانہ تبصرہ کیا اور اس موضوع پر لکھی ہوئی تقریباً پانچ کتابوں کے حوالے دیئے اور ان کی کسی بھی بات سے ان کی ذہنی معذوری کا اظہار نہیں ہوا۔

آپ نے اپنے مضمون میں یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنا بڑھاپا کسمپرسی کے عالم میں گزار رہے تھے۔ معلوم نہیں کسمپرسی کا لفظ آپ نے کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ عام طور پر یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جس کا کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ اللہ کے فضل سے بھائی صاحب کے پوچھنے والے اتنے تھے کہ بعض اوقات انہیں اپنے تصنیف کے کام کیلئے وقت نکالنے میں دقت ہوتی تھی۔ اعزاواقارب، دوست واحباب اور معتقدین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ پاکستان کے مختلف صوبوں سے اور غیر ممالک سے علمأ ان سے ملنے آتے تھے ورنہ خط وکتابت کے ذریعہ ان سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے اخبارات ورسائل کے علاوہ ان کے نام اوسطاً دس خطوط روزانہ آتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ جب تک زندہ رہے کبھی کبھی ان سے ملنے آتے تھے ورنہ کہلواتے تھے

"مولانا آجایئے آپ سے ملنے کو جی بہت چاہتا ہے"

خود آپ کی جامعہ سے کچھ علماء ان سے ملنے آتے تھے۔ جناب یوسف صدیقی صاحب کے گھر پر ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو درس قرآن کے لئے جاتے تھے۔ جناب یوسف صاحب ان کو لانے لیجانے کا خاص انتظام کرتے تھے میرے بھائی اور میری بہن اور دوسرے اقرباء ان کو اپنے گھر آنے اور چند دن قیام کرنے کی دعوت باربار دیتے تھے اور کبھی کبھی دل گھبراتا تھا تو چلے بھی جاتے تھے۔

آپ نے ان کی معذوری کی دو خصوصی وجوہات بیان کی ہیں، اول: یہ کہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی دوم: یہ کہ ان کی اہلیہ چند سال قبل داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ان کو اپنی شادی کے دو سال بعد یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ وہ اولاد سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ آپ نے نفسیات کی ایک اصطلاح Compensation پڑھی ہوگی جس کا خلاصہ یہ کہ اللہ جب انسان کو ایک صلاحیت سے محروم کرتا ہے تو کوئی دوسری صلاحیت عطا کر دیتا ہے اور اس عطا کردہ صلاحیت کا معیار بھی بہت بلند کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر نابینا حضرات کا حافظہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ سے محروم لوگ اکثر بہت ذہین ہوتے ہیں' بھائی صاحب مرحوم کو اللہ نے اولاد سے محروم کیا تو ان کی

ذہانت میں اضافہ کر دیا، جس کا اعتراف علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کیا کہ "اسلام کا سیاسی نظام" لکھنے کے لئے ان کا انتخاب کیا جو انہوں ایک سال میں مکمل کرلی، اس کے بعد علامہؒ نے ان کو ندوۃ العلماء سے وابستہ ہونے کا حکم دیا۔ بھائی صاحب کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور ان کو معلوم تھا کہ وہ اولاد سے محروم رہیں گے۔ ۱۹۷۱ء میں بھائی صاحبؒ کی عمر پچپاس سے تجاوز کر چکی تھی اور بڑھاپے کا دور شروع ہو چکا تھا اس کے باوجود علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب انہیں پر پڑی اور ہندوستان سے ان کو بلا کر جامعہ کی خدمات سپرد کیں۔

آپ نے یہ ثابت کرنے کے لئے اسّی سال کی عمر کے بعد انسان ذہنی معذور ہو جاتا ہے ایک عربی شاعر کے شعر کا سہارا لیا ہے۔ آپ خود ہی جانتے ہیں کہ شعراٗ مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور میں بغیر کسی تردد کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ عربی شاعر جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے انسانی نفسیات سے بالکل ناواقف تھا۔ اگر اس نے انسانی فطرت کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ دنیا میں ہر فرد ہر دوسرے فرد سے مختلف ہوتا ہے۔ (یہ بھی اللہ کا معجزہ ہے) اور بعض لوگ عمر کے ساتھ مطالعہ کی مدد سے اپنے ذہن کو زیادہ فعال

بنا لیتے ہیں۔

ایک بات جس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں لیکن بھائی صاحب مرحوم کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے، لکھتا ہوں = بھائی صاحب مرحوم نے ۱۹۹۰ء میں ڈائری لکھنا شروع کی تھی جس کو وہ پابندی سے نہ لکھ سکے کیونکہ اپنی ذات کے بارے میں لکھنے کے لئے اُن جیسے شخص کے لئے وقت نکالنا مشکل کام تھا۔ اس ڈائری کے شروع کے صفحات میں انہوں نے اپنے ماضی کے بارے میں چند باتیں لکھیں۔ پھر ۱۹۹۳ء میں کچھ صفحات لکھ سکے۔ سب سے آخر میں ۱۹۹۵ء میں انہوں نے ایک جملہ لکھا جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں:

"میری زندگی میں میرے چند احباب اور چند علماٗ نے میرا دل بہت دُکھایا لیکن میں اللہ کے حضور شکایت کے یہ کانٹے لے کر نہیں جانا چاہتا۔ میں ان سب کو صدق دل سے معاف کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی انہیں معاف کردے"

یہ بھی عرض کروں کہ اس سلسلے میں انہوں نے کسی دوست یا عالم کا نام نہیں لکھا۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ عالم دین ہیں

اور میں کسی قیمت پر آپ سے یہ درخواست نہیں کروں گا کہ

آپ خدانخواستہ مجھ سے معافی مانگیں' میرے جذبات کو ٹھیس

لگی میں نے اس کا اظہار کر دیا۔ اب میرا دل صاف ہے۔

میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" حسب سابق

پڑھتا رہوں گا اور کوئی شرعی مسئلہ معلوم کرتا ہوا تو آپ ہی

سے رجوع کروں گا۔

میں اپنے تلخ الفاظ کی جو اس خط میں استعمال کئے

گئے ہیں معافی چاہتا ہوں۔ فقط۔ احقر عبدالحق تمنا

۱۰ جنوری ۱۹۹۶ء

کیا میں یہ توقع رکھوں کہ آپ یہ خط شائع کر کے مجھے

شکریہ کا موقع دیں گے؟

راقم الحروف کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم جناب عبدالحق صاحب تمنا صدیقی۔ زیدت

الطافہم وعنایاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مرحوم کے بارے میں

میرا جو نوٹ بینات میں شائع ہوا اس کے سلسلہ میں آنجناب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ اس ناکارہ کا جو فقرہ آنجناب کے عنایت نامے کا محرک بنا میں اس کو قلمزد کرتا ہوں (مولانا مرحوم کا سن وسال ...... سے ...... لیکر معذور تھے" تک پورا پیراگراف) اور اللہ تعالیٰ سے، مرحوم کی روح سے، آنجناب سے اور دیگر متعلقین سے ندامت کیساتھ معذرت چاہتا ہوں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انك رؤف رحیم۔

میری کتاب "شخصیات وتأثرات" میں یہ مضمون شامل کیا جائے گا تو یہ پیراگراف اس میں نہیں آئے گا۔ رہی حضرت مرحوم کی عمر کی بحث! سو یہ نزاع لفظی ہے۔ آنجناب نے شمسی حساب سے لکھا ہے، اور اس ناکارہ نے قمری حساب سے، مرحوم کی ولادت: ۵ / ربیع الاول ۱۳۳۱ھ، وفات: ۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ کل عمر: ۸۵ برس، ۲ مہینے ۲۲ دن۔

حضرت مرحوم کی تعلیم کے بارے میں اس ناکارہ نے ایک رفیق سے عرض کیا تھا کہ وہ آنجناب سے حالات معلوم کرلیں، انہوں نے جو کچھ لاکر دیا وہ میں نے اپنے الفاظ

میں نقل کردیا، بعد میں معلوم ہواکہ حضرت مرحوم کے
خودنوشت حالات "نقیب ختم نبوت ملتان" میں شائع ہوئے
ہیں اگر پہلے علم ہو جاتا تو خود لکھنے کے بجائے حضرتؒ ہی کی
تحریر نقل کر دیتا۔اب انشاء اللہ !کتاب میں مضمون کوشامل
کرتے وقت یہی کرونگا۔آنجناب کے آخری پیراگراف سے
دل پر جناب کی عظمت کا نقش قائم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ
کودارین کی ترقیات سے نوازیں۔

نوٹ : چونکہ اس ناکارہ سے آنجناب کو قلبی رنج پہنچا اس لئے
اظہار ندامت اور معذرت طلبی کے ساتھ آنجناب کی تطییب
قلب کے لئے اپنی دو کتابیں ہدیہ کرتا ہوں۔ والسلام

محمد یوسف عفااللہ عنہ

(۶/ ۲/ ۱۴۱۶ھ)

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مرحوم کی وفات کے موقع پر راقم الحروف نے تعزیتی شذرہ سپرد قلم کرتے ہوئے لکھا تھا:

"یہ کتاب : "مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ، کراچی،
کا مسلک اور خارجی فتنہ" راقم الحروف کو تبصرہ کے لئے
بھیجی گئی،راقم الحروف نے ماہنامہ "بینات" کے انیس
صفحات میں اس کتاب کی تلخیص قارئین کے سامنے پیش
کر کے اس پر اپنی جانب سے چار صفحے کا تبصرہ کیا۔نامناسب نہ

ہوگا اگر تبصرہ کا یہ حصہ یہاں دوبارہ نقل کردیا جائے تاکہ
اس کا مالہ وماعلیہ قارئین کے سامنے آجائے"

اب جبکہ "شخصیات وتاثرات" جلد دوم مرتب ہورہی ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطور ضمیمہ خارجی فتنہ پر لکھا گیا پورا تبصرہ یہاں درج کردیا جائے:

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کراچی کا مسلک اور

خارجی فتنہ

حصہ اول پر تبصرہ!

تالیف:...... مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

صفحات:...... ۶۱۲، قیمت مجلد ۲۵/-

پتہ:...... دفتر خدام اہلسنت، چکوال' ضلع جہلم،

"جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے یہ کتاب مولانا محمد اسحاق صدیقی، (مصنف "اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت" وصدر شعبہ دعوت وارشاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رد میں لکھی گئی ہے۔

اس کی تقریب یہ ہوئی کہ مصنف نے اپنے رسالہ "دفاع صحابہؓ" میں محمود احمد عباسی مصنف "خلافتِ معاویہ ویزید" کے فتنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد اسحاق صدیقی کے بارے میں لکھا تھا:

"جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی صدیقی ہیں۔ جو غالباً استاذ ہیں مولوی عظیم الدین صاحب کے محمود احمد عباسی، عظیم الدین اور حکیم فیض عالم وغیرہ مصنفین نے تو حضرت علی المرتضٰیؓ اور حضرت حسینؓ

کے خلاف تیز لہجہ اختیار کیا۔ اور مولانا محمد اسحاق موصوف تقریباً بات انہی کی کرتے ہیں۔ لیکن لہجہ کچھ نرم اختیار کرتے ہیں۔ وہ پوری طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق اہل سنت کے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں۔ اسی لئے وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق"

ص (۵۴)

اس کے جواب میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی نے ایک چھوٹا سا رسالہ "جواب شافی" کے نام سے لکھ دیا۔ گویا زیر نظر کتاب جواب شافی کے جواب میں لکھی گئی ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا تعلق محمود احمد عباسی کے خارجی ٹولے سے ہے، وہ انہی کے ہمنوا ہیں۔ اور انہی کے نظریات کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ کتاب میں اس دعویٰ کے ثبوت میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

اولاً :.... محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" (جو دورِ جدید میں خارجیت کی بنیاد ہے کے جواب میں حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کا ایک مقالہ شائع ہوا جس میں آپ نے لکھا کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب نے "صدقِ جدید لکھنؤ" کی ۱۲ر نومبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں عباسی صاحب کی حمایت اور قاری صاحب کے رد میں ایک بیان

شائع کیا۔ جس میں لکھا:

"کتاب خلافتِ معاویہ ویزید تو زلزلہ افگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں۔ مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم دارالعلوم کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ "کتاب کے مضامین مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں"۔ میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔

ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ اس لئے کہ واقعات کا ہمارے خیال کے مطابق ہونا ضروری نہیں، مذہب اہل سنت والجماعت تو اس طرزِ فکر کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس سے کتاب کے مضامین کا تضاد بالکل خلاف عقل ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتلِ حسینؓ کے جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت ونفرت کے لئے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں

گے، گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے۔ جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے۔ مذہب اہل سنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اس تاریخی مسئلہ کو کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جُرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کونسی مخالفت ہے؟"۔

مصنف لکھتے ہیں:

"اس عبارت سے محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی مکمل حمایت ثابت ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ کہ عباسی صاحب کی کتاب مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے تو یہ سندیلوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ اس کتاب میں صرف یہ نہیں کہ یزید کو صالح اور متقی قرار دیا گیا ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی صریح تنقیص و توہین کی گئی ہے"۔

(خارجی فتنہ ص ۲۵)

ثانیاً: .... عباسی تحریک کے لٹریچر میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی کا نام محمود احمد عباسی صاحب کے شاگردوں میں درج کیا گیا ہے۔ چنانچہ محمود احمد عباسی صاحب کے سب سے زیادہ فیض یافتہ شاگرد کراچی کے عزیز احمد صاحب صدیقی ہیں، ان کی تصانیف مکتبہ جاء الحق کراچی سے شائع ہوتی

ہیں۔ ان کے ایک رسالہ "قرآن اور مسلمان" ص ۱۵ میں "شکرانہ توفیق" کے تحت لکھا ہے:

"اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے پاکستان میں محمود احمد عباسی کو ۷۰، ۸۰ سال کی عمر میں تاریخ اسلام کے چہرے سے گندگی کا گردو غبار دور کرنے اور معصیت کے داغ دھبے دور کرنے کی توفیق بخشی۔ موصوف نے پندرہ سال کے عرصے میں نہ صرف "خلافت معاویہ ویزید"۔ "تحقیق مزید"۔ "حقیقت سیدو سادات"۔ "حقیقت خلافت وملوکیّت"۔ "مقتل حسین"۔ اور "ام ہانی" جیسی ایمان افروز تخلیقات پیش کیں۔ بلکہ اپنے شاگردوں کا بڑا حلقہ تیار کردیا جس نے تحقیق وتردید سبائیت وباطنیت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:

(۱) عزیز احمد صدیقی (۲) محمد سلطان نظامی لاہور (۳) ابویزید بٹ لاہور تالیفات رشید بن رشید وغیرہ۔ (۴) حکیم فیض عالم صدیقی جہلم (۵) ایم جے آغا مؤلف "خدا پرستی سے انسان پرستی تک" وغیرہ۔ (۶) مولوی محمد اسحاق صدیقی ندوی کراچی۔ مؤلف اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت ۲ جلد۔ اسلامی ذہن وغیرہ (۷) ثناء الحق صدیقی کراچی (۸) مولوی عظیم الدین صدیقی۔ تالیفات

علی مرتضٰی، حادثہ کربلا، امیر المؤمنین یزید وغیرہ"۔

مصنف اس عبارت کو نقل کر کے اس پر حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں:

"جب کراچی سے شائع شدہ کتابوں میں محمود احمد عباسی صاحب کے تلامذہ میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی مؤلف "اظہارِ حقیقت" کا نام بھی پایا جاتا ہے تو پھر ہم اگر یہ سمجھیں کہ مولانا بھی اس گروہ کے ایک فرد ہیں تو مولانا کو زیادہ چین بجبیں نہیں ہونا چاہیئے"...... (ص ۶۵)

ثالثاً:.... محمود احمد عباسی صاحب کی خارجی پارٹی کے ایک رکن مولوی عظیم الدین صاحب مؤلف "حیات سیدّنا یزید" ہیں۔ موصوف کا ایک کتابچہ "حادثۂ کربلا" کے نام سے ہے، جو لغویات کا پشتارہ ہے۔ اور جس کے صفحہ ۱۵ پر یہ داد تحقیق دی گئی ہے کہ عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن وغیرہ تو حضرت حسینؓ کی حفاظت کرنے والے تھے۔ اور آپ کو قتل کرنے والے وہ کوفی نہیں جو سرکاری لشکر میں تھے۔ بلکہ آپ کو اُن ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے قافلہ میں شریک تھے۔ اس کتابچے میں مولوی عظیم الدین صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بجائے "رضؓ" کے ہر جگہ "رحؒ" کی علامت لکھی ہے۔ کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کو صحابی نہیں تسلیم کرتے۔ اور اس کتابچے کے صفحہ ۶ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت علیؓ کے عہد میں حالات نے اسلامی غزوات وفتوحات کے بجائے خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا رُخ

اختیار کرلیا۔ چنانچہ جمل، صفین اور نہروان نامی تین خطرناک اور اہل اسلام کے لئے تباہ کن جنگیں ہوئیں۔ جن میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ بالآخر حضرت علیؓ اپنے ہی گروہ کے عبدالرحمٰن بن ملجم نامی برادر کشی سے تنگ آئے ہوئے ایک شخص کے قاتلانہ حملہ سے شہید ہوگئے"۔

مولانا محمد اسحاق صاحب اس کتابچہ "حادثہ کربلا" کے مذکورہ بالا مضامین کی تحسین و تقریظ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ "حادثہ کربلا" میں نے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے۔ اہل سُنّت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ تاکہ سبائی دروغ بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو"۔

مولوی عظیم الدین صاحب، عباسی صاحب کی تحریک کے رکن رکین ہیں اور مولانا محمد اسحاق صاحب ان کی کتاب کی تصدیق و تقریظ فرماتے ہیں۔ اس سے مصنف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دونوں کے نظریات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اور یزیدیت کے مسئلہ پر نظریاتی طور پر تو مولوی عظیم الدین کو مولانا سندیلوی کا شاگرد کہا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ جُدا امر ہے کہ شاگرد استاذ سے بڑھ جائے۔

(ص ۵۸ تا ۶۳)

رابعاً :۔ محمود احمد عباسی صاحب اور ان کے شاگردوں نے ملک میں

خارجیت وناصبیت کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔ اور خود کراچی سے شائع ہونے والے والے کتابچوں پر یہ الفاظ نمایاں طور پر لکھے جارہے ہیں:

"ناصبی بھائیوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کے مطالعہ کے لئے"۔

لیکن مولانا محمد اسحاق صاحب اس ناصبی وخارجی ٹولے کے وجود ہی سے انکار فرمارہے ہیں چنانچہ اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۰ پر لکھتے ہیں:

"اگر اس سے نواصب وخوارج مراد ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں ہے۔ نہ آج تک ان ملکوں میں ایسی کتاب کا نام سنا گیا ہے جس میں ناصبیت وخارجیت کی ترجمانی کی گئی ہو"۔

اور مولانا موصوف اپنے ایک مکتوب بنام حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (چکوال) محررہ یکم رجب ۱۳۹۵ھ --- ۱۲ جولائی ۱۹۷۵ء میں لکھتے ہیں:

"مزید یہ کہ عباسی تحریک نامی کسی چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں سرپرستی کا کیا سوال؟ جو قابل اعتراض چیزیں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں وہ ان کے ذاتی خیالات تھے۔ جن کا تعدیہ قلیل بمنزلہ معدوم ہوا، اور ان کے انتقال کے بعد تو وہ کالمعدوم بھی معدوم ہو گیا۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے یہاں اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض افکار پائے جاتے ہیں مگر وہ خودرو ہیں، عباسی صاحب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے"۔

مولانا کی عبارت نقل کر کے مصنف دریافت کرتے ہیں کہ مولانا کی اس پردہ داری کو جھوٹ اور تقیہ کا نام دیا جائے یا غفلت وناواقفیت کا؟اور یہ کہ جو شخص کراچی میں رہتے ہوئے کراچی کے ناصبی لٹریچر اور اس کے مصنفین سے بھی ناواقف ہو وہ حضرت علیؓ و معاویہؓ اور حسینؓ ویزید کے واقعات سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے ؟اور یہ کہ جن کو مولانا "خودرو مصنفین" فرمارہے ہیں کیا محمود احمد عباسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ؟اور یہ کہ کیا یہ لوگ بھی مولانا کے نزدیک ناصبی اور خارجی نہیں ؟اگر یہ ناصبی وخارجی ہیں تو مولانا کیسے فرماتے ہیں کہ "پاک وہند میں ناصبیت وخارجیت کا کوئی وجود نہیں "اور اگر یہ لوگ مولانا کے نزدیک ناصبی وخارجی نہیں تو فرمایئے کہ ان کا شمار کس فرقہ میں کیا جائے ؟(ص ۶۵ ومابعد)

اس ضمن میں مصنف نے محمود احمد عباسی اور ان کی تحریک کے علمبرداروں (عزیر احمد صدیقی، نذیر احمد شاکر، ابویزید بٹ ۔ حکیم فیض عالم صدیقی، مولوی عظیم الدین اور ڈاکٹر احمد حسین کمال) کے چند ہفوات نقل کئے ہیں۔آخر میں "مولانا سندیلوی غور فرمائیں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں :

"گزشتہ صفحات میں محمود احمد عباسی اور ان کی تحریک کے چند مصنفین کی تحریرات بطور نمونہ پیش کردی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور ان کی عظیم دینی شخصیت کو بڑی بے باکی سے مجروح کرتے ہیں'اس سلسلہ میں وہ قصداً علمی خیانت اور کذب بیانی کرتے ہیں۔ ان کے ہتھکنڈے وہی ہیں

جو روافض کے ہیں۔ عباسی تحریک کے لٹریچر کے مطالعہ سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک بھی سبائی تحریک ہی کی دوسری شاخ ہے۔ رافضیت اور خارجیت ایک ہی سبائی تحریک کے دو راستے ہیں۔

بعض لوگ شیعیت کی شر انگیزی کے ردّ عمل میں اس تحریک کے لٹریچر سے متأثر ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عباسی تحریک شیعوں کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ تحریک مذہب اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ بلکہ اسلام کے عقیدہ (خلافت) راشدہ کے خلاف ہے۔ اس تحریک کی بنیاد انکار حدیث ہے۔ اپنے مشن کے تحت ہی یہ لوگ حدیث کو قبول یا مسترد کرتے ہیں۔ قرآن کی بھی من مانی تفسیر وتشریح کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی، مودودی صاحب کے افکار و نظریات کی تردید کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں"۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۱ ' خارجی فتنہ ص ۴۴ او ما بعد)

خامساً: .... مولانا بعض افکار و نظریات میں عباسی صاحب کے ہمنوا ہیں، مثلاً:

۱ :.... دونوں حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے استصواب عام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

۲ :.... دونوں حضرت علیؓ کی خلافت کو "عبوری خلافت" قرار دیتے ہیں۔

۳ :.... دونوں حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے اختلافات میں حضرت علیؓ کی سیاسی غلطی کے قائل ہیں مگر حضرت معاویہؓ کی طرف سیاسی غلطی کی نسبت نہیں کرتے۔

۴ :.... دونوں یزید کے حامی ہیں اور اسے صالح اور خلیفۂ عادل قرار دیتے ہیں۔

۵ :.... دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط کہتے ہیں اور اس پر تنقید کرتے ہیں۔

۶ :.... دونوں ،امہات المؤمنین کے حق میں افراط کرتے ہوئے ان کے لئے صلوٰۃ و سلام کے الفاظ لکھتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کے لئے صلوٰۃ و سلام یا علیہ السلام نہیں لکھتے۔ (خارجی فتنہ ص ۱۵۳ تا ص ۱۵۵)

سادساً :.... مولانا کے ایک مصاحب جناب طاہر مکی ہیں' موصوف کا ایک رسالہ "حقیقی اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے شائع ہوا، جس میں تحقیق فرمائی گئی کہ :

> "دورد شریف میں آل محمد سے مراد ازواج مطہرات ہیں' کیونکہ فرشتوں نے جو درود بھیجا تھا وہ حضرت ابراہیم کی کسی صاحبزادی یا نواسوں پر نہیں بھیجا تھا، اسی طرح ان کی

تقلید میں اور انہی کے الفاظ میں ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر درود بھیجتے ہیں"۔

(خارجی فتنہ ص ۱۶۴)

مصنف اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیعوں نے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی المرتضٰی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے۔ اور ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) کو اہل بیت سے خارج کر دیا۔ العیاذ باللہ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ شیعوں کے غلو کے مقابلہ میں غلو سے کام لے کر طاہر مکی صاحب نے نماز کے درود کے الفاظ میں "آل محمد" سے مراد ازواج مطہرات لے کر باقی سب کو، حتی کہ صحابہ کرام کو خارج کر دیا"۔

اور اس کتابچے پر مولانا محمد اسحاق صاحب ان الفاظ میں تقریظ فرماتے ہیں:

"جناب مولانا طاہر کی کتاب "حقیقی اہل بیتِ رسول" دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سبائی دشمنان صحابہ کے پروپیگنڈے کے اثر سے لفظ اہل البیت کے مفہوم و مصداق سمجھنے میں جو غلطی اور گمراہی پیدا ہو گئی ہے، اس کے ازالہ اور صحیح راستہ یعنی مسلک اہل سنت کو واضح کرنے کے لئے اس زمانہ میں

رسالہ بے نظیر ہے۔ مولانا موصوف نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اہل سنت کو خوب واضح کیا ہے، بلاشبہ یہ دین کی بہت قیمتی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ جناب مصنف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کتاب کو قبول ومقبول فرما کر ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین"۔ (ص ۲)

مصنف دریافت کرتے ہیں کہ:

"طاہر صاحب اور مولانا سندیلوی (جو طاہر صاحب کے مؤید ہیں) "آل محمد" اور اہل البیت کا معنیٰ ایک قرار دے کر نماز کے درود میں "آل محمد" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات لے رہے ہیں۔ یہ جہالت ہے یا تلبیس؟ کیا قرآن مجید میں کہیں آل بمعنی ازواج مستعمل ہے"۔ (ص ۱۶۶)

اسی کتابچہ میں جناب طاہر مکّی صاحب آل کے حقیقی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی شخص کی حقیقی آل اس کی بیوی ہوتی ہے۔ ہاں مجازی طور پر ہم قبیلہ ہم قوم بلکہ تمام ماننے والوں کو بھی آل کہہ دیا جاتا ہے"۔ (حاشیہ ص ۲۷)

اور مولانا محمد اسحاق صاحب اس کی تصدیق و تقریظ فرماتے ہیں۔ جب کہ طبری کی ایک روایت (جس میں حضرت علیؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ ہم آل

رسول ہیں) کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اول تو آل کے معنی اولاد کے نہیں ہیں۔ بلکہ کسی شخص کی آل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو اس کا معاون ہو اور اس سے کوئی خاص ربط رکھتا ہو۔ یا اس کے تابع ہو، اس میں اولاد اور غیر اولاد سب داخل ہیں۔ اس معنی میں جو لفظ آل کے حقیقی معنی ہیں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی آل رسول ہیں، پھر اس پر غصہ کے کیا معنی؟ آل کے معنی اولاد کے ہوں تو حضرت علیؓ اس میں کیسے داخل ہوں گئے؟ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کلام حضرت علیؓ کا نہیں۔"

(اظہارِ حقیقت جلد دوم حاشیہ ص ۲۳۰)

مصنف لکھتے ہیں :

"یہاں تو حضرت علیؓ کو آل رسول سے نکالنے کے لئے مولانا سندیلوی نے آل کے حقیقی معنی بیان کر دیئے (اور یہی آل کے حقیقی معنی ہیں) لیکن جب نماز کے درود شریف سے حضرت علیؓ وغیرہ حضرات کو خارج کرنا مقصود تھا تو طاہر مکی صاحب نے آل کے حقیقی معنی بیوی کے کر دیئے اور مولانا نے اس کی تصدیق فرمادی۔

گویا کہ مولانا موصوف کے نزدیک حسب موقع آل کا حقیقی معنی بدل جاتا ہے۔ یہ تحقیق و تدقیق ہے یا تعصب

وتخریب؟ سندیلوی صاحب کی یہ تضاد بیانی کس مقصد کے لئے ہے؟ یہ نتیجہ ہے علمائے حق اور سلف صالحین کی تحقیقات پر عدم اعتماد کا۔“ (ص ۱۶۸)

....

”دفاع صحابہ“ میں مصنف نے مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی پر ایک الزام یہ عائد کیا تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو عارضی و عبوری قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین وآیت استخلاف کا مصداق....!”جواب شافی“ میں مولانا نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”اظہار حقیقت کی جو عبارت قاضی صاحب نے نقل کی ہے بار بار پڑھنے پر بھی کسی ”عارضی و عبوری“ کے الفاظ نہ ملیں گے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے غیر مستقل ہونے کا بھی کوئی تذکرہ اس میں نہیں مل سکتا، اسی طرح اس مضمون کا نام ونشان بھی نہ ملے گا کہ حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف وآیت تمکین کی مصداق نہ تھی۔ یہ مضامین قاضی نے اپنی طرف سے وضع فرما کر میری طرف منسوب فرمادیئے۔ موصوف کی اس جسارت پر حیرت ہے کہ ان غلط الزاموں کے ثبوت میں ایسی عبارت پیش کی جس میں ان میں سے کسی کا سرے سے وجود ہی نہیں“۔

(جواب شافی ملخصاً ج ۱ ص ۲۰۸)

اس کے جواب میں مصنف، مولانا موصوف کی آٹھ عبارتیں (جن میں حضرت علیؓ کی خلافت کو جائز و صحیح مگر ہنگامی، عارضی، عبوری اور غیر مستقل کہا گیا ہے) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اب مولانا سندیلوی ہی بتائیں کہ میں نے آپ کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عبوری، عارضی اور غیر مستقل ہونے کا قول غلط طور پر منسوب کیا تھا یا آپ نے اپنی کتاب میں خود یہ الفاظ لکھے ہیں؟ اگر مندرجہ عبارتیں آپ ہی کی ہیں تو پھر آپ نے ان کا انکار کرکے اعتراف حق کیا ہے یا کذب بیانی اور تقیہ کا ارتکاب کیا ہے؟ ندوۃ العلماً کے سابق شیخ الحدیث اور اپنی جماعت کے امام اہلسنت' کی کیا یہی شانِ صدق تحقیق ہونی چاہیئے عبرت۔ عبرت۔ عبرت"۔ (ص ۲۱۱)

مصنف کو مولانا محمد اسحاق صاحب سے ایک شکایت یہ ہے کہ مشاجرات کی بحث میں وہ صحیح توازن برقرار نہیں رکھ سکے جو اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے امام احمد بن حنبل' امام عبد القاہر بغدادی' حافظ ابن حزم اندلسی، امام غزالی، امام قرطبی، قاضی ابوبکر بن العربی، شاہ عبد القادر جیلانی، امام نووی، امام برہان الدین فرغانی (صاحب ہدایہ) حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، شیخ ابن حجر مکی، شیخ علی القاری، امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید، علامہ فرہاروی

(صاحب نبراس) وغیرہ رحمہم اللہ کے حوالوں سے اہل سنت کا مسلک واضح کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱:.... صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان حق وباطل کا اختلاف نہیں تھا بلکہ صواب وخطأ کا اختلاف تھا اور یہ کہ اکابر کے کلام میں کہیں حق وباطل کا لفظ استعمال ہوا ہو تو اس کو اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

۲:.... ان مشاجرات میں ہر فریق نیک نیّت اور رضائے الٰہی کا طالب تھا۔ چونکہ یہ تمام اکابر مجتہد تھے، اس لئے ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اس لئے ان میں سے کسی پر بھی طعن وملامت روا نہیں۔ بلکہ جن حضرات سے اجتہادی خطأ سرزد ہوئی وہ بھی عند اللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

۳:.... محاربات میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا۔ اور ان کے مخالفین خطا پر تھے، اور ان کی یہ خطا بھی موجب اجر ہے۔

۴:.... صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ان مناقشات ومحاربات کو بلا ضرورت بیان کرنا بھی روا نہیں۔ "ولا نذکرھم الاّ بخیر"۔ لیکن ضرورت کے موقع پر خطائے اجتہادی کو بیان کرنا بے ادبی وگستاخی نہیں۔ بشرطیکہ انداز بیان گستاخانہ وبے باکانہ نہ ہو۔ یہاں مصنف کی نقل کردہ عبارتوں میں سے امام ربانی مجدّد الف ثانی ؒ کے دو اقتباس نقل کر دینا مناسب ہے۔ مکتوبات کے دفتر دوم مکتوب ۳۶ میں روافض وخوارج کے افراط وتفریط اور اہل سنت کے اعتدال کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ

باشد برانند کہ حقیقت حق در جانب امیر بودہ ومخالف او راہ خطا پیمودہ، لیکن این خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دور است واز طعن وتشنیع پاک ومبرا۔"(خارجی فتنہ ص۲۰۷)

ترجمہ:" لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بناء پر، جو ان پر ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیر (علی مرتضیٰ) حق پر تھے۔ اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے۔ لیکن یہ چونکہ اجتہادی خطا ہے۔ اس لئے ملامت اور طعن سے دور ہے اور تشنیع و تحقیر سے پاک ومبرا ہے۔"

اور دفتر اوّل کے مکتوب ص۲۶۶ میں اہل سنت کے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"....ناچار ہمہ را دوست میداریم بدوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات از بغض وایذائے ایشاں گریزاں کہ آں بغض وایذا منوباں سرور شود۔ لیکن محق را محق گوئیم ومخطی را مخطی، حضرت امیر بر حق بودند ومخالفان ایشاں بر خطا زیادہ برایں فضولیست۔

(خارجی فتنہ ص۳۰۹)

ترجمہ:...." ناچار تمام صحابہؓ کو ہم دوست رکھتے ہیں بوجہ پیغمبر علیہ ﷺ کی دوستی کے، اور ان کے بغض وایذا سے بھاگتے ہیں، کیونکہ صحابہؓ کا بغض وایذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں اور خطا والے کو خطا پر، (ان جھگڑوں میں) حضرت امیر (علی)

حق پر تھے اور آپ کے مخالفین خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔"

اس کے برعکس مولانا محمد اسحاق صاحب ان محاربات ومنازعات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں مگر ان کے مخالفین کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کو بھی برداشت نہیں کرتے۔

مصنف لکھتے ہیں:

"سندیلوی صاحب مشاجرات صحابہ کے بارے میں دعویٰ تو غیر جانب داری کا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ میدانِ بحث میں اترتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ پر بے باکانہ تنقید کر کے آپ کی خلافتِ موعودہ کو مجروح کرنا اپنا حقِ تحقیق سمجھتے ہیں۔ جس میں حضرت معاویہؓ کی طرف داری کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱:...."واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے۔"

(ص ۴۴۵)

۲:...."حالات کی خصوصیت نے ان کی رائے کو اور بھی وزنی اور ان کی دلیل کو مزید قوی بنا دیا تھا" (ص ۱۷۷)

۳:...."یہ موقف تھا حضرت معاویہؓ کا، وہ نہ تو حضرت علی

کی اطاعت سے کلیتاً منحرف تھے، نہ ان کی خلافت کے منکر، وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلہ میں ان کی اطاعت واجب نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کی یہ رائے آئین اسلام کی ایک مدلل اور مبرہن تشریح پر مبنی تھی"۔ (ص ۱۷۸)

۴:.... حضرت علیؓ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہؓ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی"۔

(اظہار حقیقت ص ۲۰۲ خارجی فتنہ ص ۲۹۹)

مصنف نے اس سلسلہ میں مولانا کی سولہ عبارتیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تنقیص یا مرجوحیت کا پہلو نکلتا ہے، نقل کر کے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

"مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جس انداز سے تنقید کی ہے اسی انداز میں سندیلوی صاحب حضرت علیؓ پر اپنی مؤرخانہ تنقید کا نشتر چلاتے ہیں۔ سندیلوی صاحب کے ان تنقیدی شہ پاروں کے مطالعہ کے بعد کوئی صاحب فہم وانصاف شخص یہ رائے نہیں دے سکتا کہ یہ وہی حضرت علیؓ ہیں جن کو وہ قرآنی پیشگوئی کا خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں......" (ص ۴۰۶)

مصنف کو مولانا سے ایک شکایت یہ ہے کہ جہاں مولانا کے نظریات اکابر اہل سنت کے ارشادات سے ٹکراتے ہیں وہاں بجائے اس کے کہ مولانا اپنے

نظریات کی اصلاح فرمائیں الثاان اکابر پر جرح و تنقید کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً مودودی صاحب نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا تھا کہ اس وقت حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی خلافت کے لئے احق نہ تھا۔ اس پر مودودی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جناب والا! امام ممدوح تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ ان کا قول اس دور کی آرا کا ترجمان کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کا اثر اس دور کی امت پر کیسے پڑ سکتا ہے؟"۔

(اظہار حقیقت حاشیہ ص ۴۲۱، خارجی فتنہ ص ۵۶۴)

مصنف صفحہ ۱۷۵ پر "مودودی و سندیلوی مماثلت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"گو مولانا سندیلوی، مودودی صاحب کے سخت خلاف ہیں (اور ہونا چاہئیے) لیکن علمی و تحقیقی پندار اور بعض پہلوؤں سے اکابر سلف کی تحقیق سے اعتماد اٹھانے میں دونوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مودودی صاحب نے لکھا ہے:

الف:.... "میری رائے صرف اس لئے کیوں لازماً مرجوح ہے کہ میں خلف ہوں۔ اور سلف کے ہر بزرگ کی رائے صرف اس وجہ سے کیوں راجح ہے کہ وہ سلف ہیں"۔

(رسائل و مسائل ص ۵۶۰ جلد دوم بار دوم ۱۹۵۷ء)

اور مولانا محمد اسحاق صاحب حافظ ابن عبدالبر پر تنقید کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

"وہ حضرات جو قدامت ہی کو عظمت کی دلیل سمجھتے ہیں میری اس تحریر پر ضرور چیں بجبیں ہوں گے"۔

(اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۱۱۴)

ب:.... اپنی تحقیق کو صحیح قرار دیتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیر وامثالہم کو حق ہے اسی طرح ہمیں بھی حق ہے۔ اس بارے میں انہیں ہم پر کوئی امتیاز وترجیح حاصل نہیں۔ اس لیے اُن کی رائے کو بطور حجت نہیں پیش کیا جائے گا"۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۴۶)

ج:.... متأخرین فقہاء و متکلمین کی تحقیق کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم نے متأخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے"۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۱)

د:.... "مسئلہ ذرا دقیق ہے اور جو زاویہ نظر میں پیش کر رہا ہے (ہوں) وہ جدید ہے اس لئے قدرے تفصیل کی احتیاج ہے۔ جو درج ذیل ہے"۔ (ایضاً ص ۱۷۲)

اس ضمن میں مصنف نے مودودی صاحب کے بارے میں مولانا محمد

اسحاق صاحب کا یہ دل چسپ فقرہ نقل کیا ہے :

"جب تک اسلاف پر اس طرح طنز و تعریض کر کے ان میں کوئی نقص نہ نکالا جائے اس وقت تک "شان تجدید" کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور جماعت کے افراد میں یہ خیال کیسے پھیل سکتا ہے کہ چودہ سو سال کی مدّت میں اسلام کو پورے طریقے سے صرف مودودی صاحب نے ہی سمجھا ہے"۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۳۵)

اس پر مصنف لکھتے ہیں :

"لیکن مودودی صاحب کی جس خود ساختہ تجدید کی یہاں نشاندہی فرما رہے ہیں خود مولانا سندیلوی بھی اس میں مبتلا ہیں۔ وہ بھی اپنے افکار و نظریات کو صحیح منوانے کے لئے میدان صاف کر رہے ہیں اور ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں کی تحقیق سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں جو ان کی ریسرچ اور تحقیق میں حائل ہیں (اس کے بعد مولانا کی متعدد عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اکابر کے ارشادات پر جرح کی گئی ہے)"۔

(ص ۷۷ وما بعد)

کتاب کے شروع میں "عرض حال" کے تحت مصنف لکھتے ہیں :

"سندیلوی صاحب نے گو اپنی کتاب "اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت" "ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت

اسلامی کے ردّ میں لکھی ہے۔ لیکن کتاب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس میں بنسبت مودودیت کے سنیت کارد زیادہ ہے چنانچہ حسب ذیل عبارتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں (یہاں بھی مولانا کی وہ عبارتیں درج کی گئی ہیں جن میں اہل سنت اکابر سے بے اعتمادی کا اظہار کیا گیا ہے)"۔

(ص ۱۴)

اور صفحہ ۷ اپر "اکابر کی کفش برداری" کے زیر عنوان مصنف لکھتے ہیں:

"دفاع صحابہ" میں بندہ نے لکھا تھا کہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی یزید کو صالح وعادل مانتے ہیں' حالانکہ حضرات اکابر مجدّد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنی اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہم اللہ وغیرہ یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں سندیلوی صاحب فرماتے ہیں:

"ان بزرگوں کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی "کفش برداری" میسر ہونے کو باعثِ عزّت، لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کی اتباع ضروری نہیں سمجھتا اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ان حضرات کی رائے کو

صحیح نہیں سمجھتا...... یہ بزرگان امت مخلص اور حق پسند تھے،
اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں"۔ (جواب شافی ص ۱۶)

سندیلوی صاحب کو کون سمجھائے کہ آپ نہیں، بلکہ "کفش مار" نے خراب کیا ہے حضرات اکابر نے یزید کے متعلق بھی پوری تحقیق سے اپنا مسلک متعین کیا۔ اور جمہور اہل سنّت کا بھی یہی مسلک ہے کہ "یزید فاسق تھا"۔

سندیلوی صاحب تنقیدی جوش سے اتنے مغلوب ہو گئے کہ اکابر خلف وسلف سے گزر کر خلیفہ راشد حضرت علی المرتضٰی تک پہنچ گئے۔ اور اہل السنّت والجماعت کے اس متفق علیہ مسلک کے باوجود کہ: (از روئے حدیث حضرت علی المرتضٰی جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت معاویہؓ کے اقرب الی الحق تھے) انہوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت علی المرتضٰی کے اقرب الی الحق تھے"۔ (ص ۱۹)

بعض اکابر اہل سنت کی عبارتوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باغی اور جائر وغیرہ الفاظ آئے ہیں، جن کی بنا پر مولانا نے ان اکابر کو "گستاخی و بے ادبی" کے ساتھ مطعون کیا ہے، مصنف نے ان اکابر کی مراد بھی واضح کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

"مودودی صاحب جنگ صفین میں حضرت معاویہ کو حقیقتاً باطل پر سمجھتے ہیں۔ اور سندیلوی صاحب اور عباسی صاحب حضرت معاویہ کی اجتہادی خطا کے بھی قائل نہیں۔ لیکن اہل حق اس افراط و تفریط کے خلاف اعتدال پر قائم

ہیں۔اور اکابر اہل سنت میں سے جن بزرگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل یا جور وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ان کی مراد اس سے صورتاً ہے نہ حقیقتاً، ان کے نزدیک بھی حضرت معاویہؓ مجتہد صحابی ہیں۔ البتہ اس جنگ وقتال میں ان سے اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا ہے، اور اجتہادی خطا کی نسبت کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین لازم نہیں آتی"۔(ص ۲۱)

....

مصنف نے مولانا محمد اسحاق صاحب کی متعدد تضاد بیانیوں کی بھی نشاندہی کی ہے، کہ ایک طرف وہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت ، قرآن کریم کی آیت استخلاف وآیت تمکین کے تحت، قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے، دوسری طرف وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے۔اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ :

"حضرت علی کو بعد خلفائے ثلاثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ "احق بالخلافت" بھی سمجھا جائے۔"

"اگر دوبارہ انتخاب ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی پھر

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کی تجویز منظور کیوں نہ فرمائی؟
حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو
حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر تھے"۔

(اظہار حقیقت ص ۴۲۲)

مصنف ان عبارتوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"یہ حضرت علیؓ کے متعلق سندیلوی صاحب کا تبصرہ ہے جو حضرت علیؓ کی خلافت کو حسب آیت استخلاف وآیت تمکین اللہ کے وعدے کے مطابق دی ہوئی خلافت راشدہ بھی مانتے ہیں۔" (ص ۴۰۰)

نیز حضرت علیؓ کو حکمین کے فیصلہ کے مطابق معزول ہو جانے کا مشورہ دیتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"غور فرمائیے کہ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کئے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ حضرت علیؓ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلے کے جواز میں تو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں۔ مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی تو نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔"

(اظہار حقیقت ص ۳۸۱ ج ۲، خارجی فتنہ ص ۴۰۴)

حضرت علیؓ کی بارے میں تو مولانا فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی"۔ لیکن حضرت صدیق اکبر کی خلافت کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے مولانا کے ایک غیر مطبوعہ مضمون کا حوالہ دیا ہے جس میں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ آیت استخلاف کے تحت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کتاب اللہ میں منصوص ہے۔ اس پر مصنف لکھتے ہیں :

"اگر آیت استخلاف وآیت تمکین نص ہیں تو چاروں خلفاً کے لئے ہیں اور اگر حضرت علیؓ کے لئے یہ نص نہیں تو باقی تین خلفائے راشدین کے لئے بھی نہیں ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ خود تو آیت استخلاف کو حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے لئے نص" قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب میں نے حضرت علی المرتضٰی کے لئے آیت تمکین کا نص" ہونا لکھا تو اس کی تردید کردی۔ کیا سندیلوی صاحب کے اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت علی المرتضٰی کے بارے میں کچھ ہے ؟ وہ یہ نہیں برداشت کرسکتے کہ اہلسنت والجماعت اس بات سے واقف ہوجائیں کہ حضرت علی المرتضٰی کی خلافت قرآن کی منصوص خلافت موعودہ۔ اورآپ کا انتخاب بھی مثل حضرت صدیق اکبر کے انتخاب کے مرضی الٰہی تھا۔ اورآپ کے منتخب خلیفہ ہونے اور منصوص خلیفہ ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور جو خارجی گروہ

حضرت علیؓ کے انتخاب خلافت کو اب بھی چیلنج کر رہا ہے وہ گویا نص قرآنی کو چیلنج کر رہا ہے' اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مولانا سندیلوی نے جو اپنی زیر بحث کتاب اظہار حقیقت جلد دوم میں حضرت علی المرتضیٰ کے انتخاب کو عارضی، عبوری اور غیر مستقل ثابت کرنے میں بیسیوں اوراق سیاہ کیے ہیں یہ سب نص قرآنی کے تقاضا کے خلاف ہیں۔

میرا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ مولانا سندیلوی حضرت علی کی خلافت کو آیت تمکین کا مصداق نہیں قرار دیتے، کیونکہ اگر وہ اس کا مصداق قرار دیتے تو آیت تمکین کے نص ہونے کی تردید نہ کرتے۔ اب یا تو اظہار حقیقت کی تردید کریں' یا اس غیر مطبوعہ مضمون کی۔ واللہ الہادی" (ص ۲۲۹، ۲۳۰)

مولانا کے تضاد کی ایک اور مثال مصنف نے یہ دی ہے کہ مودودی صاحب کے ایک نظریہ کی تردید کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی' آیت سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب و غریب ہے جو بالکل ناقابل فہم ہے۔" (اظہار حقیقت ص ۱۳۵ ج ۱)

لیکن حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کے موقف کی تائید میں مولانا فرماتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا۔ اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین وانصار تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔

ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورۂ شوریٰ کی یہ آیت تھی: "وامرھم شوریٰ بینھم" (ان کے (صحابہ) کے کام باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں) یہ آیت عام اور سب صحابہ کو شامل ہے۔ اس لئے امر خلافت، جو بہت اہم ہے۔ سب کے مشورے سے انجام پانا چاہئے۔ اور مہاجرین دوسرے صحابہ کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہئیے اس سے صحابہ کے لئے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے۔"

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۵)

مولانا کی دونوں عبارتیں نقل کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں:

"غور فرمایئے! مودودی صاحب کے جواب میں تو محقق سندیلوی فرمارہے ہیں کہ " آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی۔ آیت سے انتخاب پر استدلال عجیب وغریب استدلال ہے۔ جو بالکل ناقابل فہم ہے"۔

لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی

بات آگئی تو سندیلوی صاحب اسی آیت شوریٰ کو حضرت معاویہؓ کی وکالت میں استصواب رائے عامہ کے لئے بطور دلیل (نقل) فرمارہے ہیں۔ گویا کہ جو استدلال پہلے نا قابل فہم تھا اب قابل فہم اور لازمی ہو گیا:

"جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے"۔ (ص ۲۲۳)

اس طرح کتاب میں موقع بہ موقع مولانا کی تضاد بیانیوں کی بیسیوں مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے جناب مصنف کے مباحث کا خلاصہ اور ان کی تنقیدات کا نمونہ قارئین کے سامنے ہے۔ بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں۔

اول :.... یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے۔ اور اس کا انکار یا اس کی تنقیص خلافت راشدہ کا انکار یا اسکی تنقیص ہے۔

دوم :.... یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جو مشاجرات ومحاربات رونما ہوئے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے، جو حضرات ان کے خلاف صف آرا ہوئے وہ خطا پر تھے۔ مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا۔ اس لئے وہ اپنی اس اجتہادی خطا پر بھی عند اللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں، ان پر طعن

و تشنیع روا نہیں۔

بلاشبہ ان دونوں مسئلوں میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے۔ اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔

جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ناروا حملے کرتے ہیں اور آپ کی توہین و تنقیص کے در پے رہتے ہیں وہ در حقیقت ان خوارج کے جانشین ہیں جن کے بارے میں لِسانِ نبوت سے "یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیة" کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اور جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ "لان ادرکتھم لاقتلنھمّ قتل عاد" یہ خارجیت دراصل رافضیت وسبائیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس کا مقصد اکابر اُمت کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ مگر ہمارے دور میں یہ ٹولہ تردید سبائیت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے اس لئے بہت سے نوجوان طلبہ بھی ان سے متأثر ہو جاتے ہیں' اور ان کی ہفوات کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، اس لئے شدید ضرورت تھی کہ ان مسائل میں اہل حق کے عقیدہ کی وضاحت کر دی جاتی۔ جناب مصنف بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ :

"عباسیّت ویزیدیّت کے اثرات دیوبندی حلقوں

میں سرایت کر رہے ہیں۔ بہت کم علماً رہ گئے ہیں جن
کا مقصد تحفظِ مسلک ہے۔ دینی مدارس میں بھی عقیدہ
خلافت راشدہ زیر بحث نہیں آتا۔ اکابر محققین کی تحقیق
پر اعتماد نہیں رہا۔ اور ہمارے مدارس کے بعض طلبہ اہل زیغ
والحاد کے لٹریچر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔" (ص ۲۸)

جناب مصنف مدفیضہم کے مقصد سے اتفاق اور زیر بحث مسائل میں ان کے موقف کی مکمل تائید کے باوجود ہمیں ان کے اندازِ بیان سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اس فتنہ کی اصلاح و تدارک کی صحیح صورت یہ تھی کی خوارج ونواصب نے جو شبہات پھیلا رکھے ہیں اور جن کا وہ ہر تقریر و تحریر میں آموختہ دھراتے رہتے ہیں، کسی خاص فرد کو نشانہ بنائے بغیر ان کا جواب دیا جاتا۔ اور ان مسائل میں مثبت انداز میں اہل حق کا مسلک پیش کر دیا جاتا۔ اس صورت میں کتاب زیادہ ضخیم بھی نہ ہوتی اور مناظرانہ ردّ وکدّ اور غیر ضروری مباحث سے بھی کتاب پاک ہوتی۔ اس کے بعد اگر کوئی اپنے لئے "زادِ سقر" تیار کرنا چاہتا تو ہماری بلا سے۔ "ليهلك من هلك عن بيّنة ويحيىٰ من حيّ عن بينة"۔

اور اگر جناب مصنف کی نظر میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی کی کچھ تحریریں یا ان کے افکار و نظریات مسلک اہل حق کے خلاف ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے تو اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ مولانا کو ذاتی طور پر ان کی طرف توجہ دلائی جاتی۔ اور ان سے التماس کی جاتی کہ وہ ان کی اصلاح فرمائیں' مولانا محمد اسحاق صاحب حضرتِ تھانوی قدس سرہٗ کے سلسلہ کے شیخ طریقت

ہیں۔اور حضرت تھانویؒ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے کہ حضرتؒ نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کے لئے ”ترجیح الراجح“ کے عنوان سے ایک مستقل سلسلہ شروع کررکھا تھا، اور اہل علم میں سے کوئی شخص حضرتؒ کی کسی فرد گزاشت یا تسامح پر مطلع کرتا تو اپنی غلطی سمجھ آجانے کے بعد حضرتؒ اس سے رجوع کا اعلان فرمادیتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ رشید حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے بارے میں میں نے حضرت اقدس بنوری قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ حضرت سیّد صاحبؒ آخری زمانے میں فرماتے تھے (جس کا مفہوم یہ تھا کہ) میرے پہلے زمانے کی تصانیف میں کچھ تسامحات اور غلطیاں رہ گئی ہیں۔ افسوس کہ میں نظر ثانی نہیں کرسکتا، کاش کہ آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے دوچار محقق علمأ میری کتابیں پڑھ کر میری غلطیوں کی نشاندھی کردیتے تو میں ان سے رجوع کا اعلان کردیتا۔اور ان کی اصلاح کرلیتا۔حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے تدین و تقویٰ کے پیش نظر ان سے یہی توقع تھی کہ اگر حق پرست اہل علم ان کو ان کے تسامحات اور فروگزاشتوں کی طرف توجہ دلاتے تو وہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسوۂ حسنہ کو پھر سے تازہ کرتے، اور اپنی ان عبارتوں کی مناسب اصلاح فرمادیتے۔

اہل علم کا دوسرے اہل علم پر ردّ کرنا یا ان کے نظریات پر تعقب کرنا کوئی نئی بات نہیں۔امام مالکؒ کے بقول ”کل منّارادو مردود علیه الا صاحب هذاالقبر صلی الله علیه وسلم“۔ہم حضرات صوفیأ کے شطحیات اور اہل علم کے تفرّدات و سطحیات کو لائق اقتدا نہیں سمجھتے۔حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب

زید مجدھم کے بعض تفردات سے ہمیں بھی اختلاف ہے، اور ان کی جن عبارتوں کی حضرت قاضی صاحب نے نشاندہی کی ہے انہیں لائق اصلاح سمجھتے ہیں، لیکن ان کے علم و فضل، زہدو تقویٰ اور شرف و عظمت کے بارے میں ہمارے دل میں کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت قاضی صاحب تو ان کی برابر کی سطح کے بزرگ ہیں، وہ ان پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر راقم الحروف جیسے لوگ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم جن اکابر کے حوالے سے بات کہتے ہیں خود مولانا کو بھی اعتراف ہو گا کہ وہ اپنے علم و فضل کی بلندیوں کے باوصف ان اکابر کی گردپا کے برابر بھی نہیں۔ ان اکابر کے مسلک سے ہٹ کر خودروی و خودرائی اختیار کرنے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور مدّت العمر اپنے اکابر اور جمہور اہل سنت کے نقش قدم پر جینے اور اسی پر مرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔۔ کسی نئے نظریہ کی اختراع یا شاذ اقوال کی اتباع کبھی امت کے حق میں خیر و برکت کی موجب نہیں ہوئی۔ ان چیزوں سے ہر مومن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

حضرت قاضی صاحب نے مولانا پر جو تنقیدات کی ہیں اگرچہ ان کا لب ولہجہ بہت ہی تیز و تند ہے، لیکن مولانا کی عظمت و بلندی اور ان کی بے نفسی وللہیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس "داروئے تلخ" کو نسخۂ شفا" سمجھتے ہوئے نوش کریں گے:

"شفا بایدت داروئے تلخ نوش کن"۔

اظہار حقیقت میں مولانا محترم نے کیسی عمدہ بات فرمائی ہے:

"الحمد للہ کہ ان سطور کا راقم زمرۂ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اور اسی پر استقامت کو اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیّدنا علی مرتضٰی کی خلافت صحیح خلافت تھی۔ اور بے شک وہ خلیفہ برحق ہیں۔ یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربّی اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے قلب کو حُبّ دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک کر دیا تھا۔ چہ جائیکہ حضرت علی مرتضیٰ جن کا شمار اکابر صحابہ میں ہے اور وہ اس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں"۔

(جلد دوم ص ۱۸)

ظاہر ہے کہ جب حضرت محترم مسلک اہل حق پر جینے اور مرنے کا عہد کرتے ہیں تو اگر ان کی کوئی عبارت ان کے عہد کے خلاف ہو تو اس کی اصلاح ناگزیر ہو گی۔ نیز جس طرح ان کا قلم روافض (خذلہم اللہ) کے خلاف شمشیر براں ہے اسی طرح نواصب وخوارج (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا یا تو انکار کرتے ہیں، یا اس کی توہین وتنقیص اور بے وقعتی کرتے ہیں) کے خلاف بھی اسی شدّت وقوّت سے چلنا چاہیئے۔ اہل سنت کو جس طرح روافض سے نفرت ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی تنقیص کرنے والے "مارقین" سے بھی نفرت ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف ومسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے۔ لیکن موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے خلاف جس درشتی و تندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ اب اگر مولانا محترم اس شدّت سے قطع نظر کر کے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ ان کی للّٰہیت وبے نفسی کا کمال ہوگا، اور اگر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیں تو قلم ان کے ہاتھ میں بھی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سبائیت وخارجیت کے طفیل میں اہل سنت کے دو بڑے بزرگوں کے درمیان ایک اور "جنگ صفین" برپا ہوگی، دشمنان صحابہؓ (خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وناصبی) خوش ہوں گے اور ان بزرگوں کے نیازمند غنی کا یہ شعر پڑھ کر ماتم کریں گے:

غنی روز سیاہ ماہِ کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اَش روشن کند چشم زلیخارا

"خارجی فتنہ" میں مصنف نے مولانا لعل شاہ بخاری خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ کی ضخیم کتاب "حضرت معاویہ واستخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علی خلافتہ معاویہ ویزید" پر بھی تنقید کی ہے۔

راقم الحروف کو شاہ صاحب کی اس کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ "خارجی فتنہ" کے مطالعہ سے اس کا تعارف ہوا ہے۔

حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں...

"استخلاف یزید سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری صاحب موصوف کا مطالعہ وسیع ہے' متعدد کتابوں کے انبار لگا دیئے ہیں' لیکن وہ بھی راہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں' کتاب کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حُسن ظن نہیں رہتا جو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ہونا چاہئیے۔ مثلاً حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں :

(ا) "جمہوا اہل سنت کا دوسرا قول" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ حق پر تھے۔ اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے۔ یعنی خطا انکی عنادی تھی اور دور خلافت میں وہ ملک جائر تھے۔" (خارجی فتنہ ص ۱۸۰)

"......شاہ صاحب نے گو آخر میں اہل سنّت کے دونوں قولوں کے مابین تطبیق دے کر یہ وضاحت کردی کہ : انہوں نے باطل کا قصد نہیں کیا۔ بلکہ حق کا قصد کر کے اجتہاد کیا مگر حق کو نہ پاسکے الخ۔"

لیکن اس کے باوجود یہ بھی لکھ دیا کہ :

"حضرت معاویہؓ کے متعلق جمہور اہل سنت کی مذکورۃ الصدر آرأ دور خلافت علیؓ میں ان کے خروج وقتال کے سلسلہ میں تھیں۔ لیکن جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے

مصالحت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے اور ساری جماعت ان پر متفق ہو گئی تو ان کی بغاوت ختم ہو گئی اور بالاتفاق ان کی عدالت برقرار ہو گئی۔ ازاں بعد ان کی طرف فسق و فجور اور ظلم و تعدی کی نسبت کرنا ظلم و تعدی ہے۔"

(ص ۱۹۱)

یہ بھی عجیب بات ہے، جب حضرت معاویہؓ کے اختلاف کو (خواہ وہ جنگ و قتال کی صورت میں ہوا) اجتہادی قرار دیدیا تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ صلح کے بعد ان کی عدالت برقرار ہو گئی الخ حضرت معاویہؓ پہلے بھی عادل تھے کیونکہ مجتہد تھے۔ اور مجتہد کو غیر عادل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔"

(ص ۴۲۶)

(۲) یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"جلیل القدر صحابہ پہلے ہی سیاست سے دست کش ہو چکے تھے۔ کچھ صحابہ اثارۂ فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے خاموش ہو گئے۔ بعض کی آواز سفک دمأ اور خونریزی کے خوف سے حلقوم میں اٹک کر رہ گئی۔ کچھ رؤسأ مناصب کی وجہ سے مجبور تھے۔ اور بعض کی دہن دوزی لقمہ ہائے چرب سے کر دی گئی۔ اور بعض کو حرص و آز نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں [illegible] اور [illegible] استحکام [illegible] یزید کے

لئے کوشاں تھے۔ مناصب وعہود کی خاطر وفود کے وفود دمشق بھیجے جاتے ہیں ان کی سعی نامشکور بالآخر بارآور ہوتی ہے۔ اور یزید معاویہؓ، جس کے ہاتھوں امت کی تباہی مقدر ہو چکی تھی۔ پوری اُمّت پر مسلط کر دیا جاتا ہے الخ (استخلاف یزید ص ۳۱۶)

اس پر مصنف لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کے متعلق اتنی بات صحیح ہے کہ اثارۃ فتنہ اور تفریق امّت کے اندیشہ سے یزید کی خلافت قبول کر لی۔ لیکن اس کے بعد جو شاہ صاحب موصوف نے تبصرہ کیا ہے اگر اس سے مراد صحابہٴ کرام ہی کے افراد ہیں تو یہ اہل سنّت کا عقیدہ نہیں شیعیت کی راہ یہیں سے کھلتی ہے............"

(خارجی فتنہ ص ۴۳۹)

(۳) عدالت صحابہؓ کی بحث میں لکھتے ہیں:

"اگر بالفرض سارے صحابہ عادل نہ بھی ہوتے جب بھی دین کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اگر سارے تابعی عادل نہیں ہیں تو دین کی عمارت میں کوئی شگاف پیدا نہیں ہوا تو سارے صحابہ کے عادل نہ ہونے سے کیوں دین کی عمارت پیوند خاک ہو جاتی۔ جب کہ دین کی مدار روایات پر ہے، اور تسلیم کر لیا گیا ہے کہ روایتِ حدیث کے بارے میں سبھی صحابہؓ عادل ہیں۔"

(استخلاف یزید ص [illegible] خارجی فتنہ ص [illegible])

قاضی صاحب نے کافی تفصیل سے اس نظریہ کی تغلیط کی ہے، جو اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ بہر حال شاہ صاحب کی کتاب کا اندازہ کرنے لئے یہی تین اقتباسات کافی ہیں۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا
من لدنك رحمة۔ انك انت الوهاب.

(ماہنامہ بینات ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کراچی)

حضرت اقدس مولانا مفتی
محمود حسن گنگوہیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء 'مطابق ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ء' پیر اور منگل کی درمیانی رات کو ساڑھے گیارہ بجے ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جوہانسبرگ 'جنوبی افریقہ' میں رحلت فرماگئے۔

إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون، إنّ للّٰه ما اخذ وله ما أعطى، وكل شئ عنده بأجل مسمى.

ہمارے حضرت قطب الاقطاب برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کے خلفاء کے حالات میں جو کتاب حضرت مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہ کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے، اس میں سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی صاحبؒ کے حالات درج ہیں، یہاں ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

"حضرت مفتی صاحبؒ مولانا حامد حسنؒ بن محمد خلیلؒ کے گھر ۸ یا ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ کو گنگوہ ضلع

سہارنپور میں پیدا ہوئے، والد ماجد (مولانا حامد حسن گنگوہیؒ)
حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت
تھے، زندگی بڑی درویشانہ تھی، کسی کی دعوت قبول نہیں
کرتے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں:

"اگر کسی نے شادی میں بلایا یا نکاح کے لئے ضرور گئے، نکاح پڑھایا، اگر وہاں کوئی منکر دیکھا سہرا وغیرہ کیسے خاموش رہتے' اور وہ لوگ مان گئے منکر بدل دیا تو ٹھہرے' نکاح پڑھایا، اگر نہیں تو بغیر نکاح پڑھائے چلے آئے، کھانے کیلئے کہتے تو کھانا نہیں کھاتے تھے، اگر مکان پر بھیج دیا تو اسے واپس نہیں کرتے تھے۔ لیکن خود نہیں کھاتے تھے، اپنے بچوں کو بھی نہیں کھانے دیتے تھے، پڑوس میں ایک دھوبی بہت غریب رہتا تھا اس کے یہاں بھیج دیتے"۔

اس سے آپ کے والد ماجدؒ کے ورع و تقویٰ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی بسم اللہ حضرت شیخ الہندؒ نے کرائی، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صاحبزادی صاحبہؒ کی بیٹھک میں قرآن مجید حافظ کریم بخش نابینا سے پڑھا، ۱۸ سطریں باقی تھیں کہ حافظ صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا، بعد ازاں حافظ عبدالکریم صاحب امام جامع مسجد گنگوہ کے پاس قرآن کریم کی تکمیل کی، اُردو آپ نے قرآن مجید پڑھنے کے زمانہ میں خود اپنے شوق سے سیکھ لی تھی۔ کتب فارسی میں [illegible] آمد نامہ کا اور کچھ حصہ [illegible] مولانا فخر الدین

گنگوہیؒ سے پڑھا، اور عربی کی تعلیم میں میزان منشعب اپنے والد ماجد سے پڑھیں، ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، صرف میر اور نحو میر وغیرہ سے یہاں تعلیم کا آغاز کیا، ۱۳۴۷ھ تک میر زاہد، غلام یحیٰ، قاضی مبارک، دیوان حماسہ، دیوان متنبّی اور حمد اللہ تک کتابیں پڑھیں، شوال ۱۳۴۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ہدایہ آخرین اور مشکوٰۃ شریف پڑھی، ۱۳۴۹ھ میں بیضاوی، ابوداؤد و مسلم شریف اور ۱۳۵۰ھ میں حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری وترمذی کے درس کی تکمیل کر کے فاتحہ فراغ پڑھا، اگلے سال مظاہر علوم سہانپور میں داخلہ لے کر دورہ کی کتابیں دوبارہ پڑھیں، اور فن قرأت و تجوید کی تکمیل بھی یہیں کی۔

بتاریخ ۴؍ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں بحیثیت معین مفتی دس روپے مشاہرہ پر آپ کا مظاہر علوم سہانپور ہی میں تقرر ہوا۔ ۱۳۵۲ھ میں نائب مفتی بنائے گئے ۱۳۷۰ھ تک مظاہر علوم میں اس عہدے پر رہے، اور اس عرصہ میں میزان الصرف سے ہدایہ اولین اور جلالین تک کتابیں پڑھائیں، محرم الحرام ۱۳۷۱ھ میں جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے۔ ۱۳۷۵ھ میں جامع العلوم کانپور کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، اور پہلی مرتبہ بخاری شریف کا درس دیا، ۱۳۸۴ھ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی مقرر ہوئے، اور حضرت مولانا فخر الدینؒ کے ارشاد پر بخاری جلد دوم کا درس دیا، ۱۳۸۶ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہانپور کے سرپرست بنائے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کا شمار مظاہر علوم کے ان سرپرستان میں آٹھویں نمبر پر تھا جو مظاہر علوم کے فیض یافتہ ہو کر بہ حیثیت سرپرست اس کے خادم بنے

بیعت اور انتخاب شیخ

حضرت مفتی صاحبؒ ہمارے شیخ، برکۃ العصر، قطب الاقطاب حضرت اقدس الحاج الحافظ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں تھے، اپنی بیعت کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

"میری بیعت ۱۳۴۹ھ کی ہے جب میں دیوبند میں پڑھتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مکان ہے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت شیخ الہندؒ ہیں دوسرے حصہ میں حضرت سہارنپوری ہیں اور حضرت شیخ اوپر کے حصہ میں بیٹھے ہیں، مگر شیخ ایسے تنہا بیٹھے ہیں جیسے بات کو سمجھنے والے ہم عمر بڑے سب ختم ہو چکے ہیں شیخ اکیلے رہ گئے ہیں۔ ایک دو دفعہ اس قسم کا اور خواب دیکھا۔

میں جب بھی حضرات رائپوریؒ، حضرت دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آخرت کی طرف رغبت زیادہ ہوتی تھی اور دنیا سے بے توجہی ہو جاتی۔ شیخ کی مجلس میں یہ بات نہیں تھی۔ بلکہ شیخ کے پاس بیٹھتا تو اپنے گناہ اور عیوب سامنے آتے تھے، میں سمجھتا کہ بس میری اصلاح انہی سے ہوگی، جب تک عیوب وذنوب سامنے نہ ہوں آدمی کی اصلاح کیسے ہو؟ دوسری جگہ جاتا سب پر پردہ پڑ جاتا اور یہاں سب کچھ سامنے ہوتا۔ میرے نزدیک یہ ایک وجہ ترجیح ہوئی

دوسری وجہ ترجیح یہ ہوئی کہ عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹے ان بزرگوں میں حضرت شیخؒ تھے۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ عرصہ خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے۔ میرا دھیان تقاضائے عمر کے اعتبار کی وجہ سے اس طرف نہیں جاتا تھا کہ پہلے میں مر جاؤں گا۔

شیخ سے جب میں نے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

”تم کو حضرت مدنی سے بیعت ہونا چاہئے اور اس میں کوئی اشکال ہو تو کہو، میں جواب دوں گا“۔

میں نے عرض کیا' حضرت! میں نے یوں سنا ہے کہ طبعی طور پر رغبت ورجحان جدھر ہو وہاں سے فائدہ زیادہ ہوتا ہے، حضرت مدنی کی زندگی مجاہدانہ زندگی ہے اور اتنا زبردست مجاہدہ میرے بس کا نہیں ہے۔

کئی مہینے تک حضرت نے بیعت نہیں فرمایا اور فرمایا:

”اب! ایسا نہیں ہے، اگر حضرت مدنی کی طرف رجحان نہیں ہے تو میرے خیال میں استخارہ مسنونہ کرلو، اگر استخارہ سے بھی کوئی بات واضح نہ ہو تو پھر اسی نیت سے تین جگہ کا سفر کرو رائپور جاؤ، کچھ گھومت، مجلس میں بیٹھو۔ پھر دہلی نظام الدین جاؤ، اور پھر تھانہ بھون جاؤ“۔ میں گیا ہی نہیں۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر بیعت فرمالیا۔

ذکر کی ابتدا

ذکر میں نے بیعت سے پہلے ہی قصد السبیل میں دیکھ کر شروع کر دیا تھا۔ شیخ نے چھڑوا دیا تھا اور تسبیحات بتائی تھیں، پھر جب ذکر جہر شروع کیا تو اس میں حرارت پھیل گئی، دو ضربیں لگاؤں تو معلوم ہوتا کہ قلب میں سوزش زیادہ ہے، بہت دیر بعد وہ حرارت رفع ہوئی۔ حرارت کے بعد ذکر چھوڑ دیا"۔

اجازت

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا مدظلہ نے مفتی صاحب مدظلہ سے دریافت فرمایا کہ حضرت اجازت کب ملی؟ تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

"اجازت کو میں ابھی تک سمجھا ہی نہیں۔ صورت یہ پیش آئی کہ گنگوہ میں ایک عورت تھی، وہ اب وہاں نہیں پاکستان میں ہے، وہ کسی بزرگ سے بیعت تھی اور اس کے بڑے اوراد و وظائف تھے، میں جب گنگوہ گیا تو انہوں نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ میرے پیر کا انتقال ہو گیا ہے تم مجھے مرید کرلو۔ میں ہنس پڑا، میں نے کہا کہ میں کیسے مرید کروں۔ میری نیت یہ تھی کہ حضرت مدنی جب گنگوہ تشریف لائیں

گے تو حضرت مدنی سے بیعت کرادوں گا۔ حضرت تھانوی اپنے علاج کے سلسلہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ شیخ ان کی عیادت کے لئے جا رہے تھے، میں ان کے ساتھ تھا۔ پیدل ہی سہارنپور جا رہے تھے۔ اس زمانہ میں گاڑی واڑی کا دستور نہیں تھا۔

ان سے میں نے اس وقت عرض کیا کہ گنگوہ میں ایک عورت ہے اور اس طرح سے ہے۔ ابھی میں پوری بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ شیخ نے فرمایا کہ:

"اگر تم سے مرید ہونا چاہے تو مرید کرلو"۔

میں نے کہا حضرت! مجھ سے کیا مرید ہوتی اور میں کیا مرید کرتا؟ میری نیت تو یہ ہے کہ حضرت مدنی کے آنے کی کوئی تاریخ ہو تو میں ان کو اطلاع کرادوں کہ فلاں دن حضرت مدنی آئیں گے ان سے بیعت ہو جاؤ، حضرت نے فرمایا:

"شرمانے کی کوئی بات نہیں' وہ اتنے اوراد و وظائف پڑھتی ہیں' ان کے اتنے احوال ہیں اور اب تک اپنے کو کسی کے حوالے نہیں کیا"۔

اور فرمایا کہ:

"جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے پوچھنا' یہ میری

اجازت ہے"۔

میں کچھ نہیں سمجھا کہ واقعی اجازت ہے، میں یہ سمجھا کہ تفریحی فقرہ ہے۔

میں جب کانپور چلا گیا تو بہت دیر بعد حضرت شیخ نے خط میں لکھا کہ:

"خبر نہیں تم سے کوئی مرید ہوا یا نہیں، کوئی بیعت ہونا چاہے تو اسے بیعت کر لیا کیجئے"۔

میں نے جواب میں لکھا کہ حضرت! بعض لوگوں نے ناواقفیت کے تحت مجھ سے بیعت ہونا چاہا لیکن میں نے ان کو مشورہ دیا کہ فلاں فلاں بزرگ سے ہونا۔ کسی نے اصرار کیا تو میں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھے اجازت نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے لکھا کہ:

"شاید تمہیں یاد نہیں رہا، جب حضرت تھانویؒ علاج کے لئے آئے ہوئے تھے، اس وقت اجازت اور اس پر اشکال سب رفع کر چکا ہوں"

اس خط میں یہ بھی تھا کہ:

"مشورہ تو دوسروں سے بیعت کا دینا چاہئے اور یہ اچھی بات ہے لیکن دوسرے کے کہنے پر اس کی بات مان لینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں"۔

ایک سال بعد جب میں دیوبند میں تھا۔ حضرت شیخ کو اجازت دینے کا زور ہو رہا تھا، مجھے بھی خط لکھا کہ :

"تمہارے لوگوں میں سے جو شخص تمہارے نزدیک اہل ہو، صاحب نسبت ہو اس کو اجازت دے دو"۔

میں نے جواب میں لکھا کہ مجھے معلوم نہیں کہ نسبت کیا چیز ہے؟ کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کیسی ہوتی ہے؟، اور نہ پہچان سکتا ہوں کہ کس کے پاس نسبت ہے، اس کے جواب میں حضرت شیخ نے لکھا کہ :

"یہ پہچاننا ہی تو ہوا"۔

ایک شخص کانپور سے رمضان میں آئے ہوئے تھے، پہلے میرے پاس دیوبند آئے پھر میں سہارنپور آیا تو وہ بھی آئے، حضرت شیخ سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ میں نے شیخ سے کہا کہ حضرت! یہ بیعت ہونے کے لئے آئے ہیں ان کو بیعت کر لیجئے۔ اور میں نے کہا کہ یہ حضرت مدنی سے بیعت ہے تو شیخ نے فرمایا :

"پھر نہیں، نہ مجھ سے نہ تم سے"۔

خرقہ خلافت

حضرت نے جبہ (مشلح) مرحمت فرمایا تھا اور بہت اہمیت کے ساتھ فرمایا تھا کہ :

"یہ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا ہے۔ انہوں نے اس کو تین روز تک روضہ اقدس پر پہنے رکھا تھا اس کے بعد مجھے عنایت فرمایا، بہت بوسیدہ تھا میں نے اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگوالیا تھا۔ پس میں نے کبھی کبھی رمضان کے مہینہ میں اس کو پہن کر تنہائی میں دو رکعت پڑھی ہے اس کے بعد اٹھا کے رکھ دیا"۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی صحبت مبارکہ میں رہ کر ریاضت و مجاہدات اور ذکر واذکار کیئے۔ بعد ازاں حضرت شیخ قدس سرہ نے خلافت واجازت سے نوازا۔ ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت شیخ قدس سرہ نے مفتی صاحب کے متعلق فرمایا تھا کہ :

"میں نے مفتی محمود کو چالیس سال تک رگڑا تب کہیں جاکر خلافت واجازت دی"۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو تمام علوم متداولہ مستحضر بلکہ ازبر تھے، اور فقہ وحدیث میں تو ایسا اختصاص وامتیاز حاصل تھا کہ باید وشاید، صحیح بخاری شریف

کا درس سالہاسال دیا' اور اکابر کی نگرانی میں فتویٰ نویسی میں عمر لگادی، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ محمودیہ" ۱۶ جلدوں میں شائع ہوچکا ہے، جو آپ کے تفقہ کا شاہکار ہے' حضرت مفتی صاحبؒ کا حافظہ ماشاءاللہ آخر عمر تک رشک حفاظ رہا، فرق باطلہ سے بارہا مناظروں اور مباحثوں کی بھی نوبت آئی اور بحمد اللہ! ہر میدان میں غالب اور مظفر و منصور رہے۔ اور آپ کی خداداد ذہانت وذکاوت اور خوش طبعی وسبک روحی کے جوہر خوب خوب کھلے، حضرت مفتی صاحبؒ کسی کی کوئی غلط بات دیکھتے تھے اسے فوراً ٹوک دیتے تھے خود راقم الحروف کو یہ قصہ پیش آیا' حضرت مفتی صاحبؒ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے' حضرت مولانا یحییٰ مدنی زید مجدہ نے حضرت کی دعوت کردی، اور ان کے اعزاز میں کچھ اور دوستوں کو بھی بلایا۔ یہ روسیاہ بھی دفع نظر بد کے لئے موجود تھا، کھانے سے فارغ ہوئے تو ناکارہ کے منہ سے یہ دعا جہراً نکل گئی۔

اکل طعامکم الابرار ـ وافطر عندکم الصائمون ' وصلت علیکم الملائکۃ۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فوراً ٹوکا: "یہاں کن روزہ داروں نے روزہ افطار کیا ہے؟ میں ادباً خاموش رہا، حضرتؒ کی ہمشیرہ صاحبہ ہمارے علاقہ (فیڈرل بی ایریا) میں تھیں۔ اور حضرتؒ کو کھانے کے بعد ہمشیرہ محترمہ کے یہاں جانا تھا' جناب مولانا یحییٰ مدنی نے فرمایا تم بھی حضرتؒ کی گاڑی میں بیٹھ جاؤ، راستہ میں عرض کیا کہ حضرت! میں تو اس دعا کو ہمیشہ جملہ انشائیہ دعائیہ سمجھا، جملہ خبریہ نہیں سمجھا تھا؟ حضرت مفتی صاحب نے اس ناکارہ کے جواب میں بس اتنا فرمایا "ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے" یہ حضرتؒ کی تواضع تھی ورنہ حضرتؒ کی نکتہ چینی صحیح

تھی، جو کہ یہ بد فہم نہیں سمجھا تھا، اب سمجھ میں آئی، مفتی صاحبؒ کا مطلب یہ تھا کہ یہ دعا افطار کرانے والوں کے لئے ہے، مطلق کھانا کھلانے والوں کیلئے نہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں بڑے معتمد علیہ تھے، حضرت شیخؒ اپنے خاص معاملات میں ان کے مشوروں اور ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے، جس کی بہت سے مثالیں ملفوظات میں محفوظ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے اکابرؒ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت تھی، اور اکابرؒ کے اتنے واقعات ان کے سینے میں محفوظ تھے جو کم لوگوں کو یاد ہوں گے، زہد و استغنا کا یہ عالم تھا کہ جس وقت ابتدا ہی سے جب حضرت مفتی صاحبؒ کو مظاہر علوم میں بہ مشاہرہ دس روپے معین مفتی مقرر کیا گیا تو باہر سے مفتی صاحب کو ایک بڑی تنخواہ کی پیشکش ہوئی مگر مفتی صاحبؒ نے یہ پیشکش مسترد کردی، کسی بے تکلف دوست نے کہا کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ اس دعوت کو قبول فرمالیں گے، فرمایا ''تم لوگوں کو میرے بارے میں یہ بدگمانی کیوں ہوئی کہ میں مظاہر علوم میں اساتذہ کرام کے سایہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ بھی جا سکتا ہوں؟''۔

حضرت مفتی صاحبؒ شعر و سخن میں دستگاہ رکھتے تھے، ان کا نعتیہ قصیدہ ''گلدستہ سلام'' اس فن میں ان کی پختگی و قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات سے ان کے عشق و محبت کو ظاہر کرتا ہے، اور ''وصف شیخ'' کے نام سے تراسی اشعار کا جو قصیدہ تالیف فرمایا ہے اس میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے اوصاف و کمالات کو اس حسن و خوبی کے ساتھ نظم فرمایا ہے کہ عقل حیران ہے، یہ دونوں قصیدے ان

کے مسترشد خاص جناب مولانا محمد فاروق صاحب زید مجدہ کی شرح کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف جو حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی، تحقیقی کارناموں کا شاہکار ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

فتاویٰ محمودیہ (۱۶ جلدیں) اسباب لعنت کی چہل حدیث، وصف شیخ، کلام محمود، حدود و اختلاف، آسان فرائض، سرکاری سودی قرضے، حقوق مصطفیٰﷺ، نغمہ توحید، ملفوظات فقیہ الامت، معمولات یومیہ، مواعظ فقیہ الامت، کثرت رائے کا فیصلہ، عورتوں کی خلافت وامامت، افریقہ اور خدمات فقیہ الامت، حقیقت حج، اسباب غضب، اسباب مصائب اور ان کا علاج، وصف محبوب، شوریٰ کا اہتمام، فاتحہ خلف الامام رفع یدین، مسلک علمائے دیوبند اور حب رسولﷺ، ارمغان اہل دل۔

یہ تمام تالیفات اکثر حضرت کے قلم سے ہیں اور بعض میں حضرت کے معتقدین نے آپ کی دینی خدمات کو ذکر فرمایا ہے۔ امت مسلمہ کے لئے ان میں قیمتی علمی سرمایہ ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ضعف و پیرانہ سالی کے ساتھ مختلف عوارض میں مبتلا تھے، جو ان کے رفع درجات کا موجب تھے، لیکن بایں ہمہ ان کے معمولات و مشاغل اور افاضہ میں فرق نہیں آتا تھا۔

کافی دنوں سے جنوبی افریقہ کے احباب و مخلصین کے تقاضا پر وہاں تشریف فرما تھے کہ وقت موعود آن پہنچا، اور زندگی کے تھکے ماندہ مسافر نے

وطن اصلی کی طرف رخت سفر باندھ لیا۔ یاایتھاالنفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

حق تعالیٰ شانہ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے، اور انہیں خاص محبوب بندوں کی جماعت میں شامل فرمائیں۔

اللھم اغفرله ،وعافه واعف عنه' واکرم نزله'ووسع مدخلهٗ وابد له داراخیراًمن داره 'واهلاً خیراًمن اهله ' اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده'۔

وصلی الله تعالیٰ علی خیرخلقه صفوة البرية

سیدنا محمد ن النبی الامی وآله وصحبه اجمعین ۔

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ)

حضرت شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

بتاریخ ۹ شوال ۱۴۱۷ھ حضرت شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت کی اطلاع ملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ مااخذ ولہ مااعطی وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ۔

حضرت مرحوم اپنے دور میں علمأ ربانیین میں ممتاز تھے۔ شیخ محمد زاہد الکوثری نوراللہ مرقدہ کے تلمیذ خاص تھے اور اپنے شیخ کی طرح حنفیت میں متصلب تھے، چونکہ ہندوستان ایک عرصہ تک حنفیت کا مرکز رہا ہے اس لئے شیخ کو یہاں کے اہل علم اور کتب خانوں سے اور یہاں کی نایاب کتابوں سے خاص شغف رہا ہے۔ ان کا ایک دورہ تو میرے کراچی آنے سے قبل ہوا۔ جس میں انہوں نے یہاں کے علمأ کرام سے ملاقاتیں کیں اور یہاں کے دینی مدارس کو دیکھا۔ اس کے بعد حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کی بارہا حاضری ہوئی۔ چونکہ شیخ محمد زاہد الکوثری کے دونوں خوشہ چیں تھے اس لئے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شیخ کے ساتھ بڑا شغف تھا۔

مرحوم کی زندگی خالص علمی اور تحقیقی زندگی تھی۔ ملک شام میں جب لادین طبقہ کو عروج حاصل ہوا اور ہزاروں علمائے اسلام کو تہہ تیغ کردیا گیا

اور ہزاروں جلاوطن ہوئے، شیخ نوراللہ مرقدہ بھی اس کی لپیٹ میں آئے اور ایک سال تک قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو رہائی عطا فرمائی اور ریاض کے "جامعة الامام محمدابن مسعود" کے کلیۃ "اصول الدین" میں ان کے ذوق کے مطابق علمی تحقیقی خدمات کا موقع عطا فرمایا۔

یہ ناکارہ تو محاورے کے مطابق "نہ تین میں نہ تیرہ میں" اس لئے ان کے ظاہری وباطنی محاسن کا ادراک کیا کرسکتا ہے؟ لیکن ان کی شخصیت میں چند چیزیں ایسی نظر آئیں جو عام علماٴ کرام میں نہیں۔

۱...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت وجیہ شکل وصورت عطا فرمائی تھی اور ان کا اخلاص وتدین، علم وفضل ان کے چہرے مہرے سے ٹپکتا تھا۔ ان کو دیکھ کر ایک عام آدمی بھی محسوس کرتا تھا کہ یہ شخص عالم ربانی ہے۔ غرضیکہ حق تعالیٰ شانہ نے حسن معنوی اور باطنی کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی سرفراز فرمار کھا تھا۔

۲...... حلم وتواضع کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت میں سب سے زیادہ پرکشش بات یہ تھی کہ ان پر اکثر وبیشتر رقت طاری رہتی تھی اور یہ ان کی دولت باطن کا پتہ دیتی تھی۔

۳...... جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ ان کو علماٴ ہندوپاک سے بھی شغف تھا۔ وہ بہت سے مدارس میں گئے، ان مدارس میں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ باوجود حلبی عالم ہونے کے انہوں نے علماٴ ہندوپاک سے سند حدیث حاصل کی اور صرف رسمی طور پر نہیں بلکہ واقعتاً ان کا جب بھی تذکرہ کرتے ہیں قال شیخنا کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے

شیخ حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ' حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کا ذکر جب بھی فرماتے ہیں شیخنا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان مشائخ حقہ سے سچا تعلق تھا۔

۴...... وہ بڑے بلند پایہ عالم اور محقق تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے علمأ ہندوپاک کے پرانے مصنفین کی کتابوں کو بطور خاص اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب "التصریح بماتواتر فی نزول المسیح" کو ایڈیٹ کر کے نہایت گراں قدر حواشی اور افادات کے ساتھ انہوں نے حلب سے نہایت اہتمام سے شائع کی۔ چونکہ کتاب حیات عیسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اس ناکارہ نے "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی جانب سے ان کے حلبی نسخے کا عکس پیش کیا۔ شیخ کو اس کی اطلاع پہنچی تو بجائے کبیدہ خاطر ہونے کے خوش ہوئے۔

اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی متعدد کتابوں کو انہوں نے شائع کیا اور جب بھی ان کا تذکرہ کرتے ہیں "الامام اللکھنوی" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

۵...... ایسے صاحب کمال آدمی کو اپنے صاحب کمال شیخ محمد زاہد الکوثری کی ذات سے کتنی عقیدت ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں اعتدال تھا ان کے شیخ پر حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ سے ایک گونا نفرت کا غلبہ تھا وہ ان حضرات کے بعض نظریات کی بہت شدومد سے تردید فرماتے تھے اور اس شدت میں ان کی زبان قلم پر بعض ایسے الفاظ جاری ہو جاتے تھے جو ان دونوں بزرگوں کے معتقدین کو گراں گزرتے۔ اس میں

وہ معذور بھی تھے لیکن ہمارے شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ باوجود ان کے شاگرد رشید ہونے کے اس رنگ کے آدمی نہیں تھے وہ ان اکابر کا بے حد احترام کرتے تھے اور عامیوں کا ان حضرات پر تنقید کرنا چیلنج سمجھتے تھے۔

۶...... جامعہ علوم اسلامیہ میں ان کی تشریف آوری بارہا ہوئی تھی اور اس ناکارہ کو بھی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی تھی لیکن اپنے احساس کمتری کی بنا پر اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا تھا کہ ان کی مجلس میں بیٹھوں یا ان سے کسی مسئلہ پر تبادلہ خیال کروں آخری مرتبہ وہ تشریف لائے تو جناب ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم نے اس ناکارہ کا تعارف بھی ان سے کرایا اور اس ناکارہ کی ٹوٹی پھوٹی خدمات کا ان سے تذکرہ فرمایا تو حضرت مرحومؒ نے بڑے وقیع اور بلند الفاظ سے اس ناکارہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ایک تازہ ترین رسالہ اپنے دستخطوں کے ساتھ مرحمت فرمایا' عام طور سے بڑے آدمی چھوٹوں کی طرف التفات نہیں کرتے' اس ناکارہ کی حیثیت حضرت مرحوم کے مقابلے میں واقعتاً چیونٹی سے بھی کم تھی اور ہے لیکن ان کا اس ناکارہ کی طرف التفات فرمانا ان کے عالی مرتبہ کی نشاندھی کرتا ہے۔

۷...... مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: "پچھلے دنوں آکسفورڈ کے مرکز الدراسات الاسلامیہ نے حدیثی خدمات پر سلطان برونائی ایوارڈ کا اعلان کیا تو حضرت شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کو بجا طور پر یہ ایوارڈ دیا گیا (اس ایوارڈ کے لئے شیخ کا اسم گرامی تجویز کرنے والوں میں احقر بھی شامل تھا لیکن موصوف رحمہ اللہ ان حضرات میں سے تھے جو اس قسم کے رسمی ایوارڈ سے کہیں بلند ہوتے ہیں۔ یہ ایوارڈ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ صحیح جگہ پر پہنچ گیا ورنہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی

خدمات اس سے بے نیاز ہیں"۔

۸...... حضرت مرحوم طویل صعوبتوں اور مشقتوں کے بعد بہت سے امراض کا شکار ہو گئے تھے ان میں سے ایک عارضہ قلب تھا اور ایک آنکھوں سے خون کا جاری ہونا اس کا علاج بھی کروایا لیکن مشیت الٰہی غالب آگئی اور بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے درمیان میں معمولی افاقہ بھی ہوا لیکن دوبارہ غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر ۹/ شوال ۱۴۱۷ھ (مطابق ۱۶/ فروری ۱۹۹۷ء کو فجر کے وقت عالم آخرت کیلئے رخت سفر باندھ لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن موصوف کو مدینہ طیبہ لے جایا گیا اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

(ماہنامہ بینات کراچی صفر ۱۴۱۸ھ)

قاری محمد عبداللہ صاحب رحیمیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:

امام القرأ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کے فرزند اکبر مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۹۹۷ء بروز جمعہ ایک کار کے حادثہ میں شہید ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے اعزہ سے ملاقات کے لئے گئے ہوئے تھے' جمعہ کو علی الصبح قصور میں ناشتہ کیا۔ ان کے عزیز داماد قاری مولوی محمد مجاہد گاڑی چلا رہے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی تکان کی وجہ سے نیند کا غلبہ تھا اور پھر پر تکلف ناشتے کے بعد فوراً ساہیوال کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ نیند کا غلبہ ہوا اور ان کی کار ایک درخت سے ٹکرا گئی۔ قاری صاحب' ان کی اہلیہ ایک داماد' ایک بیٹی جس کی عمر دس سال تھی اور دس پارے حفظ کر چکی تھی' ایک نواسہ یعنی پانچ افراد موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔

ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی شدید زخمی ہوئے اور باقی ایک صاحبزادی اور دو نواسے بعافیت بچ گئے۔

میں نے اس خبر کی سرخی سعودیہ کے "اردو نیوز جدہ" میں پڑھی تھی
لیکن پوری خبر نہیں پڑھی تھی دو دن بعد لڑکوں نے قاری صاحب کے حادثے کی
خبر دی اور وہ خبر مجھے دوبارہ پڑھائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم نے قرآن کریم اپنے والد ماجد حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ
سے یاد کیا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ پڑھانے میں رورعایت کے قائل نہیں تھے
اس لئے مرحوم نے طالب علمی کے زمانے میں بہت سختیاں برداشت کیں
اور اپنے والد ماجد سے اتنی مار کھائی جو دوسرے طلباً کے حصے میں نہیں آئی۔
حضرت قاری صاحب نے مرحوم کو قرأت عشرہ کا حافظ بنایا اور یہ حضرت قاری
صاحب کی سختی کا فیض تھا کہ مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے تیس سال ہو گئے
قرآن پاک کھول کر نہیں دیکھا۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ میں
نے تجھے اتنا یاد کرادیا کہ اب تو اگر بھلانا بھی چاہے تو نہیں بھلا سکتا۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنے بہنوئی اور اپنے رفیق حضرت مولانا قاری
محمد طاہر صاحب سے شکایت کی کہ والد صاحب نے مجھے بہت مارا ہے۔ قاری
طاہر صاحب نے مرحوم کا یہ شکوہ حضرت قاری صاحب کے پاس نقل کر دیا۔
حضرت قاری صاحب آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: مارنا تو یاد رہا لیکن یہ یاد نہیں رہا کہ
آدمی بھی بنادیا۔

قرآن مجید کے بعد انہوں نے خیر المدارس ہی میں علوم دینیہ کی تکمیل
کی اور دورہ حدیث کے بعد اپنے والد ماجد کے مشورہ سے حضرت مولانا عبدالعزیز

صاحبؒ۔ جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر رائپوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ سے اصلاحی تعلق جوڑ لیا حضرت نے کچھ اذکار وغیرہ بتائے تو قاری صاحب نے کہا حضرت یہ تو مجھ سے ہو نہ سکیں گے، فرمایا کوئی حرج نہیں۔

حضرت مرشد مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ایک دن اس ناکارہ سے فرمایا کہ حضرتؒ کے بعد کسی سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں مگر تیرے سوااب کسی پر نظر جمتی نہیں، میں نے معمولات پوچھے تو فرمایا کہ دس پارے روزانہ منزل پڑھتا ہوں 'ایک منزلِ حزب الاعظم کی 'ایک منزل دلائل الخیرات کی 'بس دیگر اپنے مشاغل کے بعد میرے اوقات میں اس سے زیادہ معمولات کا وقت نہیں ہے۔ اس ناکارہ نے اس خیال سے کہ ان کے اعمال صالحہ میں اس صفر الید (خالی ہاتھ) کی بھی شرکت ہو جائے گی ان کو نہ صرف بیعت کر لیا بلکہ ساتھ کے ساتھ اجازت بھی دیدی اور مرحوم نے (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) اس تعلق کو خوب نبھایا۔ مرحوم نے ۱۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو کر اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدت العمر قرآن کریم کی تحفیظ و تجوید کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور تاحیات قرآن کریم کی خدمت میں مشغول رہے۔ جامع نور مسجد ساہیوال میں تحفیظ القرآن کا مدرسہ قائم کیا اور اس میں حفظ کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔

مرحوم بہت کم گو اور کم آمیز تھے۔ صبح سے شام تک قرآن کریم کی تدریس میں مصروف رہتے اس دوران دس پارے تلاوت بھی فرماتے اور حزب الاعظم اور دلائل الخیرات بھی پڑھتے اس لئے کسی کا پاس بیٹھنا ان پر گراں گزرتا

تھا۔ فرماتے تھے جب تک اپنے معمولات پورے نہیں کرلیتا، سوتا نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ان سب کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور ان کو اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادے عزیز قاری محمد سعد اللہ رحیمی کو اپنے خاندان کی روایات کا امین بنائے۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله، ووسع مدخله وابدله داراخيراً من داره واهلاً خيراً من اهله اللهم لاتفتنابعده ولاتحرمنااجره۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خيرخلقه سيدنا محمدوآله وصحبه وبارك وسلم تسليما۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

ہمارے معمر ترین بزرگ امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ خاص حضرت اقدس مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ ۲۷ر ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ شب دوشنبہ (۴-۵ مئی کی درمیانی شب) ہندوستان کے وقت کے مطابق آٹھ بج کر چونتیس منٹ پر ہم سے جدا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان للّٰہ ما اخذ، ولہ ما اعطی، وکل شئ عندہ باجل مسمی، اللھم اغفرلہ، وارحمہ وعافہ، واعف عنہ، وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ، ۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت مولانا مرحوم اتنی خوبیوں کے مالک تھے کہ اس مختصر سے شذرہ میں ان کا احاطہ تو کجا ان کی طرف اجمالی اشارہ بھی ممکن نہیں۔

۱......ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حضرت امام العصر انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد تھے، اور حدیث کے بہترین طالب علم تھے۔ انہوں نے دورہ حدیث میں تمام کتابوں میں امتیازی نمبر حاصل کئے تھے گویا

علم ان کے مزاج اور سرشت میں داخل ہو گیا تھا۔ فراغت کے بعد وہ سالہاسال تک تعلیم و تعلم کے شغل سے وابستہ رہے، اور دار العلوم ندوۃ العلمأ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ یہ علمی استحضار انہیں آخری عمر تک حاصل رہا، اور یہ ایک ایسی نعمت ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

۲......انہوں نے اپنے شیخ امام العصر کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نہ صرف صحیح ذوق و مزاج پایا تھا، بلکہ فرق باطلہ کے رد میں ان کی طبیعت میں حمیت دینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ قادیانیت اور دیگر فرق باطلہ کے مقابلہ میں شمشیرِ بے نیام تھے۔ ایک زمانہ میں اہل بدعت کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ گئی تھیں، ان کا زور توڑنے کے لئے حضرت مرحوم میدان میں آئے، اور ان کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ ان کا وہ زور ٹوٹ گیا۔ ان کے یہ مناظرے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، اور لاہور کی انجمن اصلاح المسلمین نے "فتوحات نعمانیہ" کے نام سے ان کو شائع کر دیا ہے، جو لائق دید ہے۔

۳......"الفرقان" کے ذریعہ انہوں نے دینی اور ادبی صحافت کا آغاز کیا، جو پہلے بریلی سے جاری ہوا، اور بعد ازاں لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ ان کی یہ صحافت قریباً ایک صدی پر محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے پڑھ کر کتنے لوگوں کے خیالات کی اصلاح ہوئی ہوگی، لوگوں کے ذہنوں سے شکوک و شبہات کی دھند چھٹی ہوگی، اور کتنے اللہ کے بندے ان کے مضامین کو پڑھ کر راہ راست پر گامزن ہوئے ہوں گے۔ ان کا یہ صدقہ جاریہ الحمد للہ آج بھی جاری ہے جسے ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان

کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ اور ان کو اپنے نامور والد گرامی کا صحیح جانشین بنائے۔

۴......حضرت مولانا نے جس وقت بساط حیات پر قدم رکھا' اس وقت مختلف قسم کے فتنے اور مختلف تحریکیں ابھر رہی تھیں۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی اور غیر مسلموں کی طرف سے بھی۔ حضرت مرحوم نے ان تمام غلط تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر ہمت چست باندھی' اور جس شخص کے بارے میں بھی ان کو کچھ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کارآمد ہو گا' اس کے ساتھ تعاون کیا' گویا وہ صرف مسجد و مدرسہ کے آدمی نہیں تھے' صرف ایک رسالہ کے مدیر اور ایڈیٹر نہیں تھے' بلکہ زندگی میں تمام اٹھنے والے فتنوں پر ان کی نظر تھی' اور ان فتنوں کے مقابلے میں جو کچھ ان کے امکان میں تھا' انہوں نے کسر نہیں چھوڑی۔

۵......ایک زمانہ میں مولانا مودودی کا بڑا چرچا تھا' اور وہ اسی حمیت دینی کی خاطر کچھ عرصہ ان کی تحریک کے ساتھ بھی وابستہ رہے' لیکن انہیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ جس عالی مقصد کے لئے وہ ان کے گرویدہ ہوئے ہیں' اس کا حصول ان کی ذات سے ممکن نہیں' چنانچہ وہ اس تحریک سے دست کش ہو گئے' اور بعد میں جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی اور علیحدگی کی داستان بھی لکھی۔ ان کا جماعت اسلامی سے یا مولانا مودودی سے تعلق محض للہ فی اللہ تھا' کوئی اپنی ذاتی غرض درمیان میں نہیں تھی۔

۷......ان پر حق تعالیٰ شانہ کے انعامات میں سے ایک عظیم الشان انعام قطب

العالم حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائپوری قدس اللہ سرہ کے حلقہ ارادت میں شمولیت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت رائپوری رحمہ اللہ سے تعلق اور صحبت نے ان کی ماہیت بدل دی۔

۸......ان پر ایک انعام الٰہی حضرت اقدس مولانا محمد الیاس کاندھلوی دہلوی کی تحریک دعوت و تبلیغ سے وابستگی تھی۔ اپنے دوسرے دینی مشاغل کے علاوہ وہ اس تحریک میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اور اس سلسلے میں جو جانی اور مالی قربانی ان سے بن پڑتی اس سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری عمر کے ملفوظات بھی مرتب کئے تھے' جو مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

۹......علمی لائن میں ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ "معارف الحدیث" ہے جس کی سات جلدیں خود ان کی زندگی میں شائع ہو چکیں۔ احادیث کا انتخاب اور ان احادیث کی عام فہم تشریح' یہ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جب کوئی شخص اس ناکارہ سے تفسیر کی کتاب کے بارے میں مشورہ کرتا ہے تو اسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر "معارف القرآن" کا حوالہ دیتا ہوں' اور جب کوئی حدیث کی کتاب کے بارے میں مشورہ کرتا ہے تو اسے حضرت مولانا مرحوم کی کتاب "معارف الحدیث" کا مشورہ دیتا ہوں۔ اردو کے علاوہ انگریزی اور دوسری بعض زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۰......ان کی قریباً ایک صد کتابوں میں سے "اسلام کیا ہے" اور "دین و شریعت" مجھے بہت ہی پسند ہیں' جن کا اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ

ہو چکا ہے، اور اکثر امریکی اور دوسرے مغربی ممالک کے نوجوانوں کو اس کے پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں، بلکہ بعض کو خرید کر دیتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ کے رحم وکرم اور فضل امن سے امید ہے کہ حضرت مولانا کی یہ تمام کتابیں ان کے لئے صدقہ جاریہ ہونگی۔

۱۱...... یہ ناکارہ تو نہ تین میں ہے نہ تیرہ میں، اس لئے اپنے اکابر کو خط لکھنے کی کبھی جرأت نہیں کرتا کیونکہ "ایاز قدر خویش بشناس" ہمہ وقت پیش نظر رہتا ہے۔

ہمارے شیخ حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نور اللہ مرقدہ اکثر فرمایا کرتے تھے "بھئی! ہم پر احساس کمتری کا غلبہ ہے"۔

حضرت کی نسبت کا یہی رنگ اس ناکارہ پر بھی غالب ہے، اس لئے اپنے دور کے اکابر سے روابط اور ان سے خط وکتابت بہت ہی کم رہی ہے، لیکن حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ نے چند خطوط اس ناکارہ کے نام تحریر فرمائے، ان میں سے بعض تو احباب کی عنایت سے ضائع ہو گئے، اور کچھ محفوظ ہیں، جی چاہتا ہے کہ ان کی یہ امانت آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دوں۔ واللہ الموفق۔

مکاتیب مبارکہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ باسمہ تعالیٰ

صدیقی المحترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مؤرخہ ۲۲ر محرم موصول ہو کر موجب

منت و مسرت ہوا، عریضہ کا جواب یا اطلاع رسید نہ ملنے کی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ شاید وہ ڈاک سے ضائع ہو گیا آپ تک نہیں پہونچ سکا۔ اب گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا تھا کہ ان دنوں آپ سفر حج میں تھے۔ اب واپسی پر میرا عریضہ ملاحظہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس حج اور اس سفر کے عمرات اور ان کے سلسلہ کے تمام مناسک وافعال اور دعوات صالحہ کو اپنی شان عالی کے مطابق قبول فرمائے اور آپ کے لئے اور آپ کے اہل تعلق کے لئے مغفرت کا وسیلہ بنائے اور اس کے انوار و برکات آپ کی روح میں اس طرح پیوست فرمادے کہ قبر میں بھی ساتھ جائیں۔

دار العلوم دیوبند کے المیہ کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات میں اور ان کے حادثہ وفات کے بعد الفرقان میں جو کچھ لکھا گیا اس کے بارے میں گرامی نامہ سے جناب کی رائے اور تاثر معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا، اور دل کی فکر و تشویش میں کمی ہوئی اور اسی کی وجہ سے دل میں کچھ عرض کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ ورنہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہونے کی وجہ سے اب خطوط بہت مختصر ہی لکھتا یا لکھاتا ہوں۔ یہ عریضہ بھی ایک عزیز سے لکھا رہا ہوں۔

مولانا! واقعہ یہ ہے کہ جو مقدر تھا وہ ہو چکا، لیکن خاص کر ان کی وفات کے بعد سے دل بہت متاثر ہے اور جب خیال آجاتا ہے تو رنج اور افسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔ درجات بلند فرمائے۔ اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں ہم سے یا ان سے ہوئیں اپنی شان کرم سے ان کو معاف کردے۔ انه عفو کریم۔

مولانا! "بل الانسان علی نفسه بصيرة" مجھے اپنے ظاہری وباطنی عیوب ومعاصی کا علم ہے جو ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم وکرم کا معاملہ نہ فرمائے تو خیریت نہیں ہے۔ اور قاری صاحب مرحوم مغفور کے تو صرف ان ہی اقدامات کو میں غلط سمجھتا ہوں جو دارالعلوم کے بارے میں عمر کے بالکل آخری دور میں ان کی طرف سے ہوئے' بالخصوص دارالعلوم کے "دستور اساس" اور اس کی "مجلس شوریٰ" کو کالعدم قرار دینے کا اقدام' جو دارالعلوم کے حق میں یقیناً انتہائی درجہ کی خطرناک بات تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی فطرت اور ان کے عمر بھر کے طرز عمل کے خلاف تھی۔ کچھ لوگوں نے ان کی فطری انتہائی درجہ کی نرم مزاجی اور کبر سنی کی پیدا کی ہوئی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اس غلط اور ناممکن بات کے لئے ان کو تیار کرلیا' وہ خود تو ایسی بات

سوچ بھی نہیں سکتے تھے' یہی چیز اس اختلاف اور خلفشار کی بنیاد بنی اور ہم سب اس آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ فی ما بیننا و بین اللہ دل اس پر مطمئن ہے کہ دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کے لئے ہم ارکان شوریٰ نے جو رویہ اختیار کیا وہ صحیح بلکہ ہمارا فرض تھا۔ تاہم ہم بشر ہیں رائے اور فکر کی غلطی سے ہم میں سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔

بہر حال میں تو ان کے صرف اس عمل اور اس سلسلہ کے اقدامات کو غلط سمجھتا ہوں جو رائے اور فکر کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ان کی جن حسنات اور جن کمالات سے واقف ہوں ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کو حفظ قرآن کی دولت عطا فرمائی۔ وہ زندگی بھر ان کا وظیفہ رہا' پھر وہ علم دین کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازے گئے۔ ہم نے، آپ نے ان کو دیکھا وہ شرافت نفس اور خلق حسن کا مجسمہ تھے' ان کے مواعظ حسنہ سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت ملی ہو گی' نماز روزے کی اور ذکر و تلاوت پھر دوسرے اعمال خیر کی توفیق ہوئی ہو گی' اس سب کے علاوہ خود اپنی قریباً ۸۰ سال کی مختلف النوع عبادات اور دینی خدمات و حسنات کا بھی ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر اس دنیا سے گئے ہیں اور آخرت میں فیصلہ کسی ایک عمل پر نہیں

بندہ کے مجموعہ اعمال پر ہوگا۔"فمن ثقلت موازینه فاولئك هم المفلحون" اور"فامامن ثقلت موازینه فهوفی عیشة راضية"۔

ظاہر ہے کہ ان کی ان بے شمار حسنات وخدمات کے مقابلہ میں دارالعلوم کے سلسلہ کی اس غلطی کی کیا حیثیت ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کا منشور رحمت ہے"ان الحسنات یذھبن السیئات"اس سب کو سامنے رکھ کر قریب بہ یقین امید ہوتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اولئك هم المفلحون"اور"فهوفی عیشة راضية"والے زمرے میں ہوں گے۔

اوراس کے برعکس یہ عاجز اپنے کورذائل اور معاصی کا مجسمہ ہی دیکھتااور سمجھتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اپنی اس حالت کااحساس اور فکر نصیب ہے۔ اوراسی کی طرف سے توبہ واستغفار کی توفیق بھی ملتی رہتی ہے۔ دعائے ماثور"اللھم ان مغفرتك اوسع من ذنوبی ورحمتك ارجی عندی من عملی"کوخاص طور سے اپنے حسب حال پاتاہوں اس لئے غرق معاصی ہونے کے باوجود ارحم الراحمین کی رحمت کاامیدوار ہوں اور جیساکہ جناب نے گرامی نامہ میں تحریر فرمایاہے اس کی بھی امید رکھتاہوں اوردعاکرتاہوں کہ رب کریم ہم کوان بندوں میں شامل

فرمادے جن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے ونزعنامافی صدورھم من غل اخوانا علیٰ سرر متقابلین۔

گرامی نامہ سے معلوم ہوا اور خیال بھی یہی تھا کہ "بینات" وہاں سے پابندی سے ہر مہینے روانہ ہوتا ہو گا لیکن یہاں بس کبھی کبھی پہنچتا ہے۔ آپ کا افتتاحیہ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب دامت برکاتہم کے جو ارشادات وافادات ہوتے ہیں ان کو اہتمام سے پڑھتا ہوں۔ حضرت سے عقیدت واستفادہ کا تعلق آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔ ھنیئاً لکم مجھے بڑا ہی افسوس اور قلق ہے کہ تین چار سال پہلے جب کراچی جانا ہوا تھا تو حضرت کے بارے میں وہ واقفیت نہیں تھی جو بعد میں خاص کر "بصائر" اور "مآثر" کے مطالعہ سے ہوئی۔ اس لئے اس وقت حضرت کی خدمت میں حاضری سے محروم رہا۔ اب وہی مسئلہ ہے کیف الوصول الی السعادۃ...... سفر میرے لئے مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں مگر قانونی مشکلات پہاڑوں کی طرح حائل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ویزا بہت ہی مشکل سے ملِتا ہے۔ اگر یہ اشکال نہ ہوتا تو خاص کر حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کے لئے سفر کرتا۔

حضرت کی خدمت میں حاضری ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس عاجز کا سلام اخلاص و نیاز اور دعا کی

درخواست عرض کردی جائے۔ محترمی مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور عزیزی مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ کو بھی سلام مسنون اور ان سے اور جناب سے بھی دعوات صالحہ کی استدعا۔

نوٹ :.... اگر اس عریضہ کے کسی حصہ کو شائع کرنے کا ارادہ فرمائیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی۔

بقلم: محمد حسان نعمانی

(صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء)

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفااللہ عنہ لکھنؤ،

برادر محترم ومکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح بعافیت ہو۔

میں اس وقت یہ عریضہ ایک خاص بات دریافت کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں غور وفکر کے بعد آپ ہی کی طرف نظر گئی کہ شاید آپ سے وہ بات معلوم ہو سکے جو معلوم کرنا چاہتا

ہوں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کا انتقال کراچی میں ہی ٦ر رمضان المبارک کو ہوا۔ غالباً آپ حضرات نماز جنازہ اور تدفین میں شریک رہے ہوں گے۔ وہ یہاں سے دسمبر میں گئے تھے۔ ان کی بڑی بیٹی جو کراچی میں ہے وہ ان کو علاج کے لئے لے گئی تھیں۔ ان کے اس سفر سے کچھ پہلے ایک ملاقات میں میں نے ان سے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ دامت برکاتھم اور ان کی اصلاحی کتابوں کا تذکرہ کیا تھا انہوں نے بتلایا تھا کہ میں ایک دفعہ کراچی میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے یہاں حاضر ہوا تھا اور مجھے انہوں نے کوئی کتاب بھی عنایت فرمائی تھی۔ چونکہ میرے ذہن میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لئے میں نے کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اب انشاءاللہ مطالعہ کروں گا۔ اور اب کراچی جانا ہوگا تو خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

وہ جس حال میں یہاں سے گئے تھے اور پھر جس حال میں وہاں رہے (بلکہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے زیادہ مدت تک وہ اسلام آباد رہے) اس کے پیش نظر مجھے اس کی امید نہیں کہ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں، لیکن امکان بہر حال ہے۔ اگر وہ کبھی حاضر ہوئے ہوں گے تو آپ کے علم میں ضرور آیا ہوگا۔ اگر اس سلسلہ میں آپ کو تحقیق سے کچھ معلوم ہو سکے تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔

آپ کو خود بھی اندازہ ہوگا مولانا مرحوم کے خیالات میں بہت آزادی رہی ہے اور ان کی تحریروں میں ایسی چیزیں آتی رہی ہیں لیکن قریباً ایک سال پہلے سے اس بارے میں ان میں بہت تبدیلی آگئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم سے امید یہی ہے کہ آخری دنوں میں ان کو انابت کی پوری توفیق ملی ہوگی۔

الغرض مولانا مرحوم کی حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری کے بارے میں اور ان کے آخری ایام حیات کے بارے میں اگر جناب کو کچھ معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمایا جائے۔

مولانا مرحوم کے مجھ پر بہت حقوق ہیں اللہ تعالیٰ ان حقوق کے مطابق ان کے لئے دعا کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔ آپ سے بھی ان کے واسطے اور اپنے واسطے بھی دعا کی استدعا ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات سے نوازا۔ وہی شکر کی توفیق عطا فرمائے اب سب سے بڑی حاجت یہ ہے کہ زندگی کے جو دن باقی ہیں ایمان واعمال کی توفیق اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں وقت موعود آئے تو ایمان کے ساتھ اور سہولت کے ساتھ اٹھالیا جائے۔ اور رب کریم مغفرت ورحمت کا معاملہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے حق کے مطابق آپ کے واسطے دعا

کے اہتمام کی توفیق اس عاجز کو عطا فرمائے۔ بشرط یاد و سہولت مولانا مفتی احمد الرحمٰن و عزیزم مولوی محمد بنوری سلمہم اللہ تعالیٰ اور ہمارے قاری رشید الحسن صاحب کو سلام مسنون اور سب سے دعا کی درخواست۔ عاجز نے یہ عریضہ دوسرے کے قلم سے لکھوایا ہے خود پڑھ نہیں سکا ہوں معذرت خواہ ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

محمد منظور نعمانی

۱۰ر رمضان مبارک

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادر محترم مکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

احسن اللہ الیکم والینا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے ہر طرح عافیت ہو۔

آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ احساس ہوگا کہ ایران کے انقلاب اور خمینی کی قیادت نے شیعیت کو ایک زندہ اور طاقتور دعوت و تحریک بنادیا ہے اور تمام ممالک کے شیعوں میں ایک نئی زندگی آگئی ہے۔ آپ کے ہاں جو کچھ ہو چکا اس کا علم

ہو تا رہا ہے اور اب فقہ جعفریہ کا مسئلہ سامنے ہے۔

آپ حضرات کو بھی احساس ہو گا کہ اس وقت اس بارے میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کی شدید ضرورت ہے آج کی دنیا میں سب سے بڑی دلیل عوام کی اجتماعیت اور رائے عامہ کی طاقت ہے، علماء کرام اور عمائد ملت غور و فکر کر کے اس کے لئے راہ عمل طے کریں، ہمارے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو وہ آگے بڑھتے اب آپ حضرات اپنا فرض ادا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ میرے لئے سفر آسان نہیں ورنہ بار بار دل میں تقاضا پیدا ہو تا ہے کہ حضرات علماء کرام اور بعض عمائد سے اس سلسلہ میں بات کرنے کے لئے سفر کروں۔

میری رائے اور گزارش ہے کہ پہلے اپنی جماعت کے خواص اہل علم اور اہل الرائے عمائد کو مدعو کر کے آپ مشورہ فرمائیں اور راہ عمل طے فرما کے بنام خدا قدم اُٹھائیں، اس مہم میں بھی قادیانیت کے خلاف مہم کی طرح بریلوی حضرات اور اہل حدیث حضرات کو بھی ساتھ لینا ضروری ہو گا بلکہ مناسب سمجھا جائے تو بریلوی حضرات سے کہا جائے کہ وہ آگے بڑھیں ہم ساتھ ہوں گے۔

میں تو اس وقت ان سطور کے ذریعہ صرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اس مسئلہ نے دل کو سخت بے چین کر رکھا ہے۔

شیعوں کی تکفیر پر ہمارے اکابر اور بریلوی حضرات کا اسی طرح اتفاق ہے جس طرح قادیانیوں کی تکفیر پر رہا ہے مولانا احمد رضا خان کا رسالہ "رد الرفضہ" غالباً وہاں ملتا ہو گا۔

علماء اہل حدیث میں سے مولانا احسان الٰہی ظہیر صاحب کی تحریروں میں بھی وہی شدت ہے جو ہونی چاہئے وہ باخبر بھی ہیں۔

مئی جون جولائی اور اگست کے "الفرقان" کے شمارے خدا کرے پہنچے ہوں۔

صورت حال یہ ہے کہ غالبا تمام ہی ملکوں کے ایرانی حکومت کے سفارتخانے شیعیت کی دعوت و تبلیغ کے مراکز بھی ہیں اور ایران کی موجودہ حکومت شیعیت کی دعوت و تبلیغ اور شیعوں میں نئی زندگی پیدا کرنے پر جنگی پیمانے پر خرچ کر رہی ہے۔ ہم آپ فقراء اگر اخلاص کے ساتھ اس سلسلہ میں اپنا فرض ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت رفیق ہو گی۔

مکرم و محترم مولانا احمد الرحمٰن اور دیگر رفقاء کی خدمت میں سلام مسنون اور مضمون واحد' دعاؤں کا محتاج و طالب و دعا گو ہوں والسلام

محمد منظور نعمانی

۱۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء یوم الجمعہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ　　باسمہ تعالیٰ

برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح بعافیت ہو۔

میرے عریضہ کے جواب میں عنایت نامہ مجھ کو مل گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے عریضہ لکھا تھا امید ہے کہ وہ بھی ملا ہوگا۔

ماہنامہ "بینات" کا وہ شمارہ غالباً رمضان المبارک میں موصول ہوا تھا جس میں آپ نے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر لکھا تھا۔ بے تکلف یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے پڑھ کر آپ کی وہ معرفت حاصل ہوئی جو پہلے حاصل نہیں تھی اور محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ڈاکٹر صاحب کا جو خاص تعلق نصیب فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

مجھے ۱۶ رجب جمعہ کے دن ایک صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ آج صبح پاکستان ریڈیو سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے وصال کی خبر نشر ہوئی ہے۔ میں اس سے یہی سمجھا تھا کہ غالباً کل گزشتہ ۱۵ رجب کو وصال ہوا ہوگا۔ "الفرقان" کے لئے میں نے یہی لکھا تھا۔ لیکن اس کی طباعت سے پہلے مجھے

مولانا محمد احمد صاحب (صاحب درس قرآن) کا مکتوب ملا جس میں صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ حضرت کا وصال ۱۴رجب چہار شنبہ کی صبح کو ہوا۔ پھر میں نے ان کے حوالہ سے وہی لکھا اور "الفرقان" میں وہی چھپا۔ لیکن جناب کے مضمون اور دوسرے ذرائع سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت کا وصال ۱۵رجب پنجشنبہ ہی کو ہوا۔ مجھے یاد تھا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا وصال بھی ۱۳۶۲ھ ۱۵رجب ہی کو ہوا تھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ بھی اتحادی نسبت کا ایک ظہور ہے (واللہ اعلم)

اس وقت آپ کے جامعہ اسلامیہ کے ایک فارغ مولوی عبدالخالق جو گزشتہ سال ہی فارغ ہوئے ہیں تشریف لائے ہوئے ہیں انہوں نے بتلایا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ان کو انشاء اللہ ٹرین سے دہلی کے لئے روانہ ہونا ہے۔ عجلت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ دعاؤں کا محتاج اور طالب ہوں۔

بشرط یاد وسہولت محترمی مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب زید مجدہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بقلم: نعیم محمد حسان نعمانی

(۱۵ شوال ۱۴۰۶ھ)

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں...... جناب کے مرسلہ "ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر" کے دو نسخے اور "صراط مستقیم" کے دونوں حصے موصول ہوئے، جزاکم اللہ تعالیٰ۔

حضرت! میرا حال یہ ہے کہ کبرسنی کے ضعف اور دوسرے مختلف امراض و عوارض کے علاوہ ہائی بلڈ پریشر کا بھی مریض ہوں، جس کی وجہ سے خاص طور سے مطالعہ پر سخت پابندی اپنے اوپر عائد کر رکھی ہے، شدید ضرورت ہی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ "ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر" کا مطالعہ بالاستیعاب کر لیا بے شک یہ اس کی روشن ترین اور ناقابل تردید دلیل ہے کہ آج کے شیعہ بھی تحریف کے قائل ہیں اس ترجمہ پر تقریظ لکھنے والوں میں ناصر الملت اور نجم الحسن وغیرہ کے جو نام ہیں، یہ لوگ برصغیر ہی نہیں ایران و عراق کے شیعوں میں بھی حجت اور سند تسلیم کئے جاتے تھے۔ دونوں لکھنؤ کے تھے۔

صراط مستقیم حصہ دوم ابتدائی حصے میں جو اصولی

طور پر آپ نے تحریر فرمایا ہے' اسے پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی' میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ ہمارے مدارس کے فضلاً کے لئے لازم کر دیا جائے' ابھی میں اس کے حصہ دوم کے قریباً چالیس پچاس صفحہ کا مطالعہ کر سکا ہوں' حصہ اول ابھی نہیں دیکھا ہے۔

اب سے قریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے آپ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے کینیا کے ایک طالب علم آئے تھے' میں نے ان کے ذریعہ دو تین ضروری خط مولانا قاری رشید الحسن صاحب کی خدمت میں بھیجے تھے' اور ایک استفتا کے چند مطبوعہ نسخے بھی' اور درخواست کی تھی کہ استفتائ کا جواب جناب مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی دامت فیوضہم سے لکھوا کر بھیجدیا جائے۔۔۔ لیکن معلوم نہیں ہو سکا کہ انہیں میرے وہ خطوط' اور استفتاء کے نسخے قاری صاحب موصوف تک پہنچ سکے یا نہیں' اس کے دریافت کرنے ہی کے لئے میں نے بعد میں قاری صاحب کی خدمت میں خط بھی لکھا تھا اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا' شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان میں سے کوئی چیز بھی قاری صاحب تک نہیں پہنچ سکی' اور یہ خطوط وغیرہ راستہ ہی میں کسی حادثہ کا شکار ہو گئے'

جناب کو زحمت دیتا ہوں کہ خط کا یہ حصہ جناب مولانا قاری رشید الحسن صاحب کی نظر سے گزر جائے، اور وہ صورت حال سے کسی ممکن ذریعہ سے مطلع فرمائیں۔

اس مہینہ اکتوبر کی ۲۹/۳۰/۳۱ کو دارالعلوم دیوبند میں "تحفظ ختم نبوت" کے عنوان سے اجلاس بلایا گیا ہے۔ یقین ہے کہ جناب کی خدمت میں بھی دعوت نامہ پہنچا ہوگا، خدا کرے جناب کی اور آپ کے یہاں سے دوسرے حضرات علماء کرام کی تشریف آوری ہو۔

میں اپنے ضعف اور امراض وعوارض کی وجہ سے اب سفر سے بالکل معذور ہو گیا ہوں، گزشتہ سال دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں صرف اس وجہ سے شرکت کی تھی کہ حضرات ارکان شوریٰ کے سامنے اپنا حال تفصیل سے بیان کر کے شوریٰ کی رکنیت سے سبکدوش کئے جانے کی درخواست کروں، اور آخر میں یہ عرض کر دیا تھا کہ آئندہ کے لئے مجھ کو بالکل معذور سمجھ لیا جائے، لیکن "ختم نبوت" کے مسئلہ سے استاذنا امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ کا جو تعلق تھا اس کا حق سمجھا کہ کسی بھی حال میں میں شرکت کی کوشش کروں، یہ امید بھی اس کی محرک اور مؤید تھی کہ انشاءاللہ آپ

جیسے بہت سے حضرات کی زیارت نصیب ہو جائے گی' اس لیئے متوکلاً علی اللہ نیت کرلی اور ریزرویشن کرالیا ہے' اگر ہو سکا اور آپ حضرات کی زیارت نصیب ہوئی تو انشاءاللہ سفر پورا وصول ہو جائے گا۔

یہ عریضہ لکھ رہا ہوں لیکن اس کی کم امید ہے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے اس اجلاس سے پہلے جناب تک پہنچ سکے۔

مکرر گزارش ہے کہ جناب مولانا قاری رشید الحسن صاحب سے متعلق جو سطور لکھی گئی ہیں وہ ان کی نظر سے گزر جائیں۔ دارالعلوم کے "تحفظ ختم نبوت" کے اجلاس کے دعوت نامہ میں ایک بات بہت غلط لکھ دی گئی اگر آپ کو وہ دعوت نامہ پہنچا ہو گا تو آپ نے بھی محسوس فرمایا ہو گا' اس میں لکھ دیا گیا ہے کہ "غلام احمد قادیانی کا تعاقب سب سے پہلے حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خاص کر پنجاب کے حضرات علماً کی طرف سے اس کا تعاقب حضرت شاہ صاحبؒ کی پیدائش سے بھی پہلے شروع ہو گیا تھا۔ میں نے دعوت نامہ ڈاک سے ملتے ہی لکھا تھا کہ فوراً اس غلطی کا تدارک کیا جائے' بڑی فاش اور رسواکن غلطی ہے افسوس ہے کہ اب دارالعلوم میں شاید کوئی

بھی نہیں جو قادیانیت کے مسئلہ سے واقف ہو' ہاں میرے نزدیک یہ بات صحیح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے خلاف جنگ کا خاتمہ کامیابی کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلامذہ کے ذریعہ کرایا۔

بے ضرورت عریضہ بہت طویل ہوگیا' اس کے لئے معذرت خواہ ہوں' اصل مقصد آپ کی کتابوں کی وصولیابی کی اطلاع اور اس کا شکریہ اور دعاء خیر کی طلب تھا' واقعہ یہ ہے کہ دعاؤں کا سخت محتاج وطالب ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کے حق کے مطابق دعا کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔

بشرط یاد و سہولت محترمی جناب مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور عزیزم مولوی محمد بنوری صاحب کو سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی

بقلم محمد ضیاء الرحمٰن محمود

راقم الحروف کا جواب

باسمہ تعالیٰ

سیدی و مولائی حضرت اقدس مولانا الحاج محمد منظور نعمانی، مدت فیوضھم وبرکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرامت نامہ ابھی ابھی موصول ہو کر موجب صد تشکر و امتناع ہوا، ایک ناکارہ و نابکار کو رسید بھیجنے کی زحمت اپنے عوارض و علالت کے باوجود فرمائی اس کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

"استفتا" موصول ہو گیا تھا، جناب مفتی صاحب نے اسکی فوٹو کاپی اس ناکارہ کو بھی دی تھی، اس کے لئے جناب مولانا عبدالستار تونسوی کو ملتان سے بلایا گیا (وہ ہمارے یہاں شیعیت کے حافظ ہیں) ان کی موجودگی میں استفتاء کا جواب لکھا گیا، اور پھر کراچی کے چند اہل فتویٰ کو بلا کر استفتا اور اس کا جواب ان کو سنایا گیا، اور ان حضرات نے بھی تصدیقات فرمائیں (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے صاجزادگان نے اس سے معذوری ظاہر فرمائی، ان کے دارالعلوم میں سے بھی کسی صاحب نے شرکت نہیں فرمائی) جناب قاری رشید الحسن صاحب کو آنجناب کا گرامی نامہ دکھایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ استفتا کا جواب وہ حافظ صالح دہلوی صاحب کے ہاتھ بھیج چکے ہیں، وہ پہلے رائے ونڈ جائیں گے، وہاں سے ان کو دہلی جانا ہے، انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں آپ تک پہنچ

جائے گا۔۔۔۔البتہ کسی اہل حدیث عالم کو بھیجنے کا جو آپ نے تحریر فرمایا تھا' وہ آج تک کسی کو نہیں بھیج سکے' ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کس کو بھیجا جائے' میں نے ان کو مولانا عطاء اللہ حنیف کو بھیجنے کا مشورہ دیا' اس پر ایک کاپی آنجناب کے گرامی نامہ کے ساتھ قاری صاحب نے میرے حوالے کردی کہ میں بھجوادوں' چنانچہ میں ان کو بھجوا رہا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند سے "ختم نبوت کانفرنس" کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا' جماعت ختم نبوت کی طرف سے ناکارہ کا حضرت الامیر مولانا خان محمد مدظلہ العالی کی ہمرکابی میں جانا تجویز ہوا' لیکن عین وقت پر میری گندگی مانع آئی' اور روانگی سے صرف آدھ گھنٹہ بیس منٹ پہلے ٹیلی فون پر اطلاع ملی کہ ہندی حکومت نے ہمیں ویزا نہیں دیا' اور یہ عذر کیا کہ تمہاری وزارت خارجہ نے کلیرنس نہیں دیا' مجھے بڑی آرزو تھی کہ قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوگی' مجھے غالب توقع تھی کہ آپ اپنے عوارض کے علی الرغم کانفرنس میں تشریف لائیں گے' اور منصوبے بناتا رہا تھا کہ اگر آپ دیوبند نہ آسکے تو یہ ناکارہ لکھنؤ حاضری کی کوشش کرے گا لیکن : "ما کل مایتمنی المرء یدرکه"

"ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر" کا خلاصہ بینات کے اداریئے میں بھی دے دیا ہے۔پاکستان میں شیعوں کے خلاف کام کرنا شاید ہندوستان سے زیادہ مشکل ہے' دعوات صالحہ کا خواستگار ہوں۔

والسلام محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۰۷/۳/۴ھ ۸ / نومبر ۱۹۸۶ء

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفااللہ عنہ

برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب! زید مجدکم، سلام رحمت! خدا کرے آپ سب حضرات بخیر وعافیت ہوں،

"الفرقان" کا رمضان، شوال، ذیقعدہ کا مشترکہ شمارہ جو دسمبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہونے والے الفرقان کے خاص نمبر کا گویا حصہ دوم ہے، کل ڈاک سے روانہ ہوگیا ہے، خدا کرے آپ حضرات تک پہنچ جائے۔

غالب امکان یہ ہے کہ آپ اس کو بھی "بینات" کی خصوصی اشاعت کی حیثیت سے شائع فرمانے کا فیصلہ فرمائیں گے، اس لئے یہ اطلاع دینا ضروری ہے کہ اس کے صفحہ نمبر ۳۲ پر جہاں میرا مقدمہ ختم ہوتا ہے کاتب صاحب نے ایک فاش غلطی کردی ہے، سطر نمبر ۱۸ کا آخری جملہ غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح پوری سطر نیچے لکھی جارہی ہے:

"واقعہ یہ ہے کہ ایسے عقیدے رکھنے والے فرقے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں"۔

اگر "بینات" کی خصوصی اشاعت کی حیثیت سے اس کو شائع کرنے کا فیصلہ فرمایا جائے تو اس غلطی کی تصحیح کردی جائے۔

اس وقت یہ عریضہ لکھانا اسی غرض سے ضروری سمجھا۔

الفرقان میں توانشاء اللہ آئندہ مہینے اگست (ذی الحجہ) کے شمارہ میں اس غلطی کی تصحیح کی جاسکے گی۔

محترمی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب، برادر مکرم قاری رشید الحسن صاحب، نیز برادر عزیز محمد بنوری صاحب کو بشرط یادو سہولت سلام مسنون، اوران سب حضرات سے اورآپ سے بھی دعا کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بقلم محمد ضیاء الرحمٰن محمود القاسمی

(۸ر جولائی ۱۹۸۸ء)

باسمہٖ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادر محترم ومکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ سب حضرات بہمہ وجوہ بخیر وعافیت ہوں۔

الفرقان کا دوسرا خصوصی شمارہ ۸ر جولائی کو حوالہ ڈاک ہو گیا تھا، امید ہے کہ موصول ہوا ہو گا اس کے ساتھ ہی ایک عریضہ بھی لکھا تھا خدا کرے وہ موصول ہوا ہو، جس

میں اطلاع دی گئی تھی کہ شمارہ کے صفحہ ۳۲ کی سطر نمبر ۱۸ کا آخری جملہ غلط لکھا گیا ہے صحیح یہ ہے کہ "ایسے عقیدے رکھنے والے ہمارے علم میں اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں"۔

اس وقت یہ عریضہ ایک دوسرے مقصد سے لکھ رہا ہوں، محترم مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) نے میرے پاس کسی شیعہ کا لکھا ہوا رسالہ "احقاق الحق" بھیجا تھا اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ انہوں نے آپ کو اس کا جواب لکھنے کے لئے لکھا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ ہم کو مستقل پالیسی اس وقت یہ اختیار کرنی چاہئے کہ اہل سنت ہی کو مخاطب بنائیں، شیعوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ خلطِ مبحث کر کے ذہنوں کو الجھانا چاہتے ہیں.......... نیز ان کا یہ بھی عام رویہ ہے کہ جس کتاب یا جس مضمون کی ان پر خاص زد پڑتی ہے، اس کے جوابات ان کی طرف سے ضرور شائع ہوتے ہیں، اس لئے میں نے خود یہ طے کر لیا ہے کہ نہ ان کو مخاطب بنانا ہے نہ براہ راست ان کو جواب دینا ہے جو کچھ لکھنا ضروری اور مناسب سمجھا جائے اہل سنت ہی کو مخاطب کر کے لکھا جائے۔

یہ میری ناقص رائے ہے باقی مقامی حالات کے لحاظ سے آپ حضرات اس سلسلہ میں جو رویہ مناسب سمجھیں وہ اختیار فرمائیں۔

دو تین ہفتے سے طبیعت زیادہ ناساز رہی اس لئے یہ عریضہ بہت تاخیر سے لکھ رہا ہوں۔

دعاؤں کا محتاج وطالب ہوں بشرط یاد وسہولت ہمارے مولانا قاری رشید الحسن صاحب، محترمی مولانا مفتی ولی حسن صاحب، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب دامت فیوضہم کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے حق کے مطابق اس عاجز کو دعا کا اہتمام نصیب فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

بقلم محمد ضیاء الرحمٰن القاسمی

(۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ)

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ)

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادر محترم ومعظم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے آپ سب حضرات ہمہ وجوہ بخیر وعافیت ہوں۔

میرے محترم بھائی! ہائی بلڈ پریشر کے عارضہ کی وجہ سے قریباً تین چار سال سے دفتر الفرقان میں آنے والے رسائل وجرائد میرے پاس نہیں آتے، میں نے خود منع کردیا ہے۔ ایسی جو چیز سامنے آجائے تو پڑھنے کا مرض ہے، اور زیادہ پڑھنے سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اس لئے اپنے کو اس خسارہ اور محرومی پر قانع کرلیا ہے۔

دفتر کے ذمہ دار کارکن سے معلوم ہوتا رہا کہ بینات اکثر آتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا دوسرے تمام رسائل وجرائد کی طرح میں طویل مدت سے اس کے مطالعہ سے بھی محروم رہا۔ مرحوم جنرل ضیاء الحق صاحب کے حادثہ کے بعد میں نے دفتر میں کہہ دیا تھا کہ اب جب بینات آئے تو میرے پاس بھیج دیا جائے۔

اسی ہفتہ اگست، ستمبر کے دو شمارے ایک ساتھ دفتر میں پہنچے، خیال تھا کہ غالباً ستمبر کے شمارہ میں مرحوم جنرل ضیاء الحق کے حادثہ کے بارے میں لکھا گیا ہوگا لیکن دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ غالباً ستمبر کا شمارہ بھی حادثہ سے پہلے مرتب اور تیار ہوگیا تھا اس لئے ان کے بارے میں تو اس میں کچھ نہیں لکھا جاسکا لیکن آپ نے مرزا طاہر کی "دعوت مباہلہ" کے جواب میں جو تحریر فرمایا اس کو از اول تا آخر پڑھا، اللہ تعالیٰ کی

مدد و توفیق سے آپ نے مسلمانوں کی اور خاص کر جماعت اہل حق کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللہ تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔

ماہ رواں اکتوبر کا الفرقان انشاء اللہ امروز وفردا میں حوالہ ڈاک ہو جائیگا، نومبر کے شمارہ کی تیاری شروع ہو گئی ہے کتابت کے لئے سب سے پہلے جناب ہی کا مضمون کاتب صاحب کے حوالے ہو گا۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر مولوی حبیب الرحمٰن قاسمی صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ نہ لکھیں، نوٹ کے ساتھ آپ کا جواب ہی دارالعلوم میں شائع کر دیا جائے۔

لندن کی تحفظ حرمین کانفرنس میں برادر محترم و معظم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کا مقالہ بھی الفرقان کے نومبر کے شمارہ میں شائع ہو گا۔

بینات کے ان دونوں تازہ شماروں کے مطالعہ سے اس کا شدید احساس ہوا کہ میں نے اپنے کو بڑے علمی اور دینی نفع سے محروم کر لیا ہے اب دفتر میں کہلوا دیا ہے کہ "بینات" جب آئے تو میرے پاس بھیج دیا جایا کرے۔

میرا حال یہ ہے کہ مختلف امراض و عوارض کے ساتھ ضعف کی رفتار تیز ہے آنے والے خطوط پڑھوا کر سن لیتا ہوں

اور جو کچھ لکھنا ہو وہ ایک عزیز سے لکھواتا ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس دنیا میں قیام کا کتنا وقت باقی ہے۔ اب سب سے بڑی حاجت بس یہ ہے کہ جو دن باقی ہیں' ایمان' اعمال مرضیہ کی توفیق' معاصی سے حفاظت' نعمتوں پر شکر' گناہوں سے استغفار کے اہتمام اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں' مقرر وقت آنے پر ایمان کے ساتھ اٹھالیا جائے اور ارحم الراحمین محض اپنے رحم وکرم سے مغفرت فرمادیں' آپ سے بھی اسی دعا کا طالب ہوں' اپنے کو بالکل خالی ہاتھ پاتا ہوں جو کچھ امید ہے ارحم الراحمین کی رحمت اور اس کے مخلص ومقبول بندوں کی دعاؤں سے ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مایوسی نہیں ہے۔

بشرط یاد وسہولت حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب' مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب ومولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب دامت فیوضھم کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست عزیزم سید محمد بنوری حفظھم اللہ تعالیٰ کو بھی سلام مسنون' ان سے بھی دعا کی درخواست۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

الفرقان کا مئی ' جون ' جولائی کا مشترک شمارہ جولائی میں شائع ہوا تھا تو اس عاجز نے ایک عریضہ جناب کی خدمت میں لکھا یا تھا ' جس میں اس خاص شمارہ کی ایک غلطی کی تصحیح کے بارے میں لکھا گیا تھا معلوم نہیں کہ وہ جناب تک پہنچ سکا یا نہیں ؟ اس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ الفرقان میں اور "بینات" میں خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ کے عنوان سے جو مجموعہ فتاویٰ شائع ہوا تھا اس کے جواب میں کسی شیعہ کی طرف سے احقاق الحق کے نام سے جو رسالہ شائع ہوا تھا جس میں خاص طور سے آپ کو مخاطب کیا گیا تھا میں نے عرض کیا تھا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کیا جائے آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا اس میں بہت سی غیر متعلق باتیں چھیڑ کر اصل مسئلہ سے نظر ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرے نزدیک اس سلسلہ میں ہمارا رویہ یہ رہنا مناسب ہے کہ بحث اصل موضوع اثنا عشریہ کے کفر وارتداد تک مرکوز رہے۔

مولانا قاری رشید الحسن صاحب اپنی صاحبزادی کے عقد نکاح کے سلسلہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں ' غالباً لکھنؤ کل ہی تشریف لائے ہیں لیکن ابھی تک اس عاجز سے ان کی ملاقات نہیں ہو سکی ہے۔ غالباً کسی وقت تشریف

لائیں گے تو یہ عریضہ انہیں کے ذریعہ جناب کی خدمت میں انشاءاللہ پہنچے گا ورنہ ڈاک ہی سے روانہ کیا جائے گا۔ خط کی طوالت اور دماغی ضعف کی وجہ سے مضامین کے انتشار کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اور قاری رشید الحسن سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تقریباً ایک ماہ یہاں قیام فرمائیں گے اس لئے یہ عریضہ ڈاک ہی سے روانہ کیا جارہا ہے۔ وصول یابی کی اطلاع کا منتظر رہوں گا۔ ۱۶، اکتوبر ۱۹۸۸ء

والسلام

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ)

باسمہٖ تعالیٰ

منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادر محترم محبّ جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۹ پرسوں موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے بڑا رنج اور قلق ہوا کہ الفرقان کئی مہینے سے نہیں پہنچ رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ گزشتہ پانچ

چھ مہینے کے پرچے آپ کو رجسٹرڈ روانہ کر دیئے جائیں۔

منجانب اللہ یہ انتظام ہوا۔ آج صبح کراچی ہی کے ایک صاحب ملنے آئے۔ انہوں نے بتلایا کہ وہ کل ہی دہلی جارہے ہیں اور دوچار روز مرکز نظام الدین دہلی قیام کر کے لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں گے' انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ وہ پہلے رائے ونڈ جائیں گے اور وہاں کے مشورہ کے مطابق دینی دعوت کے کام میں وقت لگا کر مہینہ ڈیڑھ مہینے کے بعد کراچی پہنچ سکیں گے۔ میں ستمبر سے فروری تک کے شماروں کا پیکٹ بنا کر انشاءاللہ ان کے حوالہ کر دوں گا انہوں نے ذمہ داری لی ہے کہ میں انشاءاللہ یہ بک پوسٹ پیکٹ لاہور ہی سے رجسٹرڈ آپ کی خدمت میں کراچی روانہ کر دوں گا۔

یہ عریضہ بھی انشاءاللہ انہیں کے سپرد ہوگا اور اگر خدا نے چاہا تو یہ دونوں چیزیں جلد ہی آپ تک پہنچ جائیں گی۔

الفرقان کے ان شماروں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ تقریباً تین چار مہینے یہ عاجز علیل رہا' اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے مولوی سجاد سلمہ مجھ سے بھی پہلے سے مریض اور صاحب فراش تھے' کچھ دنوں ان کی علالت زیادہ تشویشناک رہی۔ اب بفضلہ تعالیٰ حالت کافی بہتر ہے لیکن ان کی علالت کی نوعیت ایسی ہے کہ معالجین کی رائے میں طویل مدت تک ان

کو علاج جاری رکھنا ہو گا۔ یہ معلوم کر کے فکر و تشویش ہوئی کہ آپ کی صحت بھی اب متاثر ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے، بعافیت رکھے اور اپنے دین کی خدمت اسی طرح لیتا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرزا طاہر کے مباہلہ کے چیلنج کے جواب میں آپ کے قلم سے جو کچھ لکھوایا اس سے بہتر موثر جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ جنوبی افریقہ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا کہ انہوں نے آپ کا جواب انگریزی میں منتقل کر کے بڑی تعداد میں شائع کیا ہے۔ اس جواب کے بارے میں آپ کی جو آرزو اور دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور یہ جواب بارگاہ رسالت میں قبول ہو کر آپ کیلئے شفاعت کا خصوصی وسیلہ بن سکے۔

بفضلہ تعالیٰ "بینات" تقریباً ہر مہینے پہنچ جاتا ہے۔ الفرقان کا خصوصی شمارہ حصہ دوم بھی وقت پر مل گیا تھا' اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہتر سے بہتر جزا اپنی شان عالی کے مطابق عطا فرمائے۔ اور اس طرح تعاون علی البر والتقویٰ کی توفیق ہم سب کو نصیب فرمائے۔

آپ کا شائع کیا ہوا نمبر حصہ دوم الفرقان کے نمبر سے زیادہ حسین و جمیل رہا۔

اس کے جواب میں ”احقاق الحق“ جو کسی شیعہ نے لکھا ہے وہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے میرے پاس بھیجا تھا اور ساتھ ہی لکھا تھا کہ میں نے آپ کو بھی بھیجا ہے‘ یہ کئی مہینے پہلے کی بات ہے میں نے اسی وقت آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا کہ اس کا جواب لکھنے کا ہرگز ارادہ نہ فرمایا جائے۔ ہمارا موقف یہ ہے اور میرے نزدیک یہی ہونا چاہئے کہ ہم اہلسنت خواص و عوام کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ شیعہ مذہب یہ ہے اور اس کے پیروؤں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے‘ شیعوں پر اتمام حجت کا کام بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی ہو چکا ہے۔

بہر حال آپ نے یہ صحیح فیصلہ فرمایا کہ ”احقاق الحق“ جیسے شیعی رسائل کا بالکل نوٹس نہ لیا جائے۔ ہاں آپ نے شیعوں کی طرف سے ”ازالہ حیثیت عرفی“ کے دعوے کے نوٹس کا ذکر فرمایا ہے‘ اگر وہ یہ جرأت کریں تو پھر پوری قوت کے ساتھ عدالت میں مقابلہ کیا جائے مجھے امید نہیں ہے کہ وہ ایسا کریں گے۔

آپ کے یہاں کے انتخابات کے نتیجہ میں جو صورتحال بنی ہے وہ بہت فکر و تشویش کا باعث ہے اور آپ حضرات کے لیے بڑی آزمائش۔ میرے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے تنبیہ ہے ! ضرورت ہے کہ بہت غور وفکر کر کے عوام میں بالخصوص دیہاتی عوام میں دینی شعور' پیدا کرنے کی منصوبہ بند کوشش کی جائے' یہ کام خالص تعمیری انداز میں خاموشی کے ساتھ کیا جائے۔

دراصل اس بارے میں آپ ہی حضرات سمجھ سکتے ہیں۔ کام کیا اور کس طرح کرنا ہے ؟ یہاں لکھنؤ میں بیٹھ کر ہم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ ایک بات کا شدت سے دل میں تقاضہ پیدا ہوا تو یہ سطریں لکھا دیں۔ الا حاجة فی نفس یعقوب قضھا۔

کبر سنی کے ضعف کے علاوہ طویل علالت کے اثر سے دماغ میں جو ضعف پیدا ہو گیا ہے آپ اس کو اس عریضہ میں بھی محسوس فرمائیں گے۔ بشرط یادو سہولت محترمان بندہ مولانا ولی حسن صاحب' مولانا عبدالرشید نعمانی' مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب' مولانا محمد ادریس صاحب میر ٹھی' مولانا قاری رشید الحسن صاحب زید مجد ہم السامی کی خدمت میں سلام مسنون۔ ان سب حضرات سے نیز آپ سے بھی دعا کی درخواست ہے میں دعاؤں کا بہت ہی محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے حق کے مطابق مجھے دعا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور قبول فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بقلم محمد ضیاء الرحمٰن محمود القاسمی

(۷ فروری ۱۹۸۹ء)

مکرم و محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کے ہمراہ گرامی نامہ اور کتابوں کا تحفہ ملا' جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اب میرا حال معذوری' ضعف اور امراض و عوارض کی وجہ سے یہ ہوگیا ہے کہ شدید ضرورت کے ماتحت کوئی کتاب دیکھنی ہوتی ہے تو کسی سے پڑھوا کر سن لیتا ہوں۔ خود تازہ مطالعہ سے زیادہ تر محرومی ہی رہتی ہے۔ ورنہ آپ کی یہ کتابیں خود پڑھتا۔ ان کتابوں کو دیکھ کر آپ کے لئے توفیق اور قبولیت کی دعاؤں کا اہتمام الحمدللہ نصیب ہوا' اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہ توفیق عطا فرماتا رہے۔ انشاء اللہ میرے چھوٹے لڑکے مولوی سجاد سلمہ ان کتابوں سے استفادہ کریں گے۔ اس کے واسطہ سے خاص خاص مقامات سے میں بھی استفادہ کروں گا۔ خود آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ اب سب سے بڑی حاجت یہی ہے کہ جب تک زندگی ہے ایمان و اعمال مرضیہ کی توفیق اور عافیت کے ساتھ زندہ رہوں اور جب وقت موعود آجائے اللہ تعالیٰ سہولت اور ایمان کے ساتھ خاتمہ نصیب فرمادے

اور محض اپنے کرم سے مغفرت فرمادے۔

آپ سب رفقاء واحباب کو اس عاجز کی طرف سے سلام پہنچادیں اور استدعا بھی بشرط یاد و سہولت۔

والسلام

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

بقلم نعیم سجاد

باسمہ تعالیٰ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادر مکرم و محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

سلام ورحمت۔

خدا کرے آپ سب حضرات بعافیت ہوں۔

شعبان میں جب حاضری ہوئی تھی اس کے بعد ڈاک سے بینات کا صرف ایک رسالہ شوال شعبان یا رمضان کا ملا تھا اس کے بعد سے کوئی شمارہ نہیں ملا "البلاغ" تو اس سے بہت پہلے سے نہیں آرہا۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کو بھی کہا ہے، آپ کو لکھ رہا ہوں کہ اگر روانہ کرایا جاتا ہے تو آئندہ روانہ نہ کرایا جائے۔ معلوم نہیں الفرقان پہنچتا ہے یا نہیں یہاں سے برابر روانہ ہوتا ہے

عجیب معاملہ ہے لاہور کے رسائل وجرائد ترجمان اسلام' ایشیا' الاعتصام' برابر ملتے ہیں "الحق" اور "المنبر" اور کراچی ہی سے فاران قریباً پابندی سے آرہا ہے۔

ایک تازہ طبع چھوٹی سی کتاب "شیخ محمد بن عبدالوہاب" کا ایک نسخہ آپ کو روانہ کرارہا ہوں امید ہے کہ یہ خط اور کتاب دونوں پہنچ جائیں گے۔ لاہور کے ایک صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں خط اور کتاب دونوں ان کے ذریعہ "ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور" کو بھیج رہا ہوں وہاں سے انشأ اللہ بذریعہ ڈاک آپ کی خدمت میں روانہ ہو جائے گا۔

"قادیانی کیوں مسلمان نہیں" اور "مسئلہ حیات مسیح" کیا طبع کرالی؟ جب چھپ جائے تو اس کے ایک دو نسخے ضرور بھیج دیئے جائیں۔

محترمی مولانا احمد الرحمٰن صاحب' عزیزم مولوی محمد بنوری' مولانا محمد اسحاق سندیلوی مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا طاسین صاحب کو بشرط یادو سہولت سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔ آپ سے بھی۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا

محمد عمر پالن پوری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

بتاریخ ۲۱ر مئی ۱۹۹۷ء دن کے ڈھائی بجے تبلیغی جماعت کے روح رواں حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری اس دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا تبلیغی سفر کے سلسلے میں دہلی سے مدراس تشریف لے جا رہے تھے کہ ان کی طبیعت علیل ہو گئی۔ مدراس کے ہسپتال میں داخل کیا گیا، جہاں طبیعت بڑی حد تک بحال ہو گئی، لیکن پھر اچانک دل کا دورہ پڑا، اور یہ دورہ جان لیوا ثابت ہوا، اور حضرت مدراس کے ہسپتال میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ ان للہ ما اخذ، ولہ ما اعطی، وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ اللھم اغفرلہ، وارحمہ، وعافہ، واعف عنہ، واکرم نزلہ، ووسع مدخلہ، وابدلہ دارا خیرامن دارہ، واھلا خیرامن اھلہ، اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ۔

حضرت مولانا مرحوم گویا تبلیغی جماعت کی زبان تھے، ان کی تعلیم وتربیت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور دوسرے اکابر نے فرمائی۔ وہ مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین میں حدیث کے استاد تھے کہ ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ نے انہیں اپنے قریب بلوایا' اور فرمایا: تمہیں میری طرف سے اجازت وخلافت ہے' عرض کیا میں تو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب سے بیعت ہوں' فرمایا: بیعت ان سے رہو مگر میری طرف سے خلافت قبول کرو۔

مولانا فرماتے تھے: ایک بار آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی' اور قریب کیا فرمایا میری زبان چوسو' حکم کی تعمیل کی گئی' اس دن سے زبان وبیان میں تاثیر پیدا ہو گئی۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بعد چونکہ انہوں نے مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تھا' اس لئے ان کی طرف سے بھی خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ پہلی تقریر ۱۹۶۵ء میں میوات کے علاقے میں حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر کی۔ وقت کی بہت حفاظت فرماتے تھے۔ ہر شخص کا اکرام کرتے تھے۔ اس ناکارہ نے جس قدر تواضع' فنائیت' اور بے نفسی ان میں دیکھی' ایسی بہت کم لوگوں میں دیکھی۔ مجھ جیسے نالائق و مجہول آدمی سے بھی اکرام کا ایسا معاملہ فرماتے تھے کہ دوسروں کو تعجب ہوتا تھا اور اس ناکارہ کو حد سے زیادہ شرمندگی ہوتی تھی۔ ان کی بے نفسی کا ایک مظہر یہ تھا کہ بیان کے بعد اپنے چھوٹوں سے پوچھتے کہ بتاؤ کوئی غلطی تو نہیں ہوئی۔ ان کی آخری دفعہ زیارت رائیونڈ کے اجتماع میں ہوئی تھی۔ وہ اپنی قیام گاہ میں تھے کہ یہ ناکارہ وہاں حاضر ہوا۔ بہت ہی شفقت

کا معاملہ فرمایا' ڈاکٹر ان کا معائنہ کر رہا تھا۔ لیٹے ہوئے انہوں نے بلڈ پریشر کا بھی معائنہ کروایا' لیکن تقریر و بیان کا وقت آیا تو مسلسل تین گھنٹے تقریر کی' اور پھر دن میں ایک بار نہیں کئی بار' علما سے الگ خطاب' طلبہ سے الگ خطاب' اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں سے الگ خطاب۔ جماعتوں کو رخصت کرتے ہوئے جو ہدایات دی جاتی ہیں' اکثر و بیشتر یہ خدمت انہیں کے سپرد ہوتی تھی' اور اس میں دو ڈھائی گھنٹے صرف ہو جاتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہ ان کی تمام خدمات قبول فرمائے' اور اپنے نیک اور مخلص بندوں کے ساتھ ان کا حشر فرمائے اور یہ ناکارہ جو لبِ گور بیٹھا ہے اس کو اپنی رحمت کا مورد بنا کر اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعين۔

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الاول ۱۴۱۸ھ)

مولانا ڈاکٹر

محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اتوار یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۹۹۷ء پونے ایک بجے دن جامعہ علوم اسلامیہ کے رئیس وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ، امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے جانشین، حضرت بنوری قدس سرہ کے فرزند نسبتی اور محبوب وممتاز تلمیذ، حضرتؒ کی خصوصی توجہات کے مورد، آپ کے علوم وافادات کے وارث وامین، "کشف النقاب" سمیت بیسیوں کتابوں کے مصنف، عظیم محقق، مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم اسلامیہ کے صدر نشین، ملک وملت کے سرمایہ اور ملت اسلامیہ کے نامور سپوت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کو اپنے رفقا مولانا عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کے ہمراہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ کے چوراہے پر دن دہاڑے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کی شہادت سے مولانا کے اہل خاندان اور ان کے اعزہ اقرباہی نہیں پوری امت مسلمہ سوگوار ہے۔ ان کی شہادت سے جامعہ علوم اسلامیہ کے درودیوار ہی

نہیں وفاق المدارس بھی غم زدہ ہے، اسلام دشمن قوتوں نے مولاناؒ کو شہید نہیں کیابلکہ علم وعمل اور دین ودیانت اور فقہ وحدیث پروار کیا ہے۔

۲۸ فروری ۱۹۴۴ء کو آپ جناب حکیم محمد مختار حسن دھلوی کے ہاں متولد ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد والدین کے ہمراہ کراچی تشریف لائے' ابتدائی تعلیم دارالعلوم نانک واڑہ کراچی میں ہوئی' اس کے بعد ابتدائی فارسی، درجہ اولیٰ اور درجہ ثانیہ کے ابتدائی اسباق تک آپ نے دارالعلوم کورنگی میں تعلیم حاصل کی' درجہ ثانیہ سے دورہ حدیث تک جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تعلیم مکمل کی اور ۱۹۶۳ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے دورہ حدیث کا امتحان دیا اور پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی، درس نظامی کی تکمیل کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ میں تخصص فی علوم الحدیث کا دوسالہ کورس مکمل فرمایا اور ۱۹۶۵ء میں تخصص کے اس دوسالہ نصاب کے امتحان میں پہلی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔ ایک سال دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ میں بحیثیت معاون مفتی کام کیا' اور ۱۹۶۶ء میں حضرت اقدس محدث العصر مولانا محمد سید یوسف بنوری قدس سرہ کے ایما اور مشورہ سے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں داخلہ لیا اور چار سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۷۰ء میں وہاں سے ڈگری حاصل کی۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر محدث العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے اپنے اس ہونہار شاگرد اور لائق وفائق روحانی بیٹے کو نہ صرف اپنے ادارہ میں استاد مقرر فرمایا بلکہ اپنی دامادی کا شرف بھی بخشا۔ یہ دوہری نسبت اور تعلق رنگ لایا اور مولانا کی صلاحیتوں میں خوب خوب نکھار آگیا۔ اور دوسری

جانب حضرت بنوری قدس سرہ نے شعبہ تصنیف وتالیف میں آپ کو نہ صرف معاون بنایا بلکہ جامع ترمذی کی شہرہ آفاق شرح ''معارف السنن'' کی ترتیب میں آپ نے خصوصی کردار ادا کیا' اسی اثنا میں حضرت بنوریؒ نے امام ترمذی کے ''فی الباب'' کی تخریج کا ارادہ فرمایا مگر اس کام کی طوالت اور وسعت کے پیش نظر آپ نے یہ اہم ذمہ داری اپنے اس محبوب اور معتمد علیہ شاگرد پر ڈالتے ہوئے انہیں اس پر مامور فرمادیا' راقم الحروف نے ان کی اس اہم تصنیفی خدمت کے ابتدائی حصہ کا تعارف کراتے ہوئے بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ میں جو کچھ لکھا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہاں درج کر دیا جائے :

''جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نائب رئیس ہمارے رفیق محترم وحبیب معظم جناب مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار زید مجدہم حضرت شیخ بنوری نوراللہ مرقدہ کے عزیز داماد محبوب وممتاز تلمیذ' حضرت کی خصوصی عنایات وتوجہات کے مورد اور حضرتؒ کے علوم وافادات کے وارث وامین ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے ''معارف السنن'' کی تالیف کے دوران امام ترمذیؒ کے ''فی الباب'' کی تخریج کا ارادہ فرمایا تھا اور عیدین، زکوٰۃ اور صوم کے چند ابواب کی مختصر تخریج بھی فرمائی تھی۔ لیکن اس کام کی وسعت وطوالت جس قدر فرصت وفراغت اور قوت ونشاط کی متقاضی تھی حضرت کے مشاغل کثیرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس لئے حضرت کے محبوب تلمیذ مولانا محمد حبیب اللہ مختار جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تو حضرت نے ان کو اس کام پر لگادیا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ سے موصوف نے ترمذی شریف کے "فی الباب" کی تخریج کا آغاز کیا اور الحمد للہ دیگر مشاغل کے ہجوم کے باوجود وہ اس عظیم الشان کام میں پوری قوت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں۔ اور "کشف النقاب عمایقوله الترمذی وفی الباب" نام سے تخریج احادیث کا ایسا عدیم النظیر ذخیرہ جمع کر رہے ہیں کہ "مالاعینٌ رأت ولااذن سمعت" یہ کتاب انشاأللہ اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف ہوگی۔ کام بہت ہی طویل اور صبر آزما ہے۔ حق تعالیٰ شانہ جناب مؤلف کو باحسن وجوہ اس کے اتمام و تکمیل کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔ بحمد اللہ ساتھ کے ساتھ اس کی طباعت کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ "کشف النقاب" پر تو کام ہو ہی رہا تھا کہ حضرتؒ کے حکم ومشورہ سے موصوف نے جامعہ کراچی سے پی. ایچ ڈی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ترمذی کتاب الطہارۃ کی تخریج ان کے مقالہ کا موضوع قرار پایا اور جامعہ کراچی کی طرف سے حضرت بنوریؒ ہی موصوف کے مُشرف ونگراں مقرر کئے گئے۔ ابھی مقالہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ حضرتؒ کو بلاوا

آگیا اور وہ رحمت الٰہی کی طرف منتقل ہو گئے، ان کی رحلت کے بعد جناب ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب زید مجدہم' صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی مُشرف مقرر ہوئے اور موصوف کی رہنمائی میں مقالہ کی تکمیل ہوئی۔ یہی مقالہ " الامام الترمذی وتخریج کتاب الطھارۃ من جامعہ " کے نام سے ایک مبسوط کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مؤلف زید مجدہم نے یہ مقالہ ایک مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں امام ترمذیؒ کے "فی الباب" کی خصوصی اہمیت، اس کی تخریج کی ضرورت وافادیت' جن بزرگوں نے اس موضوع پر کام کیا ان کے اسمائے گرامی اور ان کے کام کی نوعیت کو ذکر کرنے کے بعد مؤلف نے اپنی اس تخریج میں جن امور عشرہ کا التزام فرمایا ہے ان کی تفصیل درج کی ہے' نیز اس تخریج میں مؤلف نے جن ۴۸ کتب حدیث سے بلاواسطہ اور (۱۷۶) کتابوں سے بالواسطہ استفادہ کیا ہے، ان کا حوالہ دینے کے لئے ہر کتاب کی الگ رمزیہ علامت مقرر کی ہے اور پھر ان کتابوں کی دو فہرستیں دی ہیں۔ پہلی فہرست میں کتاب اور مؤلف کا نام، مؤلف کا سن وفات اور اس کتاب کے لئے وضع کردہ علامت درج کی ہے۔ دوسری فہرست میں ان (۲۲۴) علامتوں

کو حروف تہجی کی ترتیب سے درج کر کے ان کتابوں کا نام مع اسم مؤلفین درج کیا گیا ہے۔

باب اوّل میں امام ترمذیؒ کی شخصیت اور ان کے علمی مرتبہ ومقام سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں مؤلف کی بحث وتحقیق کے اہم عنوان یہ ہیں۔

امام ترمذی کا اسم ونسب اور کنیت، ان کا مولد ومنشا (لفظ ترمذ کی تحقیق) ان کے علمی اسفار، ان کے ۲۲۱ شیوخ حدیث کی فہرست، امام ترمذی کے اجلّہ تلامذہ، امام ترمذیؒ نے جن مشائخ سے علل حدیث میں استفادہ فرمایا ان کا ذکر اور امام بخاری سے استفادہ کی چند مثالیں، ائمہ حدیث کی طرف سے امام ترمذیؒ کے علو مرتبہ کا اعتراف، حافظ ابن حزم کا امام ترمذی کو مجہول کہنا اور اس کی تردید، امام ترمذی کا فقہی مسلک اور یہ کہ وہ مجتہد ہیں یا مقلد؟ امام ترمذیؒ کے دور میں علم حدیث کا ارتقا، امام ترمذی کی تالیفات، ان کی وفات اور چند علمائے ترمذ کا ذکر۔

دوسرا باب جامع ترمذی پر ہے اور اس میں بحث کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

کتاب کا نام: اس سلسلہ میں اہل علم کے چھ اقوال ذکر

کر کے ان پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔

مشمولات کتاب و تعداد ابواب: اس کے ذیل میں ترمذی کے عنوانات عامہ کا جدول اور ہر بڑے عنوان کے ذیل میں ابواب کی تعداد ذکر کی گئی ہے، مثلاً: "الطہارۃ" کے ذیل میں ۱۱۱ باب ہیں اور "الصلاۃ" کے ذیل میں ۲۱۲، اس جدول میں جلد اول کے ۲۴ اور جلد دوم کے ۲۳ عنوانات عامہ درج ہیں جن کے ذیل میں ۱۸۸۰ ابواب ہیں۔

جامع ترمذی کی امتیازی خصوصیات، اور امام ترمذیؒ نے کتاب میں جن علوم کا ادماج کیا ہے ان کی تفصیل۔ فنی لحاظ سے جامع ترمذی کا مرتبہ ومقام اور سلسلہ میں اہل علم کی آراءَ اور مؤلف کی ذاتی تحقیق۔

جامع ترمذی کی روایت اور اس کے راویوں کی تفصیل (اس ضمن میں مؤلف نے امام ترمذی تک اپنی اسانید بھی ذکر کی ہیں)

ترمذی میں ثلاثیات، رباعیات اور عشاریات کی تفصیل۔ روایات کی توثیق میں امام ترمذیؒ کے طرز عمل پر اہل علم کی تنقید اور امام ترمذیؒ کی طرف سے اس کا دفاع۔

امام ترمذی کی منفرد اصطلاحات کی تشریح اور حسن و صحیح

اور حسن وغریب کو جمع کرنے کی توجیہات' جامع ترمذی کی شروح وتعلیقات (اس کے ذیل میں تیس شروح وتعلیقات اور امالی کا تذکرہ ہے)

ترمذی کے مختصرات، مستخرج اور تجرید اس کے نادر اور تاریخی مخطوطات کی تفصیل۔

اس اجمالی تعارف سے اندازہ ہوگا کہ جناب مؤلف نے امام ترمذیؒ اور ان کی کتاب کے بارے میں نہ صرف بہترین علمی جواہر کے جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے بلکہ ان کو بحث وتحقیق کی چھلنی میں چھان کر ان کا مغز وخلاصہ بھی پیش کر دیا ہے۔

تیسرے باب میں جامع ترمذی کی کتاب الطہارۃ کے ابواب کی تخریج ہے اور یہی دراصل مقالے کا اصل موضوع ہے۔ مؤلف نے امام ترمذیؒ کے ہر باب کے ذیل میں تین فصلیں قائم کی ہیں۔

پہلی فصل میں ان احادیث کی تخریج کی ہے جن کو امام ترمذیؒ نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یا جن کی طرف "فی الباب" کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔ صاحب تخریج نے ہر حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ (ترمذی کے علاوہ) فلاں فلاں کتابوں میں ہے۔ دوسری فصل میں ان مرفوع احادیث کی تخریج

ہے، جو اس موضوع پر کتب حدیث میں موجود ہیں، مگر ان کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ نہیں کیا۔

تیسری فصل میں آثار صحابہؓ و تابعینؒ کی تخریج ہے۔

پہلی اور دوسری فصل میں مؤلف نے ہر صحابی کی حدیث کے بقدر ضرورت الفاظ نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے لیکن تیسری فصل میں بغرض اختصار صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آثار کے الفاظ نقل نہیں کئے گئے۔

خاتمہ میں مؤلف نے ایک جدول دیا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ترمذی کی کتاب الطہارۃ میں سے ہر باب میں امام ترمذی نے کتنی احادیث کی تخریج کی ہے۔ "فی الباب" سے ان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مؤلف نے امام ترمذیؒ پر کتنی احادیث کا اضافہ کیا؟ اور ہر باب میں مرفوع، مرسل اور آثار کی تعداد کتنی کتنی ہے؟ (بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۷)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے پی۔ ایچ ڈی کے مقالہ سے فراغت کے بعد اپنی نیابت اہتمام اور تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی طرف سے شرح حدیث کی تفویض کردہ خدمت سے غافل نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اس میں تیقظ بیداری اور تحقیق و تدقیق سے جت گئے۔ چنانچہ انہوں نے ترمذی کے "فی الباب" کو نہایت ہی آب و تاب سے مرتب کرنے کا طے فرمایا اور "کشف النقاب" کے نام

سے اب تک اس کی چھ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، اب سے چند سال پہلے را[قم] الحروف نے ان کی اس کتاب کی تین مطبوعہ جلدوں کا تعارف کراتے ہو[ئے] بینات میں لکھا تھا:

"جامع ترمذی اپنی گوناگوں خصوصیات اور فقہی وحدیثی اور علمی فوائد کی بنا پر صحاح ستہ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ امام ترمذی نے اختصار اور تکثیر فوائد کے پیشِ نظر یہ التزام کیا ہے کہ وہ ہر باب میں صرف ایک صحابیؓ کی حدیث لاتے ہیں (اور کسی خاص نکتہ کی بنا پر بعض جگہ دو یا زیادہ صحابہؓ کی حدیث بھی لاتے ہیں) اور بقیہ احادیث کی طرف "وفی الباب عن فلاں وفلاں" سے اشارہ کر جاتے ہیں جس سے قاری کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اتنے صحابہؓ کی احادیث موجود ہیں۔

امام ترمذی کے "فی الباب" کی اہمیت کے پیش نظر اکابر محدثین نے اس کی تخریج کی طرف توجہ فرمائی (تخریج کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے 'فی الباب' کے تحت جن صحابہؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے' یہ بتایا جائے کہ یہ احادیث کن کن کتابوں میں کہاں کہاں ملیں گی) چنانچہ تخریج کرنے والوں میں ابن سید الناسؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نام ذکر کئے گئے ہیں لیکن افسوس ہے

کہ یہ تخریجات اب تک گوشۂ گمنامی میں ہیں۔ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے "معارف السنن" کی تالیف کے دوران امام ترمذی کے "فی الباب" کی تخریج کا ارادہ فرمایا تھا۔ اور عیدین، زکوٰۃ اور صوم کے کچھ ابواب کی مختصر تخریج بھی فرمائی۔ لیکن اس کام کی وسعت وطوالت کے لئے جس قدر فرصت وفراغت اور قوت ونشاط کی ضرورت تھی حضرت رحمہ اللہ کے مشاغل کثیر میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لئے حضرت کے مُحب ومحبوب تلمیذِ رشید جناب مولانا محمد حبیب اللہ مختار جب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تو حضرتؒ نے ان کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ موصوف نے جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ سے ترمذی شریف کے 'فی الباب' کی تخریج کا آغاز کیا، حق تعالیٰ شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی دیگر علمی وانتظامی مصروفیات کے باوجود موصوف اس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں۔ اور نصف کتاب پر تقریباً پندرہ جلدوں کا مسوّدہ مرتب کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی تین جلدیں (جو ایک ہزار آٹھ سو بتیس صفحات پر محیط ہیں) ہمارے سامنے ہیں۔ چوتھی جلد زیرِ طبع ہے۔

مؤلف محترم نے اس تخریج میں جن امور کا التزام کیا ہے، ان کا خلاصہ

درج ذیل ہے:

۱.....ہر حدیث کی تخریج میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ یہ حدیث فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور فلاں باب میں ہے اور جن کتابوں میں احادیث کے نمبر دیئے گئے ہیں وہاں حدیث کا نمبر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۲.....ہر حدیث کے الفاظ نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اور اگر حدیث طویل ہو تو اختصار کے مدّ نظر اس کا بقدر ضرورت حصّہ نقل کیا گیا ہے۔

۳.....ایک صحابیؓ سے اگر متعدد روایتیں ہیں تو سب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۴.....اگر روایت صحاح ستّہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہو اور اس میں کوئی راوی ضعیف ہو تو ائمۂ فن سے اس کی تصریح بھی نقل کردی گئی ہے، لیکن اس میں زیادہ کُرید اور تفتیش کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

۵.....ایک اہم التزام یہ کیا گیا ہے کہ جہاں تک حدِّ امکان میں ہو اصل مأخذ سے تخریج کی جائے، صرف کتب تخریجات کے حوالہ پر اکتفانہ کیا جائے، البتہ جہاں بالواسطہ حوالہ دینا ناگزیر ہو وہاں واسطہ کا ذکر مع قید صفحات کیا گیا ہے۔

۶.....مؤلف کا طریقۂ تخریج یہ رہا ہے کہ انہوں نے ترمذی کے

ہرباب کے تحت تین فصلیں قائم کی ہیں۔ پہلی فصل میں وہ ان صحابہؓ کی احادیث کی تخریج کرتے ہیں جن کی طرف امام ترمذیؒ نے "فی الباب" میں اشارہ کیا ہے 'فی الباب' کی احادیث کے بعد فصل اول ہی میں احادیث الباب کی تخریج کرتے ہیں۔

دوسری فصل میں ان صحابہؓ کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن کو امام ترمذیؒ نے 'فی الباب' کے ذیل میں ذکر نہیں کیا لیکن کتب حدیث میں ان کی احادیث اس باب میں موجود ہیں۔ یہ فصل گویا امام ترمذیؒ پر استدراک ہے۔
تیسری فصل میں صحابہؓ وتابعین کے آثار موقوفہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ گویا کسی مسئلہ پر جتنی احادیث مرفوع اور آثار موقوفہ موجود ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ حتی الوسع ان سب کا احاطہ کرلیا جائے۔ اور وہ سب بیک نظر سامنے آجائیں اور یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ ایک ہی صحابیؓ کی حدیث اگر مختلف طرق سے مروی ہے۔ تو ان تمام طرق کی تخریج کی جائے۔

۷.... فاضل مؤلف نے ایسی اڑتالیس کتابوں کی فہرست دی ہے۔ جن کی طرف ایک ایک حدیث کی تخریج کے لئے بالالتزام مراجعت کی گئی۔ ان کے حوالے نقل کرنے میں ان کے مؤلفینؒ کے سنین وفات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے مسند امام اعظمؒ پھر مؤطا امام مالکؒ، پھر مؤطا امام محمدؒ پھر کتاب الامؒ للشافعیؒ، پھر مسند شافعیؒ، پھر مسند طیالسیؒ پھر مصنف عبدالرزاقؒ، پھر مسند حُمیدیؒ پھر مصنف ابن ابی شیبہؒ، پھر مسند امام احمدؒ، پھر مسند دارمیؒ، پھر صحیح بخاریؒ، پھر صحیح مسلم، پھر سنن ابن ماجہ...... ثم وثم......

اس کے علاوہ ۷۶ ان کتابوں کی فہرست ہے، جن کی طرف احیاناً مراجعت کی گئی، ان میں سے بعض کتابیں جو غیر مطبوعہ بلکہ ناپید ہیں، یا جن کی طرف مراجعت نہیں ہو سکی ان کا حوالہ بالواسطہ دیا گیا اور جس کتاب سے ان کا حوالہ نقل کیا گیا اس کے صفحات کی نشاندھی کر دی گئی ہے۔

"کشف النقاب" کی تین جلدیں جو ہمارے سامنے ہیں ان میں سے صرف ایک ایک باب کی تخریج کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو جناب مؤلف کی محنت و جانفشانی اور کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں کچھ مدد مل سکے۔

جلد اول: (از ص ۳۲۵ تا ص ۳۷۰)

امام ترمذیؒ نے "باب ماجاء فی السواك" میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، حدیث ابی ہریرہؓ اور حدیث زید بن خالد الجہنی، اور فی الباب میں درج ذیل سترہ صحابہؓ کی

احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ حضرات ابوبکر صدیق، علی، عائشہ، ابن عباس، حذیفہ، زید بن خالد، انس، عبداللہ بن عمرو، ام حبیبہ، ابن عمر، ابو امامہ، ابو ایوب، ثمام بن عیاش، عبداللہ بن حنظلہ، اُم سلمہ، واثلہ، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم۔

مؤلف نے سترہ حضرات کی احادیث کی تخریج کے بعد مزید اڑتیس صحابہ سے (۱۳۴) مرفوع، ۱۴ مرسل احادیث اور صحابہؓ وتابعینؒ کے ۱۴۱ آثار نقل کیے ہیں۔ اور صرف اس ایک باب کی تخریج پچاس صفحات پر محیط ہے۔

جلد دوم: (از ص ۳۴۹ تا ۳۹۷)

امام ترمذیؒ "باب المسح علی الخفین" میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں' جناب مؤلف نے بارہ طرق سے اس کی تخریج کی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں درج ذیل اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث کا حوالہ دیا ہے: حضرات عمر، علی، حذیفہ، مغیرہ، بلال، سعد،، ابو ایوب، سلمان، بُریدہ، عمر بن امیہ، انس، سہل بن سعد، یعلی بن مرہ، عبادہ بن صامت، اُسامہ بن شریک، ابو امامہ، جابر اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم۔ فاضل مؤلف نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی ۱۴

طرق سے تخریج کی ہے، حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ۲۴/ طرق سے، حدیث بلالؓ کی ٦/ طرق سے، حدیث سعدؓ کی چار طرق سے اور حدیث ابو ایوب کی آٹھ طرق سے۔ اس طرح ایک ایک کر کے ان اٹھارہ حضرات کی احادیث کی تخریج ان تمام مآخذ سے کی ہے جو مؤلف کی دسترس میں تھے۔

اسی باب کی دوسری فصل میں فاضل مؤلف نے امام ترمذیؒ پر استدراک کرتے ہوئے مزید پینتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ۵۱ مرفوع احادیث نقل کی ہیں۔ اور تیسری فصل میں صحابہؓ و تابعینؒ کے ۹۲ آثار درج کیے ہیں اور چونکہ بعد کے تین باب بھی "مسح علی الخفین" سے متعلق ہیں۔ اس لئے متعدد احادیث وآثار ان ابواب میں ذکر کیے گئے ہیں۔

جلد سوم: (ص ۲۱۸ تا ص ۲۴۱)

"باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ" میں امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے حدیث جبریل روایت کی ہے۔ اور 'فی الباب میں درج ذیل نو صحابہؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت

ابوہریرہ، بریدہ، ابوموسیٰ ابومسعود، ابوسعید، جابر، عمرو بن حزم، براءبن عازب، اور انس رضی اللہ عنہم۔

مؤلف نے فصل اول میں ان گیارہ صحابہؓ کی احادیث کی مفصّل تخریج کے بعد فصل ثانی میں امام ترمذیؒ پر استدراک کیا ہے۔اور سترہ مرفوع اور تیرہ مرسل احادیث کا اضافہ کیا ہے۔اور فصل ثالث میں صحابہؓ وتابعینؒ کے ۲۷ آثار نقل کیے ہیں۔

تخریج کے اس اجمالی ذکر سے قارئین کو اس عظیم الشان کام کی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا۔بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسا علمی شاہکار ہے۔جس کی کوئی نظیر ہمارے سامنے نہیں ،اور جس کے لئے جہابذہ محدثین کا حافظہ وذکاوت درکار ہے،اور اس کام کی وسعت وہمہ گیری کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ترمذیؒ شریف کے صرف ۲۸ صفحوں کی تخریج ہوسکی ہے۔چوتھی جلد کا آغاز"باب مایقول اذاذن المؤذن" سے ہوگا۔حق تعالیٰ شانہ' اپنے لطف وکرم سے جناب مؤلف کے علم وفضل اور صحت میں خاص برکت فرمائیں۔اور انہیں اس عظیم مہم کو سر کرنے کی توفیق خاص ارزانی فرمائیں اور یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسی شان سے مکمل ہوجائے۔"

(ماہنامہ بینات ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف درس و تدریس کے علاوہ گوناگوں کمالات و اوصاف سے نوازا تھا' آپؒ حضرت بنوری قدس سرہ کی زندگی میں شعبہ تدریس تصنیف و تالیف سے منسلک رہے۔ حضرت بنوری قدس سرہ کی وفات کے بعد جب مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کو حضرت بنوری کے انتخاب کے تحت مدرسہ کا مدیر اور مہتمم منتخب کیا گیا' تو مدرسہ کی شوریٰ نے آپ کو جامعہ کا نائب مہتمم نامزد فرمایا' موصوف اپنی نیابت اہتمام کے دور میں بھی نہایت یکسوئی سے اپنے انفرادی معمولات' تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ بلکہ شعبہ تصنیف و تالیف کے صدر نشین رہے۔ اسی اثنا میں آپ نے ''کشف النقاب'' کے ساتھ ساتھ دوسری بیسیوں چھوٹی بڑی کتابیں ترتیب دیں۔ آپ کی تصانیف میں زیادہ تر جدید عربی مصنفین کی ان مفید کتب و رسائل کے اردو تراجم ہیں جو باوجود مفید اور نافع ہونے کے اردو دان طبقہ کے لئے قابل انتفاع نہ تھیں۔ چنانچہ آپ کی ان کتابوں میں سب سے زیادہ مقبولیت ''تربیت اولاد'' کو حاصل ہوئی۔ اس کی اسی مقبولیت کے پیش نظر اس کا اختصار کر کے ''مختصر تربیت اولاد'' کے نام سے ایک نئی کتاب شائع کی گئی۔ اسی طرح اس کا بے حد مفید اور سہل انداز میں انگلش ترجمہ بھی کرایا گیا' جو تاحال ماہنامہ بینات میں انگریزی حصہ کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔

حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور شوریٰ کی جانب سے آپ کو جامعہ کا مدیر اور مہتمم نامزد کیا گیا' تو دوسری جانب پاکستان بھر کے دینی مدارس کی تنظیم ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان''

کا آپ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

آپ کے دور اہتمام میں جہاں جامعہ علوم اسلامیہ نے مزید ترقی کی منزلیں طے کیں، وہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ملک بھر کے دینی مدارس کو بھرپور انداز میں مرتب فرمایا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید نہایت اونچے درجہ کے منتظم 'مدبر' اصول پسند اور بھرپور قوت ارادی کے مالک تھے۔ بلاشبہ اس دور میں آپ کی سی قوت ارادی اور خود اعتمادی کی مثال نہیں ملتی۔ آپؒ جس کام کے کرنے کا عزم فرمالیتے اسے کر کے ہی رہتے، چاہے کتنی ہی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا' ان کا عزم فولاد سے زیادہ مضبوط اور پہاڑ سے زیادہ بلند تھا، قوت استدلال اور طرز تکلم میں وہ اپنے اکابر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ آپ جہاں اعلیٰ درجہ کے مدرس و مصنف تھے وہاں لائق و فائق محتسب اور باسلیقہ دار و گیر کے مالک تھے۔ مگر بایں ھمہ وہ اپنے متعلقین و منتسبین سے نہایت محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے۔ کوئی چھوٹا بڑا ان کی اصول پسندی سے بچ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ کی تمام شاخیں، اس کے تمام شعبہ جات، اور مدرسہ کے تمام اساتذہ' عملہ و طلبہ ،ان کی عقابی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ کسی بھی بد انتظامی پر فوری اقدام فرماتے تھے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید اپنے مشفق و مربی استاذ اور روحانی باپ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے ایماء پر حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور [illegible] فرمودہ

معمولات پر زندگی بھر کاربند رہے۔ اور بالآخر آپ کو حضرت رائے پوریؒ نے خلعت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا، اور آپ باقاعدہ ان کے خلیفہ مجاز قرار پائے۔

مولانا موصوف اپنے معمولات یومیہ پر کس قدر کاربند تھے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس دن مولانا مرحوم کا نکاح ہوا اور آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کیا گیا اس دن بھی آپ نے اپنے معمولات کا ناغہ کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ چنانچہ ان کے اکابر اور معاصر حضرات کی روایت ہے کہ عصر کے بعد نکاح اور مغرب کے بعد جامعہ ہی میں مہمانوں کا اجتماع تھا، مگر موصوف ان مہمانوں میں بیٹھنے اور ان سے مشغول ہونے کے بجائے اوابین سے فارغ ہوتے ہی سیدھے دار التصنیف میں تشریف لے گئے اور اپنے معمولات کی بجاآوری میں مشغول ہو گئے۔ دوسری طرف جب دولھا میاں مجلس تعریس میں نہ پائے گئے تو تشویش ہوئی۔ تلاش کیا گیا تو آپ ذکر دوازدہ تسبیح میں مشغول پائے گئے۔ ان سے عرض کیا گیا آج تو اس کو مؤخر کر لیا جاتا؟ اس پر فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: احب الاعمال إلى الله ادومها وان قل" (اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر دوام واستمرار ہو، چاہے وہ تھوڑا سا عمل بھی کیوں نہ ہو) لہٰذا اس حدیث کے پیش نظر میں اپنی تقریب نکاح کی وجہ سے اپنے زندگی بھر کے معمول کو نہیں چھوڑ سکتا۔

الغرض مولانا موصوف بہت ہی خوبیوں کے مالک تھے۔ مگر اعدائے اسلام

گلشن بنوری کا یہ مہکتا پھول ... اپنے دور رفقا سمیت بے

دردی سے شہید کردیا گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ تفصیلات کے مطابق مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ۔ مولانا عبدالقیوم چترالی، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور مولانا بشیر احمد نقشبندی کے ہمراہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی گاڑی میں ڈرائیور محمد طاہر کے ساتھ جامعہ علوم اسلامیہ کی شاخ معارف العلوم چاندنی چوک پاپوش نگر میں ایک میٹنگ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ مدرسہ کے سلسلہ میں اہل محلّہ کے کچھ اعتراضات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ صاحب کا مصالحت کے لئے جانا ضروری ہو گیا۔ وہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بات چیت کے بعد واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ صاحب کو دیگر اساتذہ کرام کے ساتھ مسجد اقصیٰ جمشید روڈ میں ختم قرآن کی ایک تقریب میں شرکت کر کے دعا کرانی تھی۔ گاڑی جب پٹیل پاڑہ سے گزر کر گرومندر چوک پر آہستہ ہوئی تو اچانک ایک موٹر سائیکل سوار گاڑی کے آگے آکر رکا اور اس نے اتر کر ڈرائیور پر فائرنگ شروع کردی جس کی وجہ سے ڈرائیور گاڑی کو بچا کر نہ لے جاسکا۔ اتنے میں اچانک دونوں اطراف سے فائرنگ شروع ہوگئی، جس سے مولانا محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ صاحب موقع پر شہید ہوگئے۔ اور مولانا بشیر احمد نقشبندی زخمی ہوگئے جب کہ مولانا عبدالقیوم صاحب نیچے دبک گئے، قاتلوں نے فوری طور پر آتش گیر مادہ پھینک کر گاڑی کو جلادیا۔ مولانا بشیر احمد نقشبندی چونکہ اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے، انہوں نے گاڑی کا دروزاہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی، مولانا عبدالقیوم چترالی نے دومنٹ بعد جب سر اٹھا کر دیکھا تو گاڑی دھوئیں سے بھری ہوئی تھی اور کچھ

نظر نہیں آرہا تھا' اور گاڑی میں تپش بڑھ رہی تھی' اگلا حصہ محفوظ دیکھتے ہوئے مولانا عبدالقیوم صاحب چترالی نے وہاں سے چھلانگ لگائی اور باہر نکلے تو دیکھا کہ پوری گاڑی آگ کی لپیٹ میں ہے' اور اس سے اٹھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کررہے ہیں' اور گاڑی کے اندر کا کچھ پتہ نہیں چل رہا' لوگ جمع ہوئے' بڑی مشکل سے دروازہ کھولا اور جلتی آگ میں گھس کر کچھ باہمت نوجوانوں نے اندر جاکر ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیع کو نکالا تو وہ نہ صرف شہید ہوچکے تھے بلکہ ان کے نعشیں مکمل طور پر جل کر نا قابل شناخت ہوچکی تھیں۔ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہر کی نعشوں کو اسپتال لے جایا گیا' جہاں ڈاکٹروں نے بتایا کہ ڈرائیور محمد طاہر تو صرف گولیاں لگنے سے شہید ہوئے' جب کہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا عبدالسمیعؒ صاحب گولیوں اور جلنے کی وجہ سے شہید ہوگئے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب کے مطابق جیسے ہی گولیاں چلیں' ہم نے ان سے بچنے کے لئے اپنے سروں کو نیچے کیا' اور میں ایک طرف کو جھک گیا' میرے اوپر مولانا محمد حبیب اللہ مختارؒ جھکے' اتنے میں' میں نے آواز سنی "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور دوسری مرتبہ صرف "انا للہ" سنائی دیا اور آواز بند ہوگئی۔ عینی شاہدین کے مطابق حملہ آور دو اسکوٹروں پر سوار تھے' نیز ایک گاڑی بھی دیکھی گئی۔ گاڑی پر پھینکا جانے والا آتش گیر مادہ اتنا زبردست تھا کہ تین چار منٹ کے اندر اندر گاڑی مکمل طور پر جل کر خاکستر ہوگئی' نیز گاڑی کی چھت پر بھی فائرنگ کے نشانات ملے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی طلباً جائے واردات پر پہنچ گئے دو گھنٹہ کی امید وبیم کی کیفیت کے بعد ڈھائی بجے کے قریب اعلان کردیا گیا کہ

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ شہید ہو گئے ہیں۔ اعلان ہوتے ہی جامعہ علوم اسلامیہ کے درودیوار سسکیوں اور آہوں سے گونجنے لگے۔ مولانا سید محمد بنوری اور مفتی نظام الدین شامزئی نے جب طلباً کے سامنے مسجد میں ان علماً کی شہادت کا اعلان کیا تو طلباً اپنی چیخوں پر قابو نہ رکھ سکے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری کراچی میں پھیل گئی' کراچی کا اکثر علاقہ سوگ میں بند ہو گیا اور لوگ جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گئے' عصر تک مسجد اور اس کے اطراف کی سڑکوں پر تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ کراچی میں جگہ جگہ فسادات کے خطرات شروع ہو گئے۔ مولانا مفتی نظام الدین شامزئی' مولانا امداد اللہ' مولانا عطاء الرحمٰن' اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ کرام طلبا کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ اطراف پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھے تاکہ شرپسند عناصر صورتحال کا ناجائز فائدہ نہ اٹھالیں۔ مولانا سید محمد بنوری صاحب نے ڈی سی ایسٹ محمد حسین صاحب' کمشنر کراچی' ایس ایس پی اور رینجرز کے کمانڈروں سے رابطہ قائم کر کے ان سے اپیل کی کہ وہ حالات کو اس المناک شہادت کے تناظر میں دیکھیں اور طلبا کو مشتعل نہ کریں۔ نشریاتی اداروں میں سے بی بی سی نے سب سے پہلے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مفتی عبدالسمیعؒ کی شہادت کی خبر نشر کر کے پوری دنیا کو اس المناک واقعہ سے آگاہ کیا۔ چند گھنٹوں میں یہ خبر پاکستان بھر میں بھی پھیل گئی۔ شام پانچ بجے اسپتال سے میتیں لائی گئیں اور دارالحدیث میں زیارت کے لئے رکھ دی گئیں۔ پورے پاکستان سے اطلاعات آنی شروع ہو گئیں کہ علماکرام آنا چاہتے ہیں' لہٰذا جنازہ کا وقت دوسرے دن مقرر کیا جائے' لیکن مدرسہ

کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ تدفین رات کو ہی مناسب ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کوئٹہ میں تھے' انہوں نے اطلاع دی کہ وہ خصوصی طیارے کے ذریعہ کراچی پہنچ رہے ہیں' ان کا انتظار کیا جائے' چنانچہ وہ حافظ حسین احمد اور مولانا عبدالغفور حیدری کے ہمراہ رات نو بجے پہنچے۔ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سمیت علمأ وصلحأ وتجار اور تمام شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لاتعداد افراد اور حضرت اقدس بنوری نوراللہ مرقدہ کے متعلقین' جامعہ کے اساتذہ وتلامذہ سوگوار حالت میں صف بندی کئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں صبر و تحمل کی طلب میں ایستادہ تھے کہ نوبج کر ۵۰ منٹ پر اعلان ہوا کہ نماز جنازہ کی نیت کرلیں' مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ' مفتی عبدالسمیعؒ اور محمد طاہرؒ کی نماز جنازہ ادا کی جارہی ہے۔ تمام اکابر علمأ کرام کی مشاورت اور خاندان کی اجازت سے مولانا محمد حبیب اللہ مختارؒ کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد قمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو ہزاروں سوگواروں نے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کی حسنات کو قبول فرماکر ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جامعہ علوم اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی غیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین۔

مفتی عبدالسمیع شہیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بروز اتوار یکم رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۹۹۷ء بارہ بج کر چالیس منٹ پر جامعہ علوم اسلامیہ کے مایہ ناز مدرس، امام اہل سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہ کے دست راست اور معتمد علیہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے تربیت یافتہ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے تلمیذ رشید اور مسلک علمأ دیوبند کے پاسبان وترجمان، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی معیت میں جامعہ کی شاخ مدرسہ معارف العلوم پاپوش نگر سے واپسی پر جامعہ علوم اسلامیہ کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ کے مصروف ترین چوراہے پر نہایت بے دردی سے شہید کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان للہ ما اخذولہ ما اعطی۔ وکل شی عندہ باجل مسمی۔

مولانا عبدالسمیع شہیدؒ کا آبائی تعلق سندھ کے مشہور روحانی مرکز اور مشہور گدی ہالیجی شریف سے قریب ترین شہر بنو عاقل سے تھا۔ آپ نے حضرت مولانا امیرالدین صاحب جیسے ذی علم اور مشہور عالم دین کے گھر میں آنکھ کھولی۔ گھریلو دینی اور علمی ماحول کے باعث آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ خاندانی

اعتبار سے آپ سندھ کی مشہور اندھڑ برادری کے چشم وچراغ تھے۔ حضرت مولانا امیر الدین صاحب نے اپنے اس ہونہار فرزند کی شروع ہی سے اس انداز سے تربیت فرمائی کہ آگے چل کر وہ ملت اسلامیہ کی قیادت وسیادت کا فریضہ انجام دے سکے۔ چنانچہ ان کی حسن تربیت کا ہی اثر تھا کہ درسی علوم کی تحصیل کا شوق شہید کے روئیں روئیں سے ٹپکتا تھا۔ ابتدا ہی سے انہوں نے تمام کتابیں اس انداز سے پڑھیں جیسے کوئی حافظ، قرآن کریم کو ازبر کرتا ہے۔ اور بلا مبالغہ ایک ایک کتاب کو انہوں نے بار بار پڑھا اور پڑھنے کا حق ادا کر دیا۔ انہیں جہاں معلوم ہوتا کہ فلاں کتاب کی تدریس کا کوئی ماہر استاذ رہتا ہے۔ وہ ان سے استفادہ کرنے کے لئے دور دراز کے سفر کا مجاہدہ کرتے، بعض اوقات پیدل سفر کرتے۔ شہری زندگی اور چین وسکون کو قربان کرتے، مگر اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر کے رہتے۔ ان کے رفقاً نے بتلایا کہ ان کی تعلیم کا زمانہ سب سے زیادہ اور طویل ترین تھا۔ چنانچہ اندرون سندھ کے مشہور دینی مدارس: دار الفیوض کندھ کوٹ، مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی کے ماہرین فن اور معقولات کے اساتذہ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے معقولات کے ماہر استاذ حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ اور مشہور دینی درس گاہ مدرسہ انوریہ جیکب آباد، طاہر والی ضلع بہاول پور کے مدیر شہیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ سے بھی ایک سال تک کسب فیض کیا۔ یہ شہیدؒ کی محنت ولگن، اور شوق وجذبہ کا اثر اور حضرات اساتذہ کے خلوص واخلاص کی برکت تھی کہ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی اساتذہ اور ہم درس طلباء میں یکساں محبوب ومقبول تھے۔ حضرات اساتذہ آپؒ کی ذہانت

وفطانت اور شوق ولگن کی قدر کرتے اور طلبہ آپؒ کے خلوص واخلاص اور اخلاق ومحبت کے باعث آپؒ پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کی انہی خوبیوں اور کمالات کے باعث مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کی حقیقت شناس نظروں نے ان میں پوشیدہ صلاحیتوں کا ادراک کرتے ہوئے، ان کے فارغ ہوتے ہی انہیں اپنی مادر علمی جامعہ علوم اسلامیہ میں مدرس نامزد فرمایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چند سالوں میں اونچے درجے کے استاذوں میں شمار ہونے لگے ۔صرف ونحو اور معقول ومنطق کی تدریس کا انہیں خاص سلیقہ اور ڈھنگ تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں بھی وہ کچھ کم نہ تھے، چنانچہ تفسیر بیضاوی کی تدریس ایک عرصہ سے ان سے متعلق تھی، اسی طرح شعبہ بنات کے دورۂ حدیث میں ان کا ترمذی شریف کا سبق بہت ہی مقبول ومشہور تھا۔

موصوف ایک طرف اگر جامعہ کے استاذ تھے تو دوسری طرف طلبہ کی اصلاح وتربیت پر مامور ناظم دارالاقامہ بھی تھے۔ مجال نہ تھی کہ کوئی طالب علم ان کے سبق سے غیر حاضر رہ جائے۔ اسی طرح ان کے حصہ کے دارالاقامہ کا کوئی طالب علم تکبیر اولیٰ سے رہ جائے، ممکن ہی نہیں تھا۔

مولانا عبدالسمیع شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ تعلیم وتدریس کے علاوہ موصوف میں انتظامی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ جامعہ علوم اسلامیہ کا شروع سے یہ مزاج رہا ہے کہ اس کے فنڈ کے لئے کبھی کوئی تحریک اور باقاعدہ کوئی انتظام نہیں کیا گیا جس کو مدرسہ کے بیت المال کے مضبوط کرنے کا ذریعہ کہا جائے۔ محدث العصر حضرت بنوری

قدس سرہ فرماتے تھے کہ یہ مدرسہ ہمارا نہیں' اللہ کا ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اشاعت کے اس ادارے کے مصارف کا انتظام بھی خود فرمائیں گے' چنانچہ یہ وہ واحد مدرسہ تھا جس میں قربانی کی کھالیں وغیرہ جمع کرنے کا باقاعدہ کوئی انتظام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے دوست جناب مولانا عبدالسمیع شہیدؒ کو کہ انہوں نے نہ صرف خود اس طرف توجہ کی بلکہ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کو بھی اس طرف توجہ دلائی' مگر حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی وہی جواب دیا جو انہوں نے حضرت بنوری قدس سرہ سے سنا اور سیکھا تھا۔ لیکن اس مرد قلندر نے حضرت مفتی صاحبؒ کے اس جواب پر اشکال کیا اور دلائل دیتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ یہ ہماری یا مدرسہ کی ضرورت نہیں لیکن مسلمانان کراچی کی ضرورت تو ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ آج کا دور نفسا نفسی کا دور ہے' عوام علماً اور دینی مراکز سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اس بہانے ہماری عوام کا ہمارے ادارے سے رابطہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مسلمان قربانی جیسے اہم فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہوتے ہیں اور دوسری جانب قربانی کی کھالیں ایسے افراد یا ادارے اُٹھا کر لے جاتے ہیں جن کے دین و مذہب کا بھی کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ عین ممکن ہے کہ وہ لوگ قربانی کی کھال کو خلاف اسلام سرگرمیوں میں صرف کرتے ہوں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کو نیک مصارف مہیا کرنا اور ان کے صدقات و خیرات اور قربانی کی کھالوں کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کے مواقع کی نشاندہی کرنا ہمارا دینی' مذہبی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ خدانخواستہ اگر لوگوں کی قربانی کی کھال ہم نے نہ لی اور وہ غلط جگہ صرف ہو گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

شہیدؒ کے ان دلائل پر حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کام کی حامی بھر لی، مگر کراچی بھر سے اس کی تحصیل کی کیا صورت ہو گی؟ یہ ایک ایسا مشکل اور صبر آزما مرحلہ تھا اور ہے، کہ اس کی سوچ سے ہی پتہ پانی ہوتا ہے، مگر موصوفؒ نے جو سوچا وہ کر کے دکھایا۔ چنانچہ انہوں نے خود اس کام کی ذمہ داری اٹھائی باقاعدہ نظم سے بڑے پیمانہ پر یہ کام کیا۔ جس کے بے حد مفید اثرات مرتب ہوئے، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اسی طرح اہل بدعت وہوا اور روافض وخوارج کی وسیسہ کاریوں آئے دن مساجد ومدارس پر قبضہ کی مہم اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کی ناپاک ومذموم کوشش کے سدباب میں موصوف کا نہایت قابل تقلید کردار ہے، جہاں کسی مدرسہ یا مسجد کا مسئلہ ہوتا موصوف اپنی جیب سے کرایہ خرچ کر کے پہنچتے اور وہاں کے مسلمانوں کی اخلاقی، قانونی اور افرادی مدد کرتے اور جب تک ان کا مسئلہ حل نہ ہو جاتا ان کی بھرپور سرپرستی فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو جرأت وہمت اور بے باکی کے جوہر گراں قدر سے خوب خوب نوازا تھا۔ وہ رورعایت کے روادار نہ تھے۔ بلکہ ان دنوں جب پورا کراچی لسانی فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ بلاخوف وخطر اکیلے رات رات بھر ان علاقوں میں جہاں لوگ دن کو جاتے ہوئے بھی اپنی جان کے لئے خطرہ سمجھتے، گھومتے رہتے اور وہاں کے مسلمانوں کی مدد فرماتے، انتظامیہ اور حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں کی زبان میں بات کرنا ان کا خصوص وامتیاز تھا۔ چنانچہ کراچی بھر کی انتظامیہ کے افسر ان ان کے نام وکام سے واقف تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ تشریف لے جاتے انتظامیہ ان کی بات ماننے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی۔ دلائل کی دنیا میں ان سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا، وہ مسلک سے اس والہانہ لگاؤ کا کسی ادارہ یا افراد پر کسی قسم کا کوئی احسان نہ دھرتے۔ اس سلسلہ کے اخراجات اپنی جیب سے کرنا سعادت سمجھتے، رات رات بھر مصروفیات کے باوجود دن بھر مدرسہ میں مصروف تدریس رہتے۔ وہ کبھی ان مصرفیات کی وجہ سے مدرسہ کے اسباق میں ناغہ کے روادار نہ تھے، یہ حقیقت ہے کہ انہیں حیات مستعار میں عملی میدان کے بہت تھوڑے دن ملے مگر انہوں نے ان تھوڑے دنوں میں بہت کچھ کر دکھایا۔

سیاسی اعتبار سے وہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جاں نثاروں میں سے تھے، اور زمانہ طالب علمی میں وہ جمعیت کے بہت جو شیلے مقرر اور ذہن سازی کرنے والے کارکن تھے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے کسی موقع کو ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔

جہاد افغانستان سے خصوصی دل چسپی، محبت اور عشق کا سا تعلق تھا۔ چنانچہ ہر سال مدارس کے طلبہ کی ذہن سازی کر کے انہیں افغانستان بھیجتے، جن طلبہ کے پاس سفر خرچ نہ ہوتا اس کے لئے سفر خرچ مہیا کرتے، متعدد بار خود بنفس نفیس افغانستان تشریف لے گئے اور میدان جہاد میں اترنے کا موقع ملا۔

موصوف نہایت ہی اجلے، نکھرے اور خفیف الجسم ملنسار اور بہت ہی اچھے مہمان نواز تھے۔ جن طلبہ کے بارہ میں کسی بھی طرح سے معلوم ہو جاتا کہ ان کے حالات اچھے نہیں، ان کا خصوصی خیال رکھتے۔ طلبہ کو ڈانٹتے تھے اور پیار

بھی کرتے تھے۔چنانچہ موصوف کو جامعہ علوم اسلامیہ سے والہانہ انداز کی عقیدت و محبت بلکہ عشق تھا۔وہ جامعہ کے کسی مفاد پر آنچ آنے سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو زیادہ آسان سمجھتے تھے‘اور دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے جو سوچا‘ سمجھا اور کہا، وہ کر کے دکھادیا۔ چنانچہ جامعہ کی ایک شاخ مدرسہ معارف العلوم پاپوش نگر کے ایک معاملہ کو سلجھانے گئے تھے اور اسی نیک مقصد سے واپسی پر جامعہ کے نام پر ہی اپنی قربانی پیش فرمادی۔

شہیدؒ کو ان کے متعلقین کی خواہش پر ان کے آبائی گاؤں پنوعاقل میں اپنے والد کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.اللہ تعالیٰ مرحوم کی اس قربانی کو قبول فرمائے۔اوران کے درجات کو بلند فرمائے اوران کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے۔اوران کے بچوں اور پسماندگان کی کفایت وکفالت فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا

قاضی زاہد الحسینی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد :

۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۹۷ء کو ہمارے معمر بزرگ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ أللّھم اغفر له‘ وارحمه‘ وعافه‘ وأعف عنه‘ وأكرم نزله‘ ووسع مدخله وابدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله والحقه بالصلحين اللهم لاتحرمنا اجره‘ ولاتفتنا بعده.

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے‘ اور ان کا خاندان قدیم ہی سے علوم دینیہ کی خدمت میں مشہور ہے۔ ان کے جد امجد حضرت باز گل مرحوم امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ جہاد میں شریک تھے۔ سقوط بالا کوٹ کے بعد علاقہ چھچھ کے موضع شمس آباد میں آباد ہو گئے۔ حضرت قاضی صاحب کے دادا قاضی نادر دین اپنے دور میں پنجابی کے مشہور شاعر اور مصلح تھے۔ حضرت قاضی صاحب

کے والد ماجد مولانا مفتی قاضی غلام جیلانی مرحوم بر صغیر کے محقق علماٗ میں سے تھے، مناظر وصاحب قلم عالمِ دین تھے۔ پچاس کے قریب علمی اور اصلاحی کتابیں تصنیف فرمائیں' سلسلہ نقشبندیہ میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا سراج الدین رحمہ اللہ سے مجاز طریقت تھے۔ مرزا قادیانی سے تقریراً و تحریراً مناظرے کئے اور رد قادیانیت میں ان کی کتاب "تیغ غلام گیلانی بر گردن قادیانی" شہرہ آفاق ہے۔ بنگال میں جب مرزائیت نے پر پرزے نکالنے شروع کئے تو ایک عرصہ تک وہاں رہ کر ان کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۲۸ء میں انتقال فرمایا' اور اپنے آبائی گاؤں شمس آباد میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ اس روحانی اور علمی خاندان میں ۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ مطابق یکم فروری ۱۹۱۳ء بروز ہفتہ پیدا ہوئے قرآن پاک اور ابتدائی عربی' فارسی کی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی' اور اسی کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۸ء میں شمس آباد سے مڈل کیا۔ ۱۹۲۸ء میں آپ منیۃ المصلی اور ہدایۃ النحو وغیرہ ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا' لیکن یہ داغ یتیمی آپ کے ذوق علم پر اثر انداز نہ ہوا' بلکہ آپ بدستور تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اس وقت علاقہ چھچھ علماٗ ربانیین کا مرکز تھا۔ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالرحمٰن حمیدی' اور حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کے فیض یافتہ اور مولانا عبداللہ جان موضع جلالیہ جیسے باکمال اکابر سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے' وہاں مولانا سراج احمد رشیدی' مفتی جمیل احمد تھانوی' مولانا مفتی ظہور الحق'

مولانا ظریف احمد، اور مولانا عبداللہ ہزاروی جیسے جید اساتذہ سے استفادہ کیا۔ وہاں سے محدث العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کیلئے ڈابھیل تشریف لے گئے۔ وہاں شاہ صاحبؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ علاوہ ازیں مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس سکھروی وغیرہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لیا، اس وقت دارالعلوم کی مسندِ صدارت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جلوہ افروز تھے۔ آپ نے بخاری اور ترمذی حضرت مدنیؒ سے پڑھیں، اور حضرت مدنی کی اردو تقریر کو دوران سبق ہی عربی میں قلم بند فرماتے رہے۔

تصوف :...... قیام سہارنپور کے زمانہ میں حضرت مدنیؒ سے عقیدت ہوگئی تھی، جو بالآخر حضرت کے دامن فیض سے وابستگی کا سبب بنی۔ حضرت قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"حضرت (یعنی حضرت مدنیؒ) کانگریس یا جمعیت العلماءٔ کی دعوت پر سہارنپور تشریف لاتے اور فرودگاہ میں تقریر فرماتے، اسی وقت سے آئینہ دل پر حضرت کا نقش اس طرح ثبت ہوگیا کہ آج تک باقی ہے، اور انشاء اللہ باقی رہے گا مگر زیادہ قرب دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے داخلہ پر نصیب ہوا، کئی بار بیعت کی درخواست کی، مگر یہ جواب ملتا کہ استخارہ

کرلیا جائے۔ ایک رات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت کا حکم ہوا، پورا خواب لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تو حضرت نے فرمایا کہ ملاقات پر انشاً اللہ بیعت کرلی جائے گی۔ بالآخر ۲۶ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۳۶ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب اسی مسجد میں چند دیگر سعادت مندوں کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل ہوا"۔

کبھی ملاقاتوں سے، اور کبھی خط و کتابت سے منازل سلوک طے ہوتے رہے۔ تسبیحات اذکار، اشغال، اور مراقبات کی تکمیل کے بعد حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے سلسلہ چشتیہ کے اذکار و اشغال کی تلقین کی اجازت عنایت فرمادی۔

۱۹۳۶ء میں جب آپ حضرت شیخ مدنی کی زیارت کیلئے دیوبند تشریف لے گئے تو واپسی پر حضرت مدنی نے حضرت لاہوریؒ کے نام آپ کو دستی رقعہ عنایت فرمایا جس میں آپ کے متعلق بھی ایک جملہ تھا:

"علمی اور عملی حالت ماشاً اللہ قابل اطمینان ہے۔"

چنانچہ اب حضرت لاہوری قدس سرہ کے پاس بھی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ۱۹۳۹ء میں جب آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کو جارہے تھے تو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلمی دستخطوں سے مزین اپنا ترجمہ قرآن پاک عنایت فرمایا، یہ محض ایک تحفہ نہ

تھا' بلکہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول آپ نے فیض قرآنی آپ کو منتقل فرمادیا۔

۱۹۵۷ء میں حضرت مدنی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۶۱ء میں جب حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایبٹ آباد تشریف لائے تو از خود فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ سلسلہ قادریہ میں آپ کی تکمیل کرادوں"۔ چنانچہ چند اسباق بھی تلقین فرمائے' اور اس سال ۱۵ مئی کو ایبٹ آباد تشریف آوری پر اجازت بیعت سے نوازتے ہوئے اپنا مجاز فرمایا۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں کہ: "ڈھونڈان کو چراغ رخ زیبا لے کر" کی مصداق ہیں:

۱:...... فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے لے کر آخری لمحات حیات تک آپ تعلیم و تلقین اور تعلیم و تعلم میں مشغول رہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے طفیل ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

۲:...... قرآن کریم اور حدیث نبویؐ سے آپ کو شغف ہی نہیں' بلکہ والہانہ عشق تھا' چنانچہ شمس آباد' ڈالوال' ایبٹ آباد' کوہاٹ' تربیلا' نوشہرہ' سنجوال' پشاور' لارنس پور' واہ کینٹ اور اٹک وغیرہ جہاں بھی آپ کا قیام رہا' درس قرآن اور درس حدیث کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ چنانچہ ۲۸ جلدوں میں آپ کا درس قرآن طبع ہوچکا ہے۔ اور ۲۸ ہی جلدوں میں درس حدیث بھی طبع ہوچکا ہے۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء.

۳ :...... آپ کی محنت کا اصل میدان تو اصلاح قلوب اور دلوں میں قرآن وسنت کے آثار خیر کو کاشت کرنا تھا' جس سے آپ مدت العمر کبھی غافل نہیں ہوئے' تاہم مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی ضروریات سے بھی کبھی غفلت نہیں ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں جب فارغ ہو کر گھر آئے اپنے علاقے کے علماً کو "مجلس تنقیح فتویٰ" کے نام سے جمع کیا' اور "جمعیت علمأ اٹک" کی بنیاد رکھی۔

۱۹۴۷ء میں پہلی اسلامی کانفرنس میں حصہ لیا۔ پاکستان کے پہلے آئین کی تدوین میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں نیشنل اسلامک اقتصادی کانفرنس میں حصہ لیا۔ پاکستان میں حقوق اہلسنت کے تحفظ کے لئے بنائی جانے والی پہلی جماعت "تنظیم اہلسنت" کے ناظم اعلیٰ رہے۔

۴ :...... ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ سے نکلنے والے ایک ہفتہ روزہ "پیام" کے مدیر اعلیٰ رہے۔ ۱۹۵۳ء میں ہفتہ روزہ "اذان" جاری کیا' جو ۱۹۵۴ء تک جاری رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ماہنامہ "الارشاد" جاری کیا' جو ۱۹۸۱ء تک خدمات انجام دیتا رہا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے کثیر اشغال' درس وتدریس' ذکر وشغل' اصلاح نفوس اور موعظت وتذکیر کے ساتھ ساتھ انہیں ان پرچوں کے جاری رکھنے کی کس طرح صورت بنتی ہوگی؟ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث بھی رہے' اور ترمذی اور بخاری کے اسباق پڑھاتے رہے' اور ساتھ ساتھ ان پرچوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔ سبحان اللہ!

۵ :...... اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم میں بہت

بڑی برکت رکھی تھی' وہ بہت صاف' سادہ' اور شستہ لکھتے تھے' اس لیے قریباً اہم علوم پر ان کے قلم سے ایک سو کے قریب کتابیں نکلیں۔

۶ :...... حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جس طرح اپنے اکابر مشائخ سے والہانہ تعلق تھا' اس سے کہیں بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے تعلق تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رفیع کو اجاگر کرنے کے لئے متعدد کتابیں لکھیں' ان میں "رحمت کائنات" اور "با محمد باوقار" بہترین کتابیں ہیں' جن کو پڑھ کر دماغ کی گرہیں کھل جاتی ہیں' اور اپنے شیخ اول حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیرت "چراغ محمد" عجیب و غریب انداز سے لکھی ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی تصانیف حقہ کا اصل موضوع عقائد صحیحہ کا اجاگر کرنا تھا۔

آپ کی وفات حسرت آیات کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ آپ کے خلیفۂ مجاز جناب مولانا حافظ نثار احمد الحسینی کے الفاظ میں اس کو نقل کرتا ہوں :

"وفات حسرت آیات : ۱۵ر اگست ۱۹۸۹ء کو آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ آٹھ دن اسلام آباد میں زیر علاج رہے۔ سینہ میں پھر دوبارہ تکلیف ہوئی تو ڈاکٹروں نے کام سے منع کر دیا' مگر آپ باوجود انتہائی نقاہت کے مسلسل کام کرتے رہے بیماری کے دوران "چراغ محمد" سوانح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھی۔ درس قرآن مجید اور درس حدیث بنام "انور الحدیث" کا کام کیا علاوہ ازیں اور بھی کئی عنوانات پر لکھا۔ خطوط کے

جوابات روزانہ اپنے قلم سے لکھتے رہے درس نظامی کی انتہائی کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مختلف جگہوں پر درس قرآن مجید اور مجالس ذکر کے لئے بھی تشریف لے جاتے رہے ۔آپ کی خواہش تھی کہ آپ کے معمولات میں بھی کسی چیز کا ناغہ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا۔ چنانچہ حیات مستعار کے آخری روز بھی صلوۃ خمسہ ‘تہجد‘ چاشت ‘اشراق ‘صلوۃ الزوال ‘اوابین کے علاوہ بے شمار نوافل پڑھے ‘ ذکر واشغال ‘ تسبیحات ‘ مراقبات ‘ تمام ادا فرمائے‘ ترجمہ القرآن ‘بخاری شریف ‘پند نامہ کا سبق پڑھایا ‘ تصنیف کا کام کیا‘ ڈاک لکھی ‘ بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ عشاء کی نماز باجماعت ادا فرما کر مسجد سے گھر تشریف لے گئے ۔رات بارہ بجے اچانک دل کی تکلیف ہوئی تو سی۔ ایم۔ ایچ اٹک لے جایا گیا۔ خود پیدل چل کر گاڑی میں بیٹھے ‘ اور وہاں سے ہسپتال تک بھی خود چل کر گئے ۔ ڈاکٹر آکسیجن کی تیاری کر رہے تھے کہ دو بج کر گیارہ منٹ پر تہجد کے وقت جو آپ کے لئے تمام عمر وصال محبوب کا وقت تھا‘ تین مرتبہ اللہ ‘ اللہ ‘اللہ ‘ فرمایا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اناللّٰہ وانا الیہ راجعون رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ.

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے“

اولاد :۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے اور چار بیٹیاں عنایت فرمائیں، سب آپ کے حسن تربیت سے نیک صالح اور متقی پرہیز گار ہیں۔ آپ کے تینوں صاحبزادے حافظ قاری اور عالم فاضل ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ، جامعہ اشرفیہ سے فاضل ہیں، منجھلے صاحبزادے مولانا قاضی محمد راشد الحسینی مدظلہ، اور چھوٹے صاحبزادے مولانا قاضی محمد ابراھیم ثاقب الحسینی مدظلہ، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں۔

خلفائے کرام :...... آپ نے ہزاروں انسانوں کی تربیت باطنی فرمائی۔ اکابر کی روحانی امانتوں کو تمام عمر نچھاور کرتے رہے۔ منازل سلوک کی تکمیل کے بعد آپ اپنے اکابر کی طرز پر اجازت بیعت سے بھی نوازتے تھے۔ تیرہ خوش نصیبوں کو آپ نے اپنا مجاز فرمایا، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :

(۱) حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ اٹک۔

(۲) مولانا ڈاکٹر سعید اللہ جان مدظلہ پشاور۔

(۳) مولانا قاری محمد سلیمان مدظلہ ٹیکسلا۔

(۴) مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ بنوں۔

(۵) جناب کرنل محمد جمیل صاحب مدظلہ، کرک کوہاٹ۔

(۶) مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ شورکوٹ۔

(۷) حافظ نثار احمد الحسینی غفرلہ حضرو۔

(۸) حاجی عبدالعزیز مدظلہ، ایبٹ آباد۔

(۹) صاحبزادہ مولانا قاضی محمد راشد الحسینی مدظلہ اٹک۔

(۱۰) صاحبزادہ مولانا محمد ابراہیم ثاقب الحسینی مدظلہ اٹک۔

(۱۱) مولانا قاری غلام نبی مدظلہ افغانی۔

(۱۲) حضرت حافظ عطاء اللہ مدظلہ وہاڑی۔

(۱۳) مولانا قاری محمد ادریس صاحب مدظلہ اسلام آباد۔

سبحان ربك رب العزت عمایصفون وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه اجمعین.

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ)

مکاتیبِ مبارکہ

محترم المقام حضرت مولانا زید مجدکم وفضلکم سلام مسنون!

احقر رات کو آپ کی مؤلفہ کتاب "اختلاف امت"

پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دفاع عن الاسلام کی جزائے

خیر عطا فرمائے اور اس سے زیادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چونکہ آج کل لوگ دینی کتابیں خصوصاً خریدنا اور ان کو پڑھنا

زیادہ پسند نہیں کرتے اس لئے اگر جناب حصہ اول کے ص

۱۲۸ تا ۱۹۳ کو علیحدہ پمفلٹ کی شکل میں شائع فرماسکیں

تو زیادہ بہتر رہے گا۔

ص ۱۲۹ پر حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ میں "انمانحن مُصلحون" کے امام نے جو "محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے"۔ لکھا ہے یہ بھی مودودی صاحب کی عربی زبان سے ناواقفی کا ایک نمونہ ہے کہ وہ جہالت اور جاہلیت میں فرق نہ کر سکے۔

شاید جناب کی نظر سے مودودی صاحب کی وہ عبارت بھی گزری ہوگی جس میں سید الانبیأ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو معروف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے لکھا ہے "ایک مسلمان بجز خدا کے کسی کی غیر مشروط وفاداری کا حلف نہیں اُٹھا سکتا۔"

حد یہ ہے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو معروف شرط سے مشروط کیا گیا۔

(مکاتیبِ زندان ص ۲۱)

ایک رسالہ "سنت الانبیأ" بھجوا رہا ہوں اگر وقت مل سکے تو اس پر بھی سرسری نظر ڈال لی جائے اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام۔

محمد زاہد الحسینی

(ماہنامہ بیّنات کراچی ۲۰ جمادی الاُخریٰ ۱۴۰۵ھ)

محترم المقام حضرت مولانا صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بینات کا تازہ شمارہ باصرہ اور بصیرت نواز ہوا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کے حملہ آوروں کا جیسا کہ تعاقب جناب نے فرمایا ہے۔اس کے لئے جناب ہم گناہ گاروں اور عامۃ المسلمین کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

جزاکم اللہ خیرالجزاء واحسن الجزاء واکرم الجزاء۔

ان کور بختوں کو سزا تو مل رہی ہے مگر ”طبع اللہ علیٰ قلوبھم“۔جب ڈاکٹر اقبال نے یہ کلام بے لگام کہا تھا تو احقر نے اسی وقت ایک رسالہ بہ نام ”اذان مجاز در جواب ارمغان حجاز“ شائع کیا تھا جس میں وہ تمام مضامین اور منظوم کلام جمع کر دیا تھا جو اس وقت اقبال کے جواب میں لکھے گئے تھے تلاش کرنے پر اگر مل گیا تو اِرسال کردوں گا۔

سرِ دست مولانا حکیم فضل الرحمٰن سواتی کا ایک مضمون ارسال کر رہا ہوں جو آپ نے ”برہان“ دہلی ۱۹۶۴ء کیلئے بھیجا تھا۔اسی کے ساتھ نوائے وقت کے ایک تراشہ کا فوٹو اسٹیٹ بھی ارسال ہے۔اگر آپ بہتر سمجھیں تو بینات میں شائع فرمادیں۔

کرم گستر! اس سے بڑھ کر بد دیانتی کیا ہو سکتی ہے
کہ حضرت مدنیؒ نے قوم کا کلمہ ارشاد فرمایا اور یہ معاندین روزِ روشن میں جھوٹ بول کر آپ کے ذمہ ملت کا کلمہ لگا رہے ہیں۔ اس طرح اقبال نے اپنے انہی اشعار میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وطنی نسبت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

جناب نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ
کا وہ توبہ نامہ تو پڑھا ہوتا جس میں اُنہوں نے اپنے تمام سابقہ ان بیانات سے توبہ کی جو آپ نے بطور پرائیویٹ سیکریٹری قائد اعظم اور بطور شارح کلام اقبال کہے تھے اور لکھے تھے۔ اور بالآخر حضرت مدنیؒ کے خلیفہ مجاز مولانا حامد میاں کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور اپنے آپ کو یوسف سلیم الحُسینی کہا کرتے تھے۔

اپنی دُعاؤں میں یاد فرمایا کریں ایک کتاب "با محمدؐ باوقار" تبصرہ کے لئے ارسال کی تھی تبصرہ فرمادیں۔ احباب کی خدمت میں سلام مسنون اور درخواست دُعا۔

زاہد الحسینی غفرلہ

(۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ)

محترم المقام حضرت مولانا لدھیانوی صاحب زیدمجدکم

وفضلکم وجزاکم الله عناوعن کل المسلمین احسن الجزاء۔

گرامی نامہ باصرہ اوربصیرت نواز ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس پر مزید فضل وکرم فرمائے۔ آمین۔ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ "چراغ محمد" کے اس دور میں صحیح مصداق تھے جس نے دل کی نظر سے دیکھا فدا ہوگیا۔ ہم گناہ گاروں کا توسارا سرمایہ ہی ان کی محبت ہے (اگرچہ نااہل ہیں) محبت وعشق کے درجہ میں ہے۔ الحمدللہ۔

آج ہی اقرا کا تازہ شمارہ بھی ملا جس میں جناب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ اگر آپ کا گرامی قدر مضمون، اور پروفیسر چشتی صاحب کا توبہ نامہ ترجیحات اقبال مرتبہ مولانا فضل الرحمٰن مرحوم یک جا ایک مختصر سی تمہید میں چھوٹی سائز کی کتابی شکل میں شائع کردی جائیں اور پھر اسکولوں کالجوں وغیرہ میں تقسیم کی جائیں تو ان سے ان شاءاللہ کافی فائدہ ہو سکے گا۔ تمہید کے لئے مولانا ابوالحسن ندوی زید مجد ہم کو توجہ دلائی جائے اس لئے کہ موصوف نے عربوں کو اقبال سے متعارف کرایا ہے اور ادھر حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے بھی معترف نظر آتے ہیں تو یہ بہت بہتر رہے گا۔

یہ گنا ہگار تو یہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کو حضرت مدنیؒ کے ساتھ خاص عداوت تھی ورنہ ملت اور قوم کا فرق واضح ہے اور ہندی قومیت کا پرچار اقبال کا شعر :

ھندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

میں ہے اور یہی نظریہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کا تھا جس کا اظہار آپ نے لندن گول میز کانفرنس کے موقع پر فرمایا آپ کی آخری تقریر کا فوٹو اسٹیٹ منسلک ہے۔ فوٹو اسٹیٹ پھر ارسال کر دوں گا۔ انشأ اللہ۔

ورنہ وہ اقبال جس نے ۱۹۰۵ء میں مزار نظام الدین اولیأ پر یہ دعا کی تھی :

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو

اور وہ اقبال جس نے کارل مارکس کو نیست پیغمبر ولکن دربغل دارد کتاب" کہا ہو جس کی تشریح پروفیسر عثمان مداح اقبال نے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اقبال نے مارکس کو پیغمبر بے جبریل کہا ہے۔ اور وہ اقبال جس نے ضرب کلیم میں یوں کہا ہو :

یہ وحی دہریت روس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیساؤں پر لات ومنات

وہ اقبال اس سیدھی بات کو نہ سمجھا جو حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے فرمائی تھی۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر فرصت ہو تو ''حیات اقبال کا ایک جذباتی دور'' مؤلفہ پروفیسر عثمان ملاحظہ فرمائیں اس میں کافی کارآمد باتیں ہیں یہ کتاب بھیج رہا ہوں۔ اپنی دعاؤں میں اس گناہ گار کو یاد فرمایا کریں۔

کیا تاج کمپنی جو شرکا کو منافع دیتی ہے یہ سود نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

والسلام

زاھدالحسینی غفرلہ

(۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ)

(ماہنامہ بینات کراچی شعبان ۱۴۱۸ھ)

محترم المقام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی زید مجدہم

بعد از سلام مسنون بالاحترام مقرون، امید ہے جناب عافیت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ دین کی خدمت اور ہم جیسے گناہگاروں کی راہنمائی کے لئے تادیر سلامت رکھے۔ آمین

بینات میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہ مسئلہ نہیں بلکہ عقیدہ ہے) پر جناب کا مفصل اور مدلل مضمون پڑھ کر بہت ہی خوشی اس لئے ہوئی کہ اگرچہ اس عقیدہ پر مدلل لکھنے کی ضرورت تقریباً چالیس پچاس سال سے محسوس ہورہی تھی مگر آپ جیسے کسی فاضل محقق نے ادھر پوری توجہ نہ فرمائی جب کہ زائغین پوری قوت اسی عقیدہ کے خلاف صرف کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ محروم اور بے ادب دراصل دربار سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے روکنا چاہتے ہیں جس کا فی الحال اظہار نہیں کرسکتے۔ جب قبر سے مراد یہ قبر محفور نہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے تو پھر اس کلیہ سے روضہ اطہر علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کو کیسے مستثنیٰ کیا جاسکے گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے تاکہ پوری بسط کے ساتھ

اس بنیادی عقیدہ پر تحریر فرماسکیں،اس سے کئی لوگوں کا ایمان محفوظ رہے گا جس کا جناب کو اجر ملے گا۔اس مضمون کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیں کہ جولوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ:

قبر سے مراد یہ قبر نہیں وغیرہ ذلک تو ان کی اقتدأ میں نماز پڑھنا درست ہے یانہ؟ کیونکہ اس گناہ گار کے خیال میں تو بعث بعد الموت کے انکار سے تقریباً آٹھ سو آیات قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے اور ایک سو سے زائد احادیث کا انکار بھی لازم ہو جاتا ہے۔چنانچہ یہ لوگ ان احادیث کو موضوع بلکہ...... تک کہہ رہے ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ اس گناہ گار کی مرتبہ کتاب "با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوقار" کو انٹرنیشنل اسلامک مشن انگلینڈ نے تین ہزار کی تعداد میں طبع کراکر انگلستان میں تقسیم کیا ہے تاکہ ان یورپ زدہ مسلمانوں پر مقام سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہو جائے اور رشدی جیسے ملعون سے کامل نفرت پیدا ہو جائے۔

اسی لفافہ میں ایک رسالہ "براۃ المحدث" ارسال ہے۔اگر مطالعہ کے بعد بینات میں اس پر تبصرہ آجائے تو بہتر رہے گا۔اس گناہ گار پر ۱۵ اگست کو وجع القلب کا شدید حملہ

ہوا کچھ دن ہسپتال میں رہا اب قدرے آرام ہے مکمل صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ والسلام مخلص طالب دعا۔

محمد زاہد الحسینی غفرلہ

۲۳ر ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۵/۱۰/۱۹۸۹ء

محترم الاکابر والاصاغر حضرت مولانا زید مجدکم و فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی بہ عافیت باد!

بینات بابت ماہ رمضان ایمان افروز ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایسے اداروں کو تادیر سلامت رکھے جو آج کل دفاع عن الدین کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ آمین

"گانا بجانا" پر تبصرہ کے لئے شکر گزار ہوں۔ الحمد للہ اس چھوٹے سے رسالہ سے کئی نوجوانوں کی اصلاح ہو گئی اور وہ اس مغالطہ سے محفوظ ہو گئے کہ ثقافت سے مراد گانا بجانا اور ناچنا تھر کنا ہے۔ آپ حضرات جس محنت اور ہمت سے یہ کام کر رہے ہیں پورے اداروں اور جماعتوں کا کام ہے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہے اُمت کا رنگ دیدیں۔ بارک اللہ وجزاک اللہ۔

ویسے تو فتنوں کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے

مگر کچھ فتنے زیادہ خطرناک ہیں خصوصاوہ فتنے جو اپنے آپ کو اکابر علمائے حق سے وابستہ ظاہر کر کے بے اعتدالی اور جارحیت پھیلارہے ہیں' انہی میں سے ڈاکٹر عثمانی اور دوسرے متوحدین کا فتنہ ہے جن کا سارازور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کو کم کرنے پر صرف ہورہا ہے۔ اس علاقہ میں بھی انہوں نے سر اُٹھایا تھا مگر الحمد للہ اب ماند پڑرہے ہیں' آج کی ڈاک سے "رحمت کائنات" کے دو نسخے ارسال ہیں۔ کسی فرصت کے وقت ملاحظہ فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو بینات میں تبصرہ فرمادیں۔

رمضان شریف گزر رہا ہے اس گناہ گار کو بھی دعائے حسن خاتمہ سے سرفراز فرمادیں۔

بینات کے اس شمارہ میں مولانا عبدالحنان صاحب کے بارہ میں جو تعزیتی نوٹ لکھا گیا ہے اس میں مولانا مرحوم کو حضرت مولانا قطب الدین صاحب مرحوم کا شاگرد ظاہر کر کے مولانا قطب الدین صاحب کو حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کا شاگرد بتایا گیا ہے حالانکہ احقر کی معلومات کے مطابق مولانا قطب الدین صاحب نے دورۂ حدیث حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ سے پڑھا تھا اور مولانا عبدالحنان مرحوم ان کے شاگرد نہ تھے بلکہ آپ کا قیام موضع

جلالیہ میں مولانا سعد الدین صاحب قدس سرہ کے ہاں رہا
'مولانا سعد الدین صاحب مولانا عبد الحئی لکھنوی کے شاگرد
تھے چونکہ احقر کو بھی شرح جامی حضرت مولانا سعد الدین
صاحب سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہے اس لئے میں یہ
سمجھتا ہوں میری معلومات درست ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں
بینات میں دیدیں۔ ۲۳ رمضان ۱۴۰۶ھ

محمد زاہد الحسینی غفرلہ

(ماہنامہ بینات کراچی)

مولانا محمد مجاہدؒ کی شہادت

ایک المناک واقعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ جمعۃ المبارک ۳ بجے فیصل آباد کی ایک مصروف سڑک پر ممتاز عالم دین نوجوان محقق مولانا محمد مجاہد اوران کے شاگرد مولانا محمد کو گولیوں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ رکشہ ڈرائیور کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔

مولانا محمد مجاہدؒ کو کس جرم میں شہید کیا گیا؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ اور نہ ہی حکمران اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ مولانا حق نواز جھنگویؒ کو شہید کیا گیا' مولانا ایثار القاسمیؒ کو شہید کیا گیا۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کو شہید کیا گیا' قاری سعید الرحمٰنؒ کو شہید کیا گیا' مولانا احسان اللہ فاروقیؒ کو شہید کیا گیا' مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مولانا عبدالسمیع (رحمہم اللہ) کو شہید کیا گیا' اور اب مولانا محمد مجاہد کو شہید کیا گیا لیکن آج تک نہ حکمران جواب دے سکے اور نہ ہی پاکستانی مسلمان اس کا جواب پا سکے کہ آخر ان علما کرام کا قصور کیا تھا؟ ان کو کس جرم کی پاداش میں شہید کیا گیا؟ اور قیامت کے دن بھی یہ علماء کرام اسی سوال کا جواب

طلب کریں گے۔

مولانا محمد مجاہد صاحب ایک علمی شخصیت تھے' ان کے والد جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے بانی و مہتمم ہیں اور ان کا تعلق کسی سیاسی اور مذہبی جماعت سے بھی نہیں بلکہ وہ گوشہ نشین ہو کر علمی کام میں مصروف تھے۔ برادر عزیز مولانا محمد مجاہد ۳۲ سال کے نوجوان ایک محقق عالم تھے۔ انہوں نے اپنی جوانی کو علوم دین کے لئے وقف کیا ہوا تھا' کسی قسم کے جھگڑے سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جمعۃ المبارک کی نماز ادا کر کے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ان کے قتل سے علمی حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ جناب شہباز شریف صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب جواب دیں گے کہ ان کے دور اقتدار میں علما کرام کو اس بے دردی سے کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ کیا ان کو اس کے باوجود حکومت کرنے کا حق باقی ہے؟ ابھی مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کی شہادت کا غم ختم نہیں ہوا تھا کہ مولانا مجاہد کو شہید کر دیا گیا۔ قاتلین انشاء اللہ' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تو نہیں بچیں گے لیکن ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ فوری طور پر ان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔ (ماہنامہ بینات کراچی ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ)

مولانا محمد اسحٰق صاحب علویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی!

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر زید لطفہ کے خسر حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب علوی قدس سرہ طویل علالت کے بعد رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم اکابر علماء دیوبند کی یادگار اوران کے تربیت یافتہ تھے۔ صبر و شکر کا مجسمہ تھے۔ عرصہ علالت میں کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ایک عرصہ سے غذاوغیرہ بھی تقریباً چھوڑ رکھی تھی بقدر کفاف اور وہ بھی بطور سد رمق استعمال فرماتے۔ ذکر وشغل اور فکر آخرت کے علاوہ کسی سے کوئی علاقہ نہ تھا' اللہ تعالٰی مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے آمین۔ قارئین بینات سے ان کے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ادارہ حضرت ڈاکٹر صاحب اور مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ماہنامہ بینات کراچی محرم الحرام ۱۴۱۹ھ)

مولانا سعید احمد جلال پوری کی

والدہ کی رحلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہمارے رفیق اور ماہنامہ بینات کے مدیر معاون برادرِ عزیز مولانا سعید احمد جلال پوری کی والدہ ماجدہ ۲۰ ذوالحج ۱۴۱۸ھ بروز ہفتہ طویل عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد وفات پاگئیں' اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور نیک صالح اور صابر و قانت خاتون تھیں' حضرت اقدس مولانا عبداللہ بہلوی قدس سرہ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا' زندگی بھر ان کے بتلائے ہوئے معمولات' تہجد' اوابین' اشراق اور تلاوت قرآن پر کاربند رہیں، حضرتؒ کی تعلیمات اور نیک تربیت کا اثر تھا کہ انہیں غیبت وبدگوئی سے حد درجہ نفور تھا' مرحومہ کی نیکی اور نیک تربیت ھی کی ثمرات ہیں کہ ان کے متعدد بچے اور بچیاں حافظ وعالم اور نیک صالح ومتدین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرماکر ان کی زندگی بھر کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے' آمین۔ قارئین بینات سے بھی درخواست ہے کہ مرحومہ کے لئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب سے دریغ نہ فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات کراچی محرم الحرام ۱۴۱۹ھ)

حضرت مولانا محمد ادریس انصاریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

بروز منگل ۲۰ صفر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۹۸ء عصر کے وقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ کامل، حضرت اقدس مولانا عبدالغفور عباسی قدس سرہ کے خلیفہ خاص، مظاہر علوم سہارنپور کے فیض یافتہ اور داعی کبیر حضرت اقدس مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغ کے آخری اور خصوصی شاگرد و تربیت یافتہ، مشہور روحانی بزرگ پیر جی حضرت اقدس مولانا محمد ادریس انصاری رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پیر جی حضرت مولانا محمد ادریس انصاری قدس سرہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کی زندگی ایک مستقل تاریخ ہے اور اب علمی اور روحانی انحطاط کے اس دور میں جب کہ جانے والا اپنا کوئی بدل چھوڑ کر نہیں، جاتا موصوف کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے۔ آپ کی وفات سے سلوک واحسان کے میدان میں جہاں پہلے ہی قحط الرجال ہے ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہو گیا۔

موصوف ہندوستان سے کراچی تشریف لائے اور ایک سال بعد صادق

آباد تشریف لے گئے اور تادم واپسیں صادق آباد ضلع رحیم یار خان کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ زندگی بھر تعلیم و تبلیغ اور تزکیہ نفس کے عالی مقصد کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے رکھا۔

قدرت الٰہیہ کا تکوینی نظام ہے کہ اکابر کے ہوتے ہوئے بعض حضرات گوشہ گمنامی میں ہوتے ہیں لیکن اکابر کے اٹھنے پر اللہ تعالیٰ ان سے ایسا کام لیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان میں اس وقت ایسی غیر معمولی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں کہ عقل انسانی ان کے احاطہ سے قاصر نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس بعض حضرات کی غیر معمولی صلاحیتوں کو ان کے اکابر محسوس کر لیتے ہیں اور اپنی زندگی میں ہی انہیں مسند رشد و ہدایت پر فائز فرما دیتے ہیں' حضرت پیر جی مولانا محمد ادریس انصاری قدس سرہ کا شمار ان مؤخر الذکر اکابر میں سے تھا کہ آپ کے تقویٰ و طہارت' نیکی و پارسائی اور علم و عمل کی گیرائی و گہرائی کو' ان کے استاذ و مربی حضرت اقدس مولانا محمد الیاس بانی تبلیغ قدس سرہ نے زمانہ طالب علمی میں ہی بھانپ لیا' اور حضرت کی زبان حق بیان نے انہیں اس وقت ہی پیر جی کے لقب سے ملقب فرمایا اور یہ لقب جس کو حلقہ تبلیغ میں خوب خوب شہرت حاصل ہوئی' اور آپؒ کے مسترشدین میں اس نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ آپ کو "پیر جی" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ شاندار مبلغ و داعی' پائے کے عالم دین' بہترین مصنف اور بلند پایہ علمی و روحانی راہ نما تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے کئی ایک عرصہ سے شائع ہو رہی ہیں اور خصوصاً آپ کی بہت ہی مختصر مگر بہت ہی اہم تصنیف "میری نماز" نے امت میں قبول عام پایا اور لاکھوں انسانوں کو اس کے

ذریعہ نماز صحیح کرنے کی توفیق ملی۔آپ دین ودیانت میں اپنے اکابر کی تصویر تھے اور دینی معاملات میں بلاشبہ حددرجہ غیوراور "لایخاف لومة لائم" کا صحیح مصداق تھے۔

آپ کی دینی اور ملی غیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے ایک چھوٹے بھائی سے جو کہ کراچی کی مشہور روحانی شخصیت شمار ہوتے ہیں' محض اس کے ابداع فی الدین کی وجہ سے قطع تعلق کرر کھا تھا' اور اس کی کسی شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں شامل نہیں ہوتے تھے ہاں البتہ کبھی سرراہ ملاقات ہو جاتی تو سلام وکلام ہو جاتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کا تذکرہ بھی انہوں نے کبھی کسی سے نہیں فرمایا کہ کہیں نمود ونمائش نہ ہو جائے' مجھے اس کا علم تب ہوا جب ایک بار وہ صاحب جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں آئے اور انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ اگرچہ میری لائن دوسری ہے مگر میں بھی نسلاً دیوبندی ہوں' حضرت مولانا محمد ادریس انصاری مدظلہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ مگر وہ مجھ سے قطع تعلق کیے ہوئے ہیں' وہ مجھ سے ملتے ہیں اور نہ میرے گھر آتے ہیں' اور وہ میرے ہاں کی کسی تقریب میں شامل نہیں ہوتے اور نہ ہی مجھے اپنی کسی تقریب میں شریک کرتے ہیں' محض اس وجہ سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تو صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہے' اور تیرے اعتقادات و نظریات جو ہوں گے سو ہوں گے مگر تیرے اعمال خلاف سنت ہیں لہٰذ تمہارا ہمارا جوڑ نہیں بیٹھتا۔

یہ ہے ایمان کا وہ "عروة وثقى" جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا:

"یااباذر!ای عری الایمان اوثق؟ قال : الله ورسوله اعلم! قال: الموالاة فی الله والحب فی الله والبغض فی الله"۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۲۶)

ترجمہ :۔اے ابوذر ایمان کے حلقوں میں سے کون سا حلقہ زیادہ مضبوط ہے ؟ عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ کے لئے دوستی رکھنا' اسی کے لئے محبت وعداوت رکھنا"۔

بلاشبہ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت خاصہ کے اعزاز سے نوازتے' اور قبولیت عامہ کے منصب پر سرفراز فرماتے ہیں' یہی وہ حضرات ہیں جو انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ سلسلہ نقشبندیہ کے بلند پایہ شیخ تھے' ہزاروں مسلمان آپ کے دامن تربیت سے وابستہ اور فیض صحبت سے مستفید ہوئے' ان میں کا ہر شخص بلاشبہ حضرت مولاناؒ کے لئے صدقہ جاریہ ہے اور ان کی حسنات میں اضافہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان اور متعلقین کو صبر وجمیل عطا فرمائے اور انہیں اپنے شیخ کے جاری فرمودہ مشن کو آگے بڑھانے اور اس کی آبیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے ' خصوصاً ان کے صاحبزادے اور جانشین جناب مولانا محمد سعید انصاری مدظلہ کو اپنے عظیم باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے۔ آمین' حضرت

مولانا محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال پر یہ سطور لکھ رہا تھا کہ برادر محترم مولانا محمد عاصم زکی سلمہ استاذ جامعہ علوم اسلامیہ و مسترشد حضرت مولانا محمد ادریس قدس سرہ نے جناب حافظ شوکت علی عباسی صاحب کی حضرتؒ کے حالات زندگی پر مشتمل درج ذیل تحریر عنایت فرمائی جو کس قدر اصلاح وترمیم کے سب نقل کی جاتی ہے:

نام :...... قطب الارشاد حضرت مولانا پیرجی محمد ادریس انصاری نور اللہ مرقدہ بن حضرت الحاج انیس احمد انصاری۔

نسب :......آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام ناصر الدین جالندھریؒ کے واسطے سے شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ھرویؒ اور میزبان رسول حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انصار مدینہ سے جا کر ملتا ہے۔

مقام پیدائش اور وطن :......آپ ۱۹۱۴ھ کو انبیٹھ ہرزادگان ضلع سہارنپور، یوپی بھارت میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم :......آپ نے قرآن کریم اپنے آبائی قصبہ انبیٹھ ضلع سہارنپور میں حافظ مشیت اللہ صاحب مرحوم سے حفظ کیا اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۲۔۱۳ سال تھی۔ اس کے بعد آپ کو مظاہر العلوم سہارنپور میں ابتدائی تعلیم کے لئے بھیج دیا گیا۔ ایک سال بعد جب کہ آپ نے اردو، فارسی کی ابتدائی کتب پڑھ لیں، تکمیل تعلیم کے لئے آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت مولانا محمد الیاس

دہلوی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین اولیاء بھجوادیا۔ کافیہ تک آپ نے حضرت مولانا الیاس دہلوی نوراللہ مرقدہ سے پڑھا۔ صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغی جماعت آپ کے ہم سبق رہے۔ مزید تعلیم کے لئے دوبارہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا گیا، فنون کی تکمیل کے بعد ۱۳۵۵ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔

اساتذہ کرام :...... دورہ کے سال آپ نے درج ذیل اکابر سے اکتساب فیض کیا:

بخاری شریف جلد اول وابوداؤد شریف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ سے، بخاری شریف جلد ثانی مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، ترمذی اور ابن ماجہ شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری قدس سرہ سے، مسلم ونسائی اور طحاوی شریف حضرت مولانا منظور احمد خان سے اور نسائی شریف کا کچھ حصہ مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم سے پڑھیں۔

اس کے علاوہ مولانا الحاج قاری سعید احمد صاحب مرحوم، علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، مولانا الحاج محمد زکریا قاسمیؒ مولانا ظہور الحق صاحبؒ مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ بھی اپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

دورہ حدیث میں آپ کے رفقا :...... رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ، مولانا مظہر الدین بلگرامیؒ، صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی دامت برکاتہم، مولانا اخلیل احمد صاحب نعمانیؒ، مولانا خواجہ محمد علی صاحب سہارنپوریؒ قابل ذکر ہیں۔

درس وتدریس :...... فراغت کے بعد مدرسہ زینت العلوم قصاب پورہ دہلی میں درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔اسی دوران علم طب کی تحصیل حکیم امتیاز الدین دہلوی قریشی سے مدرسہ طیبہ میں ہوئی' ساتھ ہی تصنیف کا کام بھی جاری رکھا۔ایک سال پٹیالہ میں امام' اور پھر پندار طبیہ کالج میں پروفیسر معالجات رہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دہلی کے احباب کے اصرار پر واپس دہلی تشریف لے گئے۔ تعلیم و تبلیغ اور تصنیف وتالیف کے میدانوں میں خوب کام کیا اور پورے انہماک سے حصہ لیا تبلیغ میں پیدل جماعتوں میں بکثرت گئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی معیت میں جو جماعت سب سے پہلے حجاز مقدس گئی اس میں حضرت پیر جی نور اللہ مرقدہ بھی شامل تھے۔

تصانیف :...... دہلی کے قیام کے دوران آپ کی درج ذیل کتابیں شائع ہوئیں' اور شائع ہو رہی ہیں :

۱۔میری نماز' ۲۔ ہمارا کلمہ' ۳۔ہماری تعلیم ۴۔ مسلمان خاوند' ۵۔ مسلمان بیوی' ۶۔التبلیغ ۷۔اسلام کا اصلاحی پروگرام' ۸۔ خواتین اسلام' ۹۔ قبولیت دعا اور اس کے طریقے۔

پاکستان تشریف لانے کے بعد جو کتابیں تصنیف فرمائیں وہ یہ ہیں :

۱۔ حیات صوفیہ' ۲۔ حالات ومقالات صحابہؓ ۳۔ حالات ومقالات صوفیہؒ ۴۔ صفات صوفیہ' ۵۔ ذکر الغفور' ۶۔ فیض الغفور' ۷۔ جنت اور اس کی بہاریں

۸۔ الارکان فی الاسلام، ۹۔ پیر کے خط مریدوں کے نام، ۱۰۔ یاد دوست، ۱۱۔ جواہر الحدیث، ۱۲۔ تفسیر الحمد شریف، ۱۳۔ خاص خاص وظیفے، نمازیں، دعائیں، ۱۴۔ اعمال رحمانی، ۱۵۔ دعائیں اور ان کی طاقتیں، ۱۶۔ یادگار خطوط، ۱۷۔ فیضان ولایت ۱۸۔ مقبول دعائیں۔

آپ کی کتابوں کا سندھی، پشتو، ہندی، انگریزی، بنگالی، عربی اور روسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

آخری ایام تک آپ نے حدیث شریف پڑھانے کا مشغلہ اختیار کیا ہوا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف کو بھی باوضو خوشبو لگا کر اچھے کپڑے پہن کر پڑھانا چاہیئے۔ کیونکہ حدیث شریف کی مجلس دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہے۔

آپ نے خانقاہ شریف میں صحابی رسول حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام اور نسبت سے ایک عالی شان مسجد سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بتاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز جمعۃ المبارک سنگ بنیاد رکھا۔

آپ اپنی زندگی کی دعا کو مسجد کی تکمیل سے مشروط کیا کرتے تھے اکثر دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! اس مسجد کو میری زندگی میں مکمل کر دے۔ جو بحمد اللہ آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گئی۔

آپ نے دو سال سے خانقاہ غفوریہ میں شعبہ حفظ القرآن کا اجراء کیا جس میں فنِ قرأت و تجوید کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ آپ کے دیگر منصوبوں میں ایک

خیراتی ہسپتال اور ماہنامہ "آفتاب نبوت" کا اجرا بھی شامل تھا۔آپ نے ۷ ۲ مارچ ۱۹۹۸ءبروزاتوار خانقاہ نقشبندیہ غفوریہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

وفات......آپ نے ۱۶ جون ۱۹۹۸ء مطابق ۲۰ صفر ۱۴۱۹ھ بروز منگل عصر کی نماز کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنازہ کا منظر :...... حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ملک کے گوشہ گوشہ سے اہل سلسلہ و متوسلین کثیر تعداد میں پہنچنا شروع ہو گئے۔لوگ ہوائی جہازوں، خصوصی بسوں، اور کوچوں کے ذریعہ جنازہ میں شریک ہونے کیلئے گرمی میں دور دراز کا سفر طے کرتے ہوئے خانقاہ شریف پہنچے۔

بدھ کے روز شام عصر کی نماز کے بعد خانقاہ غفوریہ سے آپ کے جسد خاکی کو اٹھایا گیا چارپائی کو کندھا دینے والوں کے ہجوم کو دیکھ کر چارپائی کے ساتھ بانس باندھے گئے لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم تھا کہ جس کو ایک دفعہ کندھا دینے کا موقع ملا اسے دوبارہ جنازہ گاہ تک کندھا دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ جنازہ میں عوام کے علاوہ ضلع بھر کے علماء مشائخ، قراء طلباء، سیاسی وسماجی تنظیموں کے اعلیٰ عہدیدار بھی شریک ہوئے۔

نماز جنازہ صادق آباد کے مشہور اور وسیع ملٹری گراؤنڈ میں آپ کے جانشین فرزند ارجمند صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد سعید انصاری نے پڑھائی شہر صادق آباد کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ اور ایسے رقت آمیز مناظر کبھی دیکھنے میں

نہیں آئے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو خانقاہ غفوریہ کے احاطہ میں نماز مغرب سے قبل آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

کرامت بعد از وصال :......آپ کے جنازہ کی ایسی برکت ہوئی کہ بہت سے لوگوں نے بے راہ روی کی زندگی سے توبہ کی اور جو لوگ ڈاڑھیاں نہیں رکھتے تھے انہوں نے اپنے چہروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت سے سجالیا۔

آپ کی پوری زندگی سنت کے احیا کے لئے وقف تھی۔ اس ناطے آپ کا وجود عالم اسلام کے لیے نعمت کبریٰ تھا۔

آپ کی وفات سے دنیا ایک فیض رساں شیخ سے محروم ہوگئی۔ اور وہ جو ظاہری وباطنی علوم کا سمندر تھا' خشک ہوگیا اور عالم کو منور کرنے والا آفتاب غروب ہوگیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ماہنامہ بینات کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ)

مولانا ایوب جان بنوریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

بروز بدھ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۹۸ء جمعیت علمائے اسلام صوبہ سرحد کے امیر' دارالعلوم سرحد پشاور کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث' محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے برادر نسبتی اور پھوپھی زاد بھائی' امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص اور دارالعلوم دیوبند کے نامور شاگرد' بلند پایہ محدث ومفسر حضرت مولانا محمد ایوب جان بنوری رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ان للہ مااخذ ولہ مااعطی و کل شیءعندہ باجل مسمی۔

مرحوم گزشتہ ایک عرصہ سے علیل چلے آرہے تھے اور چند ماہ پیشتر ان کی اہلیہ اور حضرت بنوری قدس سرہ کی ہمشیرہ محترمہ بھی چند دن علیل رہ کر داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ مولانا موصوف ان دنوں صاحب فراش تھے کہ بروز بدھ پروانہ اجل آن پہنچا۔ موت سے کسی کو مفر نہیں' جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے' جس نے دنیا دیکھی وہ قبر بھی دیکھے گا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقا نہیں' اگر کسی کو بقا نصیب

ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اس کا کوئی مستحق نہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اور کون ہے جو یہاں ہمیشہ رہ سکے ؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی کی موت پر خاندان یا چند افراد روتے ہیں اور کسی کی موت پر جن وانس اور ملک وفلک روتے ہیں' کسی کی موت سے زمین وآسمان سکون پاتے ہیں تو کسی کی موت سے بزم علم وادب اُجڑ جاتی ہے' اور فکر وآگہی یتیم ہو جاتی ہے' اور پورا عالم اس پر نوحہ کناں ہوتا ہے' ایسے ہی لوگوں کی موت پر فرمایا گیا ہے :

"موت العالم موت العالم" (عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہے)

مولانا مرحوم کو علم وادب اور زہد و تقویٰ وراثت میں ملا کہ آپ نے خاندان سید آدم بنوری میں آنکھ کھولی' ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دار العلوم دیوبند کا قصد فرمایا تو وہاں اپنے دور کے جبال علوم خصوصاً امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ' شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ اور دیگر یگانہ روزگار اکابرین سے اکتساب فیض کیا۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن مالوف کا قصد فرمایا اور سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند اور بعد میں جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے مادر پدر آزاد سیاست کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صحیح اسلامی سیاست سے روشناس کرایا۔ ہمیشہ تجدد و الحاد کے مقابلہ میں سد سکندری ثابت ہوئے۔ پاکستان میں ملی اور ملکی مفادات کی کوئی ایسی تحریک نہ ہوگی جس میں مولانا موصوف نے قائدانہ کردار

ادا نہ کیا ہو۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ہو یا ۱۹۷۴ء کی ' نظام مصطفیٰ کی تحریک ہو یا امتناع قادیانیت آرڈی نینس کی تحریک (۱۹۸۴ء)' ہر ایک میں آپ نے جان بازی وجاں سپاری کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت مولانا نے سیاست کے ساتھ ساتھ اپنے علمی ذوق کی بھر پور آبیاری کی' قرآن اور سنت کی ترویج واشاعت اور امت مُسلمہ کو علوم نبوت سے آگاہ رکھنے کی غرض سے سرحد کے صوبائی دارالخلافہ پشاور میں ایک عظیم الشان دینی و علمی ادارہ قائم کیا جس میں حفظ وناظرہ سے لے کر دورہ حدیث شریف تک تمام علوم عقلی و نقلی کی تعلیم کا نہایت معقول انتظام فرمایا اور حیات مستعار کے تقریباً پچاس سال آپ نے اس میں بخاری شریف کا درس دیا۔ دارالعلوم سرحد اور اس سے فیض یاب ہونے والے ہزاروں علما کرام آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ آپ نے تحریک آزادی سے لے کر قیام پاکستان تک کی ہر تحریک اور نفاذ اسلام کی ہر جدوجہد میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اور بیرون پاکستان میں آپ کا وسیع حلقہ تھا' خصوصاً افغانستان میں روسی استعمار کے خلاف آپ کی مساعی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مولانا کی وفات اہل علم' خصوصاً حلقہ دیوبند اور خاندان بنوری کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا مرحوم کی وفات سے علمی دنیا میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی تلافی بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے لگائے ہوئے اس دارالعلوم کی حفاظت فرمائے اور اسے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے ساتھ رضا اور رضوان کا معاملہ فرمائے۔ آمین'

ادارہ بینات اور اس کے کارکنان حضرت مولانا کے پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ)

مولانا محمد عبداللہ شہید قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

اتوار ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۸ء دوپہر ۱۲ بجے جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے مہتمم، رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین، اور لال مسجد اسلام آباد کے خطیب حضرت مولانا محمد عبداللہؒ کو لال مسجد کے قریب گولی مار کر شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون.
ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیٔ عندہ باجل مسمی ۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل اور ہونہار شاگرد تھے، موصوف فراغت کے ابتدائی سالوں میں کچھ عرصہ ماہنامہ بینات کراچی میں خدمات انجام دیتے رہے مگر جلد ہی حضرت بنوری قدس سرہ نے انہیں اسلام آباد کے لئے منتخب فرما کر اسلام آباد بھیج دیا، موصوف نے اپنے شیخ و مربی کے انتخاب کی لاج رکھی اور اسلام آباد کی سنگلاخ وادی کو کلمہ حق سے معمور کر دیا، عام تاثر یہ ہے کہ جو لوگ سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں ان کے مزاج سے مولویت نکل جاتی ہے مگر دنیا جانتی ہے کہ موصوف اتنے بڑے عہدے پر ہونے کے باوصف متصلب دیوبندی اور پختہ کار عالم دین رہے، انہوں نے حق گوئی کے معاملہ میں کبھی سودے بازی سے کام نہیں لیا، کہتے ہیں کہ سابق صدر مرحوم ضیاء الحق صاحب سے کسی منچلے نے کہا کہ

آپ مصر، عرب کی طرح ان دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں کیوں نہیں لے لیتے ؟اس پر انہوں نے کہانہ بھائی نہ ۔۔۔ دیکھو اسلام آباد میں ایک مولوی عبداللہ صاحب ہیں' ہمارے قابو میں تو وہ بھی نہیں آتے ' اگر سارے مولوی اکٹھے ہو جائیں گے تو ہم ان پر کیونکر قابو پا سکتے ہیں ؟

مولانا مرحوم کو بھٹو دور میں زدو کوب کیا گیا' اغوا کر کے پہاڑوں میں پھینکا گیا مگر موصوف نے حق گوئی کے معاملہ میں کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف و کمالات سے متصف فرمایا تھا' وہ ہر ایک کی ضرورت' دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے' ان سے کسی کا دکھ درد دیکھا نہیں جاتا تھا' ان کے پاس اپنے کام سے جو بھی چلا جاتا مولانا اپنے تمام کاموں کو مؤخر کر کے اس کے ساتھ چل پڑتے اور اس کا کام کرائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔

ان کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ باقاعدہ کسی جماعت پارٹی میں شامل نہیں تھے' مگر اہل حق کی ہر جماعت کو اپنی جماعت اور ہر پارٹی کو اپنی پارٹی سمجھتے' اسی طرح اہل حق کی ہر جماعت ان کو اپنا نمائندہ تصور کرتی۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب نے اپنے علمی ذوق اور اشاعت دین حق کی غرض سے اسلام آباد میں جامعہ فریدیہ کے نام سے ایک معیاری دینی ادارہ قائم فرمایا تھا۔ جہاں حفظ وناظرہ سے لیکر دورہ حدیث تک تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

مولانا کا قتل علم ودیانت' شرافت ونجابت کا قتل ہے۔ ایسے بے لوث مخلص علما جو اس دور میں حق کی علامت سمجھے جاتے ہیں ان کا قتل کسی گہری سازش کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے' عام تاثر یہ ہے کہ حکومت اور ایجنسیوں کا کام

ہے۔ اس لئے کہ مولانا کا پاکستان بھر میں ایک اثر تھا اور خصوصاً اسلام آباد میں وہ ایک خاص مقام رکھتے تھے اور وہ حکومت کے عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ تھے' اگر یہ سچ ہے تو سمجھنا چاہئیے کہ یہ حکومت اور ایسی سوچ رکھنے والوں کی تباہی کا پروانہ ہے' کیونکہ حق سے ٹکرانا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں سے حق کو مٹانے کی ناپاک کوشش میں کامیاب ہو جائے گی تو یہ اس کی بھول ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی زندگی بھر کی لغزشوں کی مغفرت فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۴۱۹ھ)

حکیم محمد سعیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

اتوار ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۸ء صبح ۶ بجے ملک کے مشہور و معروف طبیب اور نامور ادارہ "ہمدرد وقف پاکستان" کے بانی و متولی جناب حکیم محمد سعید مرحوم کو ان کے معاون، حکیم عبد القادر اور نائب قاصد سمیت' ان کے مطب واقع آرام باغ کے باہر گولی مار کر شہید کر دیا گیا ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ بچپن ہی میں تقریباً نو سال کی عمر میں انہوں نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر لی تھی۔ دیگر عصری علوم کی تعلیم کے علاوہ دہلی سے طب یونانی کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان آجانے کے بعد کچھ عرصہ وہ شعبہ تعلیم سے منسلک رہے اور بعد مین طب یونانی کو ہی انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا' اور اس میدان میں انہوں نے بہت شہرت پائی۔ ادارہ "ہمدرد" انہیں کی مساعی سے دنیا بھر میں معروف ہے اور اس کی مصنوعات تقریباً دنیا کے ہر شہر میں دستیاب ہوتی ہیں' موصوف کچھ عرصہ تک سندھ کے گورنر بھی رہے' اب ایک عرصہ سے انہوں نے مدینۃ الحکمت کے نام سے علم و حکمت کا ایک مستقل شہر بسا لیا تھا' جہاں

اسکول وکالج اور یونیورسٹی تک کی تمام تعلیم کا انتظام ہے۔ موصوف مرنج ومرنجان شخصیت کے مالک تھے۔ نہایت وضع دار' پکے نمازی اور نہایت ہمدرد انسان تھے۔ موصوف کی سعادت وحسن خاتمہ کی علامت ہے کہ انہوں نے روزہ رکھا' صبح کی نماز باجماعت ادا کی' اور خدمت خلق کی غرض سے اپنے مطب کے دروازہ پر پہنچ کر ناحق' ظلماً شہید کردئے گئے اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے آمین' اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ بیّنات کراچی رجب ۱۴۱۹)

مولانا محمد موسیٰ خانؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز پیر جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے تلمیذ رشید، حضرت مولانا شمس الحق افغانی کے جانشین، علم و عمل اور ممتاز روحانی و علمی شخصیت حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی البازی رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

حضرت مولانا موسیٰ خان صاحب اپنے وقت کے متبحر عالم دین تھے، مولانا موصوف کو تفسیر وحدیث، فقہ وادب اور دیگر معقولات وفنون متداولہ پر خصوصی دسترس تھی آپ علم فلکیات کے ماہر شمار ہوتے تھے۔ تقویٰ وطہارت اور دین ودیانت میں ممتاز اور اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔ کم گوئی، کم آمیزی اور شان استغنیٰ میں وہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سی اصول پسندی اور محبوبیت کی شان کے مالک تھے۔ طلبا ان کے درس کے عاشق زار تھے انہیں بھی اپنے شاگردوں سے بیٹوں جیسا پیار تھا اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعتبار سے بھی انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا۔ مال داروں کو محض ان کے مال کی بنا پر اہمیت دینے کے روادار نہ تھے۔ ان کی بارگاہ میں حاجت مندوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ان کے تعویذات و عملیات میں ان کے تقویٰ و طہارت کی بدولت

ایک خاص تاثیر تھی، مولانا فساق وفجار سے میل جول کے روادار نہ تھے بلکہ ان سے سلام وکلام میں پہل کرنے میں بھی احتیاط برتتے تھے۔

موصوف کے رعب ودبدبہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے معاصرین ان سے کسی قسم کی سفارش کرتے ہوئے گھبراتے، مگر علما اور طلبا کے لئے نہایت ہی نرم خو اور خوش خلق تھے اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے اور نوافل مستحبات تک چھوڑنے کے قائل نہ تھے۔ ان کی اس پاکیزگی طبع اور اتباع سنت کے آثار ہیں کہ انہیں مسجد میں اور نماز عصر کے قعدہ اخیرہ کی حالت میں دل کا دورہ ہوا اور اسی حال میں بے ہوش ہوگئے۔ امام نے سلام پھیر دیا مگر مولانا موصوف اسی طرح حالت نماز میں رہے، احباب اور تلامذہ کو رعب مانع ہوا کہ ان کو کس طرح متوجہ کیا جائے کہ نماز پوری ہوگئی ہے۔ جب انہیں غور سے دیکھا گیا تو ان پر دورہ کی شدت کا احساس ہوا، ہسپتال لے جایا گیا راستہ میں کلمہ پڑھتے ہوئے جان جان افریں کے سپرد کردی۔

مولانا کی مقبولیت عند اللہ کی ایک واضح علامت جو ہزاروں لوگوں نے مشاہدہ کی اور خاص وعام حتی کہ اخبارات تک اس کا چرچا ہوا کہ حضرت مولانا کی تدفین کے بعد ان کی تربت سے عجیب وغریب قسم کی خشبو اور مہک اٹھی اور لوگ عقیدت ومحبت میں قبر کی مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔ بڑی مشکل سے لوگوں کو اس سے منع کیا گیا۔

مولانا موصوف کئی کتابوں کے مصنف تھے جو اہل علم حلقہ میں متعارف ومشہور ہیں۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ انہوں نے فتح الملہم شرح مسلم کے تکملہ پر بھی کام شروع کیا تھا مگر شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہ کے تکملہ فتح الملہم شرح مسلم کی اشاعت وتکمیل کے بعد جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے بھی

تو اس پر کچھ لکھا تھا؟ فرمایا ہاں لکھا تھا مگر وہ قدرے طویل ہو گیا' استفسار پر بتلایا کہ اس کے تقریباً پندرہ ہزار صفحات ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان کی اولاد اور متعلقین کو چاہیئے' کہ وہ اس خزانہ عامرہ کو منظر عام پر لائیں اور امت کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیں' اسی طرح مولانا موصوف کی دیگر تصنیفات کے متعدد مسودے بھی طباعت کے منتظر ہیں۔ خدا کرے ان کی طباعت واشاعت کا انتظام ہو جائے۔

مولانا کی وفات سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی بظاہر مشکل ہے' اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی لغزشوں سے درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی رمضان ۱۴۱۹ھ)

حضرت مولانا سعید احمد خانؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

بروز شنبہ ۲۵/ رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۹۸ء بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس سرہ کے تربیت یافتہ' مظاہر علوم سہارنپور کے چشم وچراغ اور حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز' داعی کبیر اور دعوت و تبلیغ کے روح رواں حضرت مولانا سعید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں راھیٔ عالم آخرت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ و کل شیٔ عندہ باجل مسمیٰ۔

آپ نے ابتدائی طور پر میٹرک تک انگلش اور عصری تعلیم حاصل کی مگر حضرت تھانویؒ کی کسی کتاب کے مطالعہ سے زندگی کی کایا پلٹ گئی' اور عصری علوم کے بجائے دینی تعلیم کے لئے مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوگئے اور وہاں سے ہی ۱۳۶۰ھ میں دورہ حدیث سے فراغت ہوئی' فراغت کے بعد تکمیل کی' اور ایک سال مظاہر علوم میں ہی متفرق خدمات انجام دیں' اس کے اگلے ہی سال بستی نظام الدین میں مولانا محمد الیاس قدس سرہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ آپؒ کی استعداد' لگن اور شوق کو دیکھ کر بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے اپنی خصوصی توجہات سے نوازا، یہ انہیں کی قربت کا اثر تھا کہ

مولانا موصوف فنافی التبلیغ ہو گئے اور انہیں دعوت و تبلیغ کے کام سے گویا عشق ہو گیا اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ دعوت و تبلیغ ان کی روح کی غذا تھی۔ وہ ہر حال میں اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کی فکر و سوچ میں مستغرق رہتے' وہ جسم و جان کے اعتبار سے نحیف و نزار تھے مگر میدان عمل میں وہ کسی پہلوان سے کم نہ تھے۔ سہارے سے اٹھائے جانے والے اس بوڑھے مرد مجاہد کو جب منبر پر بٹھادیا جاتا تو ان کی شیر کی سی گرج سے انہیں کوئی بوڑھا تصور نہ کرتا' اپنے کھانے پینے اور پہننے کی کبھی پروا نہیں کی' نام و نمود اور ریا و دکھلاوا کے لفظ سے ناآشنا تھے۔ اکابر اور معاصر علماء میں یکساں مقبول تھے۔

اپنے سے بڑوں کی عزت و احترام کے علاوہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ہم عصروں کی توقیر و قدر دانی میں ممتاز تھے۔ آپ کے انہیں اوصاف و کمالات کے پیش نظر انہیں عرب میں دعوت تبلیغ کے کام کو متعارف کرانے کیلئے حجاز مقدس بھیجا گیا۔ آپ کی محنت و سعی اور آہ سحر گاہی کا ثمرہ تھا کہ عرب حضرات نہ صرف اس کام میں جت گئے بلکہ دیوانہ وار آپ پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے آپ کو سعودی عرب کی مستقل رہائش یعنی نیشنلٹی مل گئی مگر جب حکومت وقت نے ان کی رہائش منسوخ کی تو وہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر پاکستان آگئے مگر ان کی حرمین کی حاضری میں کبھی تعطل نہیں آیا۔ اس سال بھی عمرہ کیلئے حرمین تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں بیمار ہو گئے تین دن سے کھانا پینا اور بول چال بند تھی مگر نمازیں تمام کی تمام مسجد نبویؐ میں ہوتی رہیں اور بالآخر ۲۵ رجب ۱۴۱۹ھ کو راہ جنت کے تھکے ماندے مسافر کو آرام آگیا اور جان جان آفرین کے

سپرد کردی اور وہیں جنت البقیع میں ہی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماکر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

(ماہنامہ بینات رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

مولانا حافظ عبدالشکورؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بروز ۳ شعبان ۱۴۱۹ھ صبح دس بجے میرے خواہر زادہ اور رفیق تصنیف شعبہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جناب حافظ عبدالشکورؒ رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف کی جامعہ خیر المدارس ملتان سے فراغت تھی' جب کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں انہوں نے تخصص فی الفقہ کا کورس کیا تھا' مولانا بہت ہی ذہین' ذی استعداد عالم تھے' فراغت کے فوراً بعد آرمی سے منسلک ہوگئے تھے۔ وہاں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد نیوی میں امام اور خطیب ہوگئے تھے' نیوی میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث وفقہ کے شعبہ سے منسلک فرمانے کے اسباب بنادیئے۔ چنانچہ بیمار ہوئے تو ڈاکٹروں کے بورڈ نے انہیں دل کا مریض قرار دیتے ہوئے ریٹائر کردیا' یوں وہ شعبہ تصنیف وتالیف "آپ کے مسائل اور ان کا حل" سے منسلک ہوگئے۔ مولانا طبعاً جزرس واقع ہوئے تھے' اس لیے وہ بہت عمدہ مصحح تھے' جو کام ان کے ذمہ لگادیا جاتا وہ اسے نہایت ذمہ داری سے نبھاتے' مولانا مرحوم کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے پورے زمانہ طالب علمی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی ومہتمم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری

قدس سرہ کی خدمت کو اپنا معمول بنائے رکھا۔ چنانچہ مولانا مرحوم کو حضرت جالندھریؒ کا خوب خوب اعتماد حاصل تھا' وہ حضرت کے خادم خاص سمجھے جاتے' اور انہیں سفر و حضر میں رفاقت کا قابل فخر اعزاز رہا۔ اور زندگی بھر ان کی دعائیں ان کے لیے سرمایہ افتخار رہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کاملہ فرماکر انہیں ملحق بالصالحین فرمائے ۔آمین اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کو اپنی دعاؤں میں ضرور شریک رکھیں اور ایصال ثواب سے دریغ نہ کریں۔

(ماہنامہ بینات رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی

اہلیہ کی وفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۹ دسمبر ۱۹۹۸ء مطابق ۱۹ شعبان ۱۴۱۹ھ بروز بدھ صبح دس بجے حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی اہلیہ محترمہ چند دن بیمار رہنے کے بعد انتقال فرماگئیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ایک ہفتہ قبل ان پر فالج کا حملہ ہوا' جو اتنا شدید تھا کہ جان لیوا ثابت ہوا' مرحومہ ایک باکردار خاتون' صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ حضرت حکیم صاحب کی صحبت وترتیب نے انہیں کندن بنادیا تھا۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی زندگی بھر کی کوتاہیوں سے درگزر فرماکر ان کی مغفرت فرمائے' اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے' ادارہ بینات حضرت حکیم صاحب مدظلہ اور مرحومہ کی اولاد خصوصاً مولانا محمد مظہر صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ماہنامہ بینات کراچی رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ)

مولانا محمد طاسین قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب آٹھ بجے حضرت اقدس امام العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے سب سے بڑے داماد اور مجلس علمی کراچی کے ناظم اعلیٰ اور مدیر جناب مولانا محمد طاسین صاحب مختصر علالت کے بعد ہسپتال میں رحلت فرما گئے اناللہ واناالیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک پختہ کار عالم اور ذی استعداد فاضل تھے، اردو انشأ پردازی میں بہترین ملکہ رکھتے تھے، مختلف معاصر جرائد ورسائل میں ان کے مضامین خصوصی اہمیت سے شائع ہوتے۔ آبائی وطن ہزارہ تھا مگر ان کی شستہ زبانی سے انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ آپ دہلی سے تعلق رکھتے ہیں یا ہزارہ سے۔ جس طرح بولنے میں وہ ستھرا ذوق رکھتے ایسے ہی لکھنے لکھانے میں بھی اُن کا ذوق بہت نفیس تھا، فراغت کے بعد سے ہی تصنیف وتالیف سے منسلک ہوگئے۔

امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اور محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کی تشویق وتحریص پر ڈابھیل متحدہ ہندوستان کے اہل خیر اور علمأ نے اشاعت دین کی غرض سے مجلس علمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں مختلف علوم وفنون کی نفیس جامع لائبریری کے

علاوہ نادر ونایاب کتابوں کی اشاعت کا کام بھی تھا' حضرت بنوری قدس سرہ نے لائبریری کراچی منتقل ہونے کے بعد مولانا مرحوم کو اس مجلس کا ذمہ دار مقرر کیا اور مولانا نے زندگی بھر یہ ذمہ داری نہایت سلیقہ سے نبھائی۔ یہاں تک کہ مولانا مرحوم کو جنوبی افریقہ کے اہل خیر خصوصاً حضرت بنوریؒ اور مجلس علمی سے متعلق حضرات کا اعتماد حاصل ہو گیا اور وہ ہر سال لاکھوں کی اپنی زکوٰۃ وصدقات وعطیات کی رقم مولانا مرحوم کو بھیجتے اور موصوف اسے نہایت چھان پھٹک کر صحیح مصرف پر خرچ کرتے' اور اہل مدارس کو حسب مراتب عنایت فرماتے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی سیئات کو مبدل بہ حسنات فرما کر انہیں ملحق بالصالحین فرمائے آمین۔

ادارہ بینات مولانا کے پسماندگان خصوصاً جناب صاحب زادہ محمد عابد صاحب اور جناب صاحبزادہ محمد عامر اور سب بچوں کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين -

(ماہنامہ بینات کراچی شوال المکرم ۱۴۱۹ھ)

مولانا مرحوم کی وفات پر ماہنامہ بیّنات کی گزشتہ اشاعت میں بہ عجلت مختصر سا شذرہ لکھا گیا مگر وہ مولانا مرحوم کی شخصیت' حالات اور خدمات کے اعتبار سے تشنہ اور نامکمل تھا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا مرحوم کے صاحبزادۂ گرامی جناب محمد عابد بنوری صاحب سلمہ اور عزیز محمد عامر طاسین سلّمہٗ نے مولانا مرحوم کے حالات وخدمات پر مشتمل سوانحی خاکہ عنایت فرمایا ہے جس کی مدد سے درج ذیل مضمون تیار کر کے قارئین بینات کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بہت ہی گوناگوں خصوصیات و کمالات سے نوازا تھا، مولانا موصوف نہایت ہی ذکی وذہین اور فاضل انسان تھے، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جدید وقدیم علوم پر خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ وہ بہترین مدرس، لائق وفاضل مصنف اور بہترین متکلم تھے۔ آپ ۱۹۲۰ء میں ہری پور ہزارہ میں جناب عبدالرحمٰن صاحبؒ کے گھر میں پیدا ہوئے، مقامی مکتب اور اسکول کی تعلیم کے بعد درس نظامی کی ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے دینی مدارس میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کا موقع یوپی انڈیا کے بعض دارالعلوم، دیوبند، مرادآباد، امروہہ وغیرہ میں ملا مدرسہ شاہی مرادآباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ امروہہ میں بحیثیت استاد، اعلیٰ درجات کو چار سال (۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء) تک پڑھاتے رہے۔

تقسیم کے بعد پاکستان کے متعدد مدارس جیسے دارالعلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ بنوری ٹاؤن میں مولانا مرحوم درجہ تخصص میں مقدمہ ابن خلدون وغیرہ پڑھاتے رہے، جدید سماجی، معاشرتی، سیاسی علوم سے آگاہی طویل مطالعے سے ہوئی، مگر معاشیات کا مطالعہ آپ کا خاص موضوع رہا جیسا کہ مولانا کی کتابیں اس کی شاہد ہیں، کچھ عرصہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی میں بحیثیت ریڈر ریسرچ اسکالر کے تدریس اور تحقیق میں مشغول رہے۔ ذوق وشوق مطالعہ نے مجلس علمی لائبریری (جو اسلامی علوم کی ممتاز اور قدیم لائبریری ہے) کی سربراہی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مولانا ہی کے وجود سے مجلس علمی روایت، درایت اور جدید و قدیم کا سنگم بن گئی، گویا کہ مجلس علمی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ رسمیت کا دائرہ چاک

کر کے حقیقت پسندی پر جا پہنچی، مولانا نے لائبریری سے استفادہ کرنے والے مصنفین ریسرچ اسکالر کی علمی رہنمائی کا حق ادا کیا۔ علوم اسلامی، تاریخ اسلامی اور اسلامی سوشل سائنس کے بہت سے پی ایچ ڈی کے طلبا کو مقالے تیار کرنے میں ہر ممکن علمی مدد کی جو آج مختلف یونیورسٹیوں میں بحیثیت ڈاکٹر و پروفیسر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نے مختلف اسلامی موضوعات پر وقتاً فوقتاً بہت سے مقالے لکھے ہیں جو اعلیٰ معیار کے علمی ماہناموں میں شائع ہوئے، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ ریڈیو پاکستان پر مختلف موضوعات سے متعلق بکثرت تقاریر اور پروگرام نشر ہوئے، اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہے، کراچی یونیورسٹی اور کوئٹہ یونیورسٹی، اسلام آباد میں شعبہ دعوۃ اکیڈمی اور دیگر بعض کونسلوں کے ممبر بھی رہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل مقالات کے ممتحن بھی رہے، تقریباً سات سال تک وفاقی شرعی عدالت کے ماہر شریعت مشیر رہے، اور انکوائری برائے خواتین کمیشن کے رکن بھی رہے، جو فیڈرل گورنمنٹ کا مقرر کردہ اعلیٰ سطحی کمیشن تھا جس کے چیئرمین سپریم کورٹ کے سینئر جج تھے۔ مولانا موصوف کئی کتب کے مصنف تھے جو شائع ہو کر خوب تعارف حاصل کر چکی ہیں چنانچہ درج ذیل کتابیں مولانا کا علمی ذخیرہ ہیں:

"(۱) خطبات ماثورہ (۲)، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، (۳) اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، (۴) سیرت طیبہ میں حکمت کا پہلو، (۵) سیرت محمدیہ کا سیاسی پہلو، (۶) سیرت محمدیہ کا معاشی پہلو، (۷) معاشی مساوات اور سیرت محمدیہ، (۸) عورتوں کی شہادت قرآن و حدیث کی روشنی میں، (۹) شوریٰ

کا اسلامی تصور، (۱۰) تغیر پذیر معاشرے میں شریعت کا کردار، (۱۱) قرآن کی اخلاقی و قانونی تعلیمات، (۱۲) عدل اجتماعی کا اسلامی تصور، زیر طبع (۱۳) بعض اہم معاشی معاملات کی شرعی حیثیت کا تحقیقی جائزہ۔ (۱۴) سود، سودی و غیر سودی بنکاری اور بیمہ وغیرہ سے متعلق اسلامی نقطہ نظر۔

مولانا محمد طاسین مرحوم بے شمار خصائل کے حامل، پختہ کار عالم تھے۔ آپ جہاں جدید معاشیات میں اپنا ایک نقطہ نظر اور مستقل سوچ و فکر رکھتے تھے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو اکابر علمائے دیوبند کی تحقیقات سے بھی مستغنی نہیں سمجھتے تھے۔

ان میں یہ کمال تھا کہ اگر وہ اپنے اصاغر و معاصر علمائے میں کوئی اچھائی اور خوبی دیکھتے یا ان کی تقریر و تحریر کا کوئی پہلو انہیں پسند آتا تو وہ اس پر کھلے دل سے داد دیتے، اس کے علاوہ اگر ان کے نقطہ نظر یا سوچ و فکر کے زاویہ سے کوئی بات نیچے گری ہوئی محسوس ہوتی تو وہ اس پر برملا تنقید فرماتے۔

چونکہ اکثر و بیشتر مولانا مرحوم کے مضامین و مقالات ماہنامہ "حکمت قرآن" اور ماہنامہ "میثاق" لاہور میں شائع ہوئے۔ اور جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تنظیم کے مستشارین کی فہرست میں بھی آپ کا نام شامل کر رکھا تھا اس لئے عام تاثر یہ تھا کہ مولانا مرحوم ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات اور ان کی فکر سے متفق ہیں، نہیں تو کم از کم ان سے متاثر ضرور ہیں۔

مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا موصوف کو کہ انہوں نے اپنے بارہ میں پیدا ہونے والی اس غلط فہمی کو اسی وقت دور فرما دیا جب راقم الحروف نے آج سے ۱۵/۱۶ سال پیشتر ۱۴۰۵ھ میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک اور ان کی شخصیت پر گرفت کرتے ہوئے بینات کی مسلسل دو اشاعتوں میں ان کی قابل

گرفت باتوں کی نشاندھی کی تھی، چنانچہ اس پر موصوف نے نہایت مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا اور اس پر راقم الحروف کو ایک خط لکھا جس میں بزرگی کا ثبوت دیتے ہوتے اس کا اعتراف فرمایا کہ میں اس پر مبارک باد کے لئے خود آنا چاہتا تھا مگر مصروفیت کے باعث نہ آسکا۔ اور اسی خط میں اپنے معاشیات کے مضامین کی تصحیح اور نظر ثانی کی بھی فرمائش کی، کیا ہی اچھا ہوتا کہ موصوف کا یہ مکتوب ان کی وفات کے وقت لکھے گئے بینات کے شذرہ میں آجاتا۔ مگر افسوس کہ یہ اس وقت دستیاب نہ ہو سکا، اب خطوط کی فائلوں سے یہ قومی امانت دستیاب ہوئی ہے، جی چاہتا ہے کہ مولانا کا مکتوب من وعن شائع کر کے ان کی وسعت ظرفی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریک کے بارے میں ان کی سوچ وفکر کو واضح کر دیا جائے۔ وہ خط درج ذیل ہے :

"۶ر فروری ۱۹۸۵ء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر گرامی قدر محترم مولانا محمد یوسف صاحب زادک اللہ قدراً !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ !

امید کہ بفضلہ تعالیٰ آپ خیریت سے ہوں گے اور دینی وعلمی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق شامل حال ہو گی ! خود حاضر ہو کر بالمشافہ بات چیت کا ارادہ تھا لیکن بعض مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا اور خط لکھنا پڑا، انشاء اللہ آئندہ کسی وقت ملاقات کی کوشش کروں گا، مقصد یہ عرض

کرنا ہے کہ بینات کے پچھلے اور تازہ شمارے کے اداریئے پڑھ کر خوشی ہوئی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بعض افکار وخیالات پر آپ کی گرفت اور تنقید بالکل بجا ودرست ہے ان کی جن عبارات پر آپ نے تنقید فرمائی ہے 'پڑھتے وقت مجھے بھی سخت کھٹکی تھیں اور دل میں آیا تھا کہ کیا اچھا ہو کوئی ان پر تنقیدی انداز سے لکھے سوالحمدللہ اس کی توفیق اور سعادت آپ کے حصہ میں آئی جزاکم اللہ!

ڈاکٹر صاحب کی کئی چیزوں سے مجھے شدید اختلاف ہے اور میں اچھا نہیں سمجھتا' مثلاً شہرت اور عُجب وخودرائی کا مرض' امامت وبیعت کا شوق، اپنی تائید میں دوسروں کو استعمال کرنے کی روش وغیرہ' لہٰذا ذھنی طور پر میں ان سے الگ ہو گیا ہوں 'مستشارین کی فہرست میں میرا جو نام لکھ رکھا ہے عنقریب اس سے بھی چھٹکارہ حاصل کرنے کا ارادہ ہے تاکہ اس سے لوگ مجھے ان کا ہم خیال اور ہم مشرب ہونے کا دھوکہ نہ کھائیں۔

میرے جو مضامین ان کے رسالوں میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں یہ وہ ہیں جو میں نے ان کے بعض سیمناروں اور جلسوں میں پڑھے۔ زمینداری ومزارعت پر میرا اصل مضمون تقریباً پندرہ سال پہلے فکر ونظر میں شائع ہو کر اہل علم کی نظر سے گزر چکا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس

کا پورا علم تھا اور وہ خاموش رہے کبھی ناخوشی کا اظہار نہیں فرمایا' اس لئے بھی کہ میں نے جو کچھ لکھا امام اعظمؒ کے موقف کی تائید میں تھا بلکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے موقف کی بھی مدلل وکالت تھی' بہر حال میں اس وقت کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زمینداری کے متعلق میرا جو مضمون کچھ عرصہ پہلے ماہنامہ حکمت قرآن کے اندر پندرہ قسطوں میں شائع ہوا' بعض حضرات کا اصرار ہے کہ میں اسے کتابی شکل میں شائع کروں' لیکن مجھے اس میں تأمل ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے حضرات میں سے کوئی اسے تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھے اور اس کی غلطیوں اور خامیوں کی نشاندھی فرمائے اور مجھے اس کی اصلاح و تصحیح کا موقع ملے' لہٰذا میری گزارش ہے کہ آپ ازراہ کرم اور علم نوازی' اسے بغور ملاحظہ فرمائیں اور مجھے میری لغزشوں اور غلطیوں پر متنبہ فرماکر دینی خیر خواہی کا حق ادا کریں' بے حد ممنون وشکر گزار ہوں گا۔ حکمت قرآن میں شائع شدہ مضمون کی کاپی ارسال خدمت ہے کتابت کی غلطیاں اس میں کچھ ہیں لیکن اصل مسودہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کے مقابلہ میں اس کا پڑھنا قدرے آسان ہوگا، کوئی جلدی نہیں آپ اپنی فرصت اور سہولت کے مطابق اسے ملاحظہ فرمائیں، اور غلطیوں کی نشاندہی الگ کاغذ پر صفحات کے حوالہ سے فرماتے جائیں آپ

ماشاءاللہ اس میدان کے شاہسوار ہیں۔
ہو سکے اور مناسب سمجھیں تو یہ بھی تحریر فرمادیں کہ موجودہ حالات میں اس قسم کے مضامین کی اشاعت سے دین اسلام کی کوئی خدمت ہو سکتی ہے یا نہیں اور سوشلزم کے مقابلہ میں اس قسم کی علمی کوششوں سے اسلام کا کچھ دفاع ہو سکتا ہے یا نہیں ؟؟

تہہ دل سے دعا ہے :اللّٰھم ارناالحق حقاوارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاوارزقنا اجتنابه ،،آمین والسلام

احقر محمد طاسین عفی عنہ"

مولانا مرحوم کی وفات اس قحط الرجال کے دور میں ایک ایسا سانحہ ہے جسے اندرون وبیرون ملک برابر محسوس کیا گیا چنانچہ جامعہ کے ساتھ ان کے تعلق کی بنار پر بیرون ملک حضرات نے فون اور خطوط کے ذریعہ مولانا مرحوم کے متعلقین کی طرح مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ کو بھی تعزیتی خطوط لکھے ذیل میں جامعہ کے مخلص اور حضرت بنوری کے شاگرد جناب مولانا مطیع الرسول صاحب کا تعزیتی مکتوب نقل کیا جاتا ہے :

چند دن پہلے یہ افسوس ناک خبر ملی کی حضرت مولانا طاسین صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے انالله وانااليه راجعون۔
اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور کروٹ کروٹ ان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے۔آمین۔" موت العالم موت العالم والی بات ہے

قحط الرجال کے زمانہ میں ایسا آدمی ملنا انتہائی مشکل ہے۔ تمام مدرسین اور متعلقینِ حضرت کی خدمت میں تعزیت پیش فرمادیں۔ آپ کی مصروفیت تو زیادہ ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی پرانے ساتھیوں کو یاد کر لیا کریں۔

والسلام شریک غم اخوکم

مطیع الرسول۔ نیروبی"

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد طاسینؒ کے درجات بلند فرمائے، ان کی مغفرت فرما کر ان کے ساتھ رضا اور ضوان کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات شوال ۱۴۱۹ھ کراچی)

حضرت مولانا
عبدالکریم قریشیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ۴ر جنوری ۱۹۹۹ء تقریباً سات بجے شام خانقاہ بیر شریف کے سجادہ نشین، حضرت اقدس مولانا حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص، جمعیت علما اسلام پاکستان کے سرپرست، مدرسہ عربیہ سراج العلوم بیر شریف کے بانی و مہتمم تحریک ختم نبوت کے روح رواں پاکستان کی ممتاز روحانی شخصیت، پیر طریقت سراج العلماً حضرت مولانا عبدالکریم قریشی رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان للہ مااخذولہ مااعطی و کل شیٔ عندہ باجل مسمیٰ۔

حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ کی شخصیت طبقہ اہل علم میں محتاج تعارف نہیں۔آپ کا شمار ان اکابر اہل اللہ میں ہوتا ہے جن پر شرافت ودیانت ناز کرتی ہے، جن کے دم قدم سے زندگی نقش پا ڈھونڈھتی ہے اور جن کے وجود سے علم و عرفان کی مجالس رونق پاتی ہیں اور جن کے زہد و تکشف پر ملائکہ رشک کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ بلاشبہ اپنے دور کے ایک بلند پایہ بزرگ اور عالم ربانی تھے۔آپ کو عوام وخواص میں یکساں محبوبیت کا شرف

حاصل تھا، آپ کی ثقاہت علم اور تقویٰ وطہارت کی دنیا معترف تھی۔ اس وقت سندھ بھر میں آپ کو جس مرجعیت کا مقام حاصل تھا شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو۔

مریدین و متعلقین کے لئے آپ کا ہر قول و فعل سند کا درجہ رکھتا تھا، آپ کا حلقہ ارادت ہزاروں سے متجاوز تھا۔ آپؒ کے مسترشدین پر بھی آپ کا خصوصی رنگ تھا، اتباع سنت آپ کا طرہ امتیاز تھا، سادگی و بے تکلفی میں آپ ممتاز و منفرد تھے، اتباع شریعت میں کسی رورعایت کے قائل نہ تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں "لایخاف لومة لائم" کی سچی تصویر تھے۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں آپ قنبر ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اندرون سندھ کے اکابر علما و صلحا سے حاصل کی، فراغت کے بعد مظہر العلوم کھڈا کراچی اور سندھ کے دوسرے اہم مدارس میں علوم عربیہ کی اہم کتب کی تدریس فرمائی۔ آخر میں اپنے مرشد و مربی شیخ المشائخ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہ کے حکم پر اپنے آبائی گاؤں بیر شریف کو مرکز رشد و ہدایت بنالیا، چنانچہ آپ نے بیر شریف میں مدرسہ عربیہ سراج العلوم کی بنیاد رکھ کر تشنگان علوم کی سیرابی اور سالکان راہ طریقت کی اصلاح و تربیت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور تادم آخرین آپ کے اس معمول میں تخلف نہیں آیا۔ آپ دورہ حدیث شریف کی تمام کتابیں خود پڑھاتے اور باقی اوقات اپنے مریدین و متعلقین کی اصلاح و تربیت میں صرف فرماتے، آپ بلند پایہ عالم، خدا رسیدہ بزرگ، اور طبیب حاذق بھی تھے، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اصحاب ضرورت کا آپ کے پاس ہجوم ہوتا، کسی

کو تعویذ دیتے، کسی کو نسخہ لکھ کر دیتے اور کسی کی نقد مدد فرماتے، گرمی ہو یا سردی، آپ کے اس معمول میں کبھی تعطل نہ ہوتا۔

آپ ملک میں نفاذ اسلام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، اس سلسلہ کی ہر تحریک اور کوشش میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، اسی کے ساتھ ملک میں فتنہ قادیانیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے لئے نہایت فکرمند اور بے تاب تھے، عوام میں فتنہ قادیانیت کی سنگینی کو اجاگر کرنے کیلئے آپ نے متعدد بار سندھ بھر کا دورہ کیا، قریہ، قریہ اور شہر، شہر پھر کر آپ نے ناموس رسالت کے تحفظ کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کیا، اور عوام و خواص کو اس سلسلہ میں بیدار کیا، یوں تو آپ کو تمام منکرات سے حد درجہ کا نفور تھا، مگر ایک ایسا منکر جس کے بارے میں آج کل کچھ زیادہ ہی سہل پسندی سے کام لیا جاتا ہے یعنی.......... فوٹو، مصوری اور موی وغیرہ کو آپ اشد الکبائر سمجھتے، حتیٰ کہ آپ نے تصویر سازی سے اسی نفرت کے باعث زندگی بھر شناختی کارڈ نہیں بنایا۔ ایسے اولوالعزم اکابر علما کا اٹھ جانا یقیناً امت کے لئے بڑی محرومی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے: "موت العالم موت العالم" (یک عالم دین کی موت پورے جہان کی موت کے مترادف ہے۔)

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرما کر جنت کے درجات عالیہ پر فائز فرمائے اور ہمیں انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور پسماندگان متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ)

صاحبزادہ حافظ محمد عابدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ مطابق یکم فروری ۱۹۹۹ء امیر مرکزیہ حضرت خواجہ خواجگان مولانا خان محمد دامت برکاتہم کے مخدوم زادے، خادم خاص، سفر و حضر کے رفیق اور حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ کے خلف رشید حضرت مولانا صاحبزادہ حافظ محمد عابد ملتان میں رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات وکمالات سے سرفراز فرمایا تھا، موصوف میں حددرجہ کی فنائیت اور اخفا کا اعلیٰ مقام تھا۔ شاید ہی کسی کو معلوم ہوگا کہ صاحبزادہ صاحب خاندانی طور پر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کے شیخ اور مربی حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی قدس سرہ کے صاحب زادے ہیں۔ جس طرح حضرت خواجہ خان محمد صاحب زید مجدھم نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ کی خدمت ورفاقت کو زندگی بھر اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور اپنے شیخ کے فیوض وبرکات وکمالات کو اپنے اندر جذب فرمایا، ٹھیک اسی طرح صاحب زادہ حافظ محمد عابد صاحب نے اپنے عظیم والد کے بعد اپنے والدماجد کے محبوب خلیفہ، خادم خاص اور جانشین

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت کو حرز جان بنالیا۔آپ میں صاحب زادگی، انا پرستی، بڑائی، تعلی، نام و نمود کا دور دور تک کوئی شائبہ نہ تھا،آپ کے لباس ،وضع قطع، چلنے پھرنے ،بول چال،اور نشست و برخاست اور معاملات سے کسی کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ اتنے بڑے باپ کے اتنے بڑے بیٹے ہیں۔آپ اپنے سے چھوٹوں اور ہم عصروں اور اکابر میں یکساں مقبول اور بے تکلف تھے،ان سے کسی کا دکھ درد نہیں دیکھا جاتا تھا۔وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے' وہ ختم نبوت کے کارکنان اور مبلغین کی سہولیات اور ضرورتوں کیلئے ایسے فکر مند ہوتے جیسے یہ کوئی ان کی اپنی ذات کا مسئلہ ہو۔

مجلس کے ایک ایک مبلغ اور کارکن سے ان کا خصوصی تعلق تھا وہ بڑوں کی خدمت اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کا خصوصی سلیقہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے تمام اسفار کا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا' جہاں وہ ایک طرف ایک نہایت تجربہ کار و بہترین منتظم تھے تو دوسری طرف اس سے زیادہ مستعد خادم تھے،آپ نہایت ہی ہنس مکھ اور ملنسار تھے،آپ علما اور صلحا کے قدر دان تھے۔ایک عرصہ سے جگر کے مریض تھے مگر اس مرض کی وجہ سے شیخ کی خدمت میں کبھی تعطل نہیں آنے دیا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی بیماری کا کسی کو احساس تک نہ تھا،اور یوں تادم آخر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق "احب ان اکون جندیا مجہولا" (میں چاہتا ہوں کہ نا معلوم فوجی بن کر جہاد کروں) پر کاربند رہے اور خاموش مجاہد کی حیثیت سے دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ صاحب

زادہ صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر ان کے ساتھ رضا ور ضوان کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ)

حضرت الحاج محمد احمد صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ !

بروز اتوار ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۹۹ء کو حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مسترشد و فیض یافتہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ارشد، عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ کے مجاز بیعت اور مشہور و مقبول عام تفسیر "درس قرآن" کے مولف جناب الحاج محمد احمد صاحبؒ رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپؒ جناب شیخ ضمیر احمد صاحبؒ کے گھر میں یکم جولائی ۱۹۰۸ء کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۲۷ء میں میٹرک اور ۱۹۲۹ء میں انٹر کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۲۹ء ہی میں کچھ خانگی حالات کے تحت سروے آف انڈیا دہرہ دون میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آکر سروے آف پاکستان کے محکمہ میں پہلے راولپنڈی پھر کراچی میں کام کیا۔ ۱۹۶۸ء میں گزیٹڈ آفیسر کی حیثیت سے ایڈمنسٹریٹر آفیسر کی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اگرچہ اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر اکابر اہل علم اور صلحائے امت کی صحبت کیمیا اثر نے ان کو کندن بنادیا تھا، موصوف اپنے اوپر اس

انعام الٰہی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حق تعالیٰ کا خاص یہ فضل و کرم اور انعام و احسان تھا کہ جو اس احقر ناکارہ کو حکیم الامت مجدد الملت محی السنّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ سے تعلق اصلاح و تربیت نصیب ہوا۔ احقر اس زمانہ میں شہر دھرہ دون (ہندوستان) میں بہ سلسلہ ملازمت گورنمنٹ در محکمہ سروے آف انڈیا مقیم تھا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کی برکت سے احقر کا یہ دائمی معمول رہا کہ محلّہ کی مسجد میں بعد نماز فجر یا بعد نماز عشاً یا ہر دو وقت کوئی مستند دینی کتاب تھوڑی دیر نمازیوں کو پڑھ کر سنایا کرتا۔

کتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں آنے کے بعد بھی بحمد اللہ یہ معمول حتی الوسع جاری رہا اور اب جنوری ۱۹۶۳ء سے بفضلہ تعالیٰ اس درس قرآن کے ایک درس کو بعد نماز فجر مسجد میں سنانے کا معمول تا ہنوز جاری ہے"۔

(درس قرآن ص ۱ا ج ۱)

یہ انہیں اکابر کی توجہات کا اثر تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے دل میں مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کی اصلاح و تحفظ کا بے پناہ جذبہ تھا اور وہ ہر وقت اس سوچ و فکر میں رہتے کہ مسلمانوں کو جدید و قدیم فتنوں کی یلغار سے کس طرح بچایا جائے؟ وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم ہی ایک ایسا اکسیر شفا ہے جس کے ذریعہ

امت مسلمہ کے دین وایمان کی حفاظت کی جاسکتی ہے، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کا دین وایمان بچانے اور دور حاضر کے ملاحدہ کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے "درس قرآن" کو ذریعہ بنایا، اور بھرپوری زندگی اس پر لگادی۔

جناب الحاج محمد احمد صاحبؒ بنیادی طور پر انگریزی تعلیم یافتہ تھے، ایڈمنسٹریٹر آفیسر، سروییر جنرل آفس، سروے آف پاکستان کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے مگر قرآن وسنت کی تعلیم وترویج اور درس قرآن کی ترتیب واشاعت کے لئے انہوں نے اس عہدہ کو خیرباد کہہ دیا اور وہ کل وقتی اس دینی خدمت کے لئے فارغ ہوگئے۔ موصوف کو قرآن کریم کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا؟ اس کا اندازہ ان کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

> "دل میں یہ شوق تھا کہ قرآنی تعلیم جو دین اسلام اور ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے اور جس سے ابتدا میں امت میں انقلاب آیا اور جواب بھی اصلاح امت کے لئے نہایت ضروری ولازمی ہے اس کو عوام مسلمین کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر مسجد ومدرسہ، اسکول وکالج میں اور ہر گھر، کنبہ اور خاندان کے مردوں، عورتوں اور بچوں میں قرآنی تعلیم کو عام کیا جائے۔ مگر نہ کوئی ایسی جامع، معتبر، مستند، عام فہم آسان اردوزبان میں کوئی تفسیر دستیاب ہوسکی کہ جس کا روزانہ ایک درس دس پندرہ منٹ کا پڑھ کر سنایا جاسکے، اور نہ

اس شوق کو احقر پورا کر سکا، اور اسی فکر اور حال وخیال سے پہلی مرتبہ جب ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مسجد نبویؐ وروضہ مطہرہ فخر دو عالم، سرور کائنات، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو اکثر مواجہ شریف میں صلوٰۃ وسلام کے بعد بارگاہ رسالت میں دلی توجہ سے عرض کرتا کہ حضورؐ! آپ کے دین کی کوئی خدمت مجھ احقر ناکارہ کو بھی نصیب ہو جائے، کہ میرا حشر بھی حضور اقدسؐ کے دین کے خادموں کے ساتھ ہو جائے اور میں دین کے خدمت گزاروں میں شامل فرمالیا جاؤں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم وتوجہ حال اور اس احقر کی عاجزانہ درخواست کی منظوری کی شکل کچھ عرصہ بعد یوں سمجھ میں آئی اور اس طرح ظاہر ہوئی کہ یہ سلسلہ "درس قرآن" جواب ناظرین اور عام مسلمین کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے بفضلہ تعالیٰ شروع ہو کر قریب پندرہ سال میں اس کے اختتام کی نوبت آئی۔ فالحمد للہ رب العالمین............ "مور بے مایہ کو ہمدوش سلیمان" بھی فرما سکتے ہیں"۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ ان کی ایک ایک ادا قابل تقلید اور لائق رشک تھی، ان پر فنائیت کا غلبہ

تھا، سادگی اور خداخوفی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ ان کے لباس، پوشاک اور رہن سہن کو دیکھ کر کسی کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اتنے بڑے آدمی ہیں! ان کی فنائیت کا یہ عالم تھا کہ کئی اکابر سے مجاز بیعت ہونے کے باوجود انہوں نے زندگی بھر کسی کو باقاعدہ بیعت نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کو اجازت وخلافت دی۔ وہ فرماتے: بھائی ابھی تک تو ہماری اصلاح نہیں ہوئی، ہم دوسروں کو کیسے بیعت کریں؟

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ: "ہمیشہ اپنے نفس سے بدگمان رہنا چاہیئے، اور اس سے اصلاح کا کوڑا نہیں ہٹانا چاہیئے، بلکہ کسی نہ کسی کو اپنا مصلح بنائے رکھنا چاہیئے" حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور ہمیشہ کسی نہ کسی متبع سنت شیخ سے اپنے آپ کو جوڑے رکھا۔

چنانچہ یکم رمضان ۱۳۵۸ھ کو آپ نے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، حضرت کے وصال کے بعد آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے خواہر زادہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے اور ان کے بعد ولی کامل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری نور اللہ مرقدہ سے تجدید بیعت فرمائی۔ حضرت مولانا کامل پوری رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کو ۲۸؍ شعبان ۱۳۸۶ھ میں خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ نے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ سے تجدید بیعت فرمائی تو حضرت عارفی

رحمہ اللہ نے بھی آپ کو خلافت سے سر فراز فرمایا۔ یہ ان اکابر اہل اللہ کی صحبت کا فیض تھا کہ ایک انگریزی خواندہ سرکاری افسر، سراپا مولوی، سکہ بند صوفی اور شیخ کامل بن گیا اور اس کی پوری زندگی خدمت دین میں گزری اور اشاعت دین اور علوم قرآن اس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔

آپ کے صاحبزادے اور خادم جناب امیر احمد صاحب نے بتایا کہ ۹ ذی الحجہ یعنی عرفہ کے دن والد صاحبؒ کی طبیعت زیادہ مضمحل ہوئی تو ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا آپ نے ڈاکٹر سے فرمایا: ڈاکٹر صاحب! بس میری خواہش ہے کچھ ایسا ہو جائے کہ میں مدینہ منورہ چلا جاؤں، میری دوسری کوئی خواہش نہیں ہے۔ اسی اثنا میں بچوں کو گواہ بنایا اور بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ ان کے معالج ڈاکٹر سمیع اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے مگر ایسی اچھی کیفیت کسی مرنے والے کی نہیں دیکھی کہ جان کنی کے وقت بھی زبان پر کلمہ شریف کا ورد جاری تھا۔

اسی دن عصر کی نماز کے بعد آپؒ کے محلّہ کی مسجد میں آپ کے صاحبزادے جناب حافظ ظفر احمد صاحب نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور سخی حسن کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر ان کو اپنی رضا اور رضوان کا مورد بنائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی محرم ۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا سحبان محمود رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

بروز ہفتہ ۲۹ ذی الحجہ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۹۹ء ساڑھے دس بجے دن خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، (خلیفۂ اجل حضرت تھانویؒ) کے شاگرد خاص، خیر المدارس ملتان کے نامور شاگرد، دارالعلوم کورنگی کراچی کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث' مدرسہ اشرف العلوم کورنگی کے بانی و مہتمم، ملک بھر کی ہزاروں دینی درس گاہوں کے سرپرست اور عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ کے خلیفۂ ارشد حضرت اقدس مولانا حافظ قاری سحبان محمود رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیٔ عندہ باجل مسمٰی۔

حضرت مولانا سحبان محمودؒ کی ہمہ گیر شخصیت حلقہ اہل علم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ دور حاضر کے ان نامور اکابر اہل علم میں سے تھے جن پر مسند علم وافتاء ناز کرتی ہے۔ جن کے زہد و تقویٰ پر ملائکہ رشک کرتے ہیں، جن کے حلم وصبر پر اللہ تعالیٰ کو پیار آتا ہے۔ جن کی سادگی و شکستگی سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے، جن کے وعظ وبیان پر غزالیؒ وبایزیدؒ کا شبہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سحبان محمود رحمہ اللہ ۱۳۴۵ھ میں مرادآباد ہندوستان میں پیدا ہوئے، ۱۳۵۰ھ میں تعلیم کا آغاز ہوا، مدرسہ شاہی مرادآباد میں حفظ مکمل

کیا، اسی سال ایک ماہ بعد تراویح میں قرآن پاک سنایا، ۱۳۵۸ھ میں درس نظامی کا آغاز ہوا۔ ۱۳۶۴ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیمی داخلہ لیا، قیام پاکستان کے بعد والدین کے ہمراہ ہجرت فرمائی، والد ماجد کی ملازمت کے باعث مختلف شہروں میں قیام رہا۔ آخر میں ناظم آباد کراچی میں قیام ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد جب حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے مدرسہ خیر المدارس جالندھر سے ملتان منتقل فرمایا تو آپ نے اس میں داخلہ لے لیا، باقی ماندہ درسی علوم کی کتب کی تکمیل کی، اور یہاں سے ہی ۱۳۶۹ھ میں فراغت ہوئی۔

1950ء

مولانا قاری عبدالملک صاحب زید لطفہ استاد و صدر شعبہ تجوید و قرأت دارالعلوم کورنگی نے بتلایا کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں خیر المدارس ملتان سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے 'حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے قائم کردہ ایک مدرسہ میں استاذ مقرر ہوا اور ابتدائی طور پر مجھے نورانی قاعدہ پڑھانے کو دیا گیا، میں نے نورانی قاعدہ پڑھانے میں کوئی خفت محسوس نہیں کی۔ پھر فرماتے: میں الحمد للہ نورانی قاعدہ سے لے کر بخاری شریف تک بالترتیب تدریس کے تمام مراحل سے گزرا ہوں۔ ابتدائی درجات کے اساتذہ کو اپنی زندگی کے واقعات سنا کر حوصلہ دیتے اور فرماتے کہ

اخلاص ہو تو نورانی قاعدہ اور بخاری پڑھانا ثواب و درجہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔"

آپ ۱۳۷۲ھ سے دارالعلوم کراچی سے وابستہ تھے اور ابتدائی درجات سے لے کر بخاری شریف تک تمام کتب پڑھائیں، آپؒ ۱۳۸۶ھ سے دارالعلوم کراچی میں باقاعدہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اس کے باوجود تواضع اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے علوم و معارف اور ان کی تصنیف "تکملہ فتح الملہم" کی افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مجمع عام میں فرماتے کہ میں بھی اس کتاب سے استفادہ کرتا ہوں۔

آپؒ پر ہمہ وقت قبر و حشر اور موت کا استحضار رہتا تھا، ان کے متعلقین، مریدین اور تلامذہ نے بتایا کہ گزشتہ ایک ڈیڑھ سال سے یہ کیفیت کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ عام طور پر قبر و حشر پر بیان فرماتے اور اکثر فرماتے کہ "بھائی! میں نے تو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں، میرا کیا کہنا کسی بھی وقت چلتی سانس بند ہو سکتی ہے۔ آپ حضرات جوان ہیں، کچھ کر لیں"۔

قرآن کریم اور قرآنی مدارس و مکاتب سے آپؒ کو خصوصی تعلق تھا۔ آپ چونکہ خود حافظ و قاری تھے اس لئے قرآن کریم کے شعبہ میں کام کرنے والے حضرات سے خصوصی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے۔ دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ان کا اس قدر مشفقانہ تعلق تھا کہ مدرسہ کا ہر طالب علم اور استاذ یہ سمجھتا کہ حضرتؒ کو مجھ سے جو خصوصی تعلق ہے، دوسرے کسی سے نہیں۔

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے عجیب اوصاف و کمالات سے نوازا تھا، آپ جہاں اقلیم علم و حکمت کے تاجدار تھے، وہاں آپ زہد و تقویٰ اور سلوک واحسان کے میدان میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ طبیعت میں دھیماپن اور کم گوئی، کم آمیزی آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ معاملہ فہمی میں بے مثال اور تدبر و حکمت کا کوہ گراں تھے۔ آپ کے بیان و کلام میں بلا کی روانی اور حد درجہ کا مٹھاس تھا۔ آپ جب بولتے تو محسوس ہوتا کہ الفاظ و کلمات اور علوم و معارف پرا باندھے کھڑے ہیں جس موضوع پر بولتے اس کا حق ادا کرتے، یوں محسوس ہوتا کہ زندگی بھر اس موضوع کا مطالعہ اور تیاری فرمائی ہے۔

جمعرات کو آپ نے آخری سبق پڑھایا' ہفتہ کی صبح سبق نہیں پڑھایا۔ دفتر تشریف لائے تو کسی قدر کھانسی کی شکایت تھی۔ شاگردوں اور عقیدت مندوں نے کہا کہ حضرت دوائی منگوالی جائے فرمایا: نہیں، ٹھیک ہوں، علاج کی ضرورت نہیں، فرمایا: گاہ بگاہ کھانسی کا دورہ اٹھتا ہے ڈاکٹر نذیر انجکشن لگائیں گے۔ ٹھیک ہو جاؤں گا۔

مدرسہ کے چند بلوں اور چیکوں پر دستخط کئے' کچھ درخواستیں نمٹائیں۔ صاحبزادے کو فون کیا کہ گاڑی لاؤ۔ وہ دفتر کے قریب گاڑی لائے، چہرہ پر ناسازئ طبع اور شدت تکلیف کے آثار نمایاں تھے، صاحبزادہ نے عرض کیا: حضرت: ڈاکٹر کے ہاں چلیں؟ فرمایا گھر چلو، دوبارہ اور سہ بارہ یہ درخواست کی تو سختی سے فرمایا: گھر چلو سب علاج گھر میں موجود ہے۔ صاحبزادے کا بیان ہے کہ گھر پہنچے تو گاڑی سے خود اترے' اپنے پاؤں چل کر گھر میں داخل ہوئے، قمیص

اتاری پھر بنیان اتاری، گھر والوں سے کہا کہ تہہ بند باندھنا چاہتا ہوں کہ اس میں راحت ہوتی ہے۔ تہہ بند باندھا۔ اسی اثنا میں تکلیف بڑھ گئی' ڈاکٹر آگیا دوائی اور انجکشن دیا جارہا تھا کہ لیٹنے لگے اور منہ سے نکلا اللہ اکبر 'اور اس کے ساتھ آواز بند ہوگئی۔ فوری طور پر قریب ترین ہسپتال لے جایا گیا ڈاکٹروں نے کہا: حضرت انتقال فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یوں دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہی جست میں دنیائے علم وحکمت کا بادشاہ، دارالعلوم کورنگی کے طلبہ ،اساتذہ، مریدین ، متعلقین اور اہل خاندان کو سوگوار چھوڑ کر دنیا سے آخرت میں پہنچ گیا۔

عجیب اتفاق ہے کہ اس سال کے اختتام اور ماہ مبارک ذوالحجہ میں سلسلہ عارفیؒ کے دو اکابر یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئے۔ جو بلاشبہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ گلشن عارفی کو سرسبز وشاداب رکھے اور ان ہر دو اکابر کے ساتھ اپنی رضا ور ضوان کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔ ادارہ بینات اساتذہ دارالعلوم کورنگی، مرحوم کے متوسلین ومریدین، اور اہل خاندان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات کراچی محرم ۱۴۲۰ھ)

حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جمعہ ۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۹۹ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب تقریباً رات ایک بجے مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ قدس سرہ کے خلیفہ خاص، مکتبہ نور کراچی کے روح رواں، مسند سلوک واحسان کی رونق اور کئی کتابوں کے مصنف، ولی کامل حضرت الحاج محمد فاروق صاحب رحمہ اللہ رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت حاجی صاحب باقاعدہ کسی درس گاہ کے فارغ التحصیل اور مروجہ اصطلاحی عالم نہ تھے، مگر انہوں نے جس شوق، لگن اور ولولہ سے اکابر اہل اللہ اور خصوصاً حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کے علوم ومعارف کو اپنے اندر جذب کیا، اس سے کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؒ باقاعدہ اصطلاحی عالم نہیں ہیں، ان کے وعظ وبیان میں بلا تکلف عالمانہ اصطلاحات کا استعمال اور قرآن وسنت سے استشہاد واستناد اس خوبصورتی سے ہوتا کہ سننے والا کسی انداز سے بھی یہ باور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ باقاعدہ عالم نہیں ہیں۔ بلاشبہ یہ ان کا شوق وجذبہ اور دن رات کی محنت وجدوجہد کا ثمرہ اور ان کے مشائخ کی کرامت تھی۔

حضرت حاجی صاحب اپنے والد ماجد کی سب سے بڑی اولاد تھے' گھر کا ماحول دینی اور تاجرانہ تھا' گھر کے دیگر افراد کا شمار اب بھی اناج بازار سکھر کے اچھے تاجروں میں ہوتا ہے اور خیر سے آپ کے والدین تاحال بقید حیات ہیں' مگر حضرت حاجی صاحبؒ کو شروع سے ہی دنیا اور دنیاوی علائق و مشاغل سے کوئی خاص مناسبت نہ تھی اس لئے ابتدا ہی سے انہوں نے دوکان تجارت کی بجائے دوکان معرفت سجانے کا تہیہ کر لیا اور فکر معاش پر فکر آخرت کو ترجیح دی۔ یوں وہ شروع سے ہی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادی قدس سرہ کے دامن رحمت سے منسلک ہو گئے اور یہ رشتہ عقیدت و محبت تاحیات برقرار رہا' حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب قدس سرہ نے ان پر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ان کو چاروں سلسلوں میں خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالی نے بہت ہی محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی تھی' انہوں نے اپنے شیخ کے مزاج و مذاق کے مطابق مخلوق خدا کی خوب خوب اصلاح فرمائی۔ حضرت حاجی صاحب ایک عرصہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ ڈاکٹروں نے کہہ رکھا تھا کہ دل کا صرف ایک وال کام کر رہا ہے آپ کو احتیاط اور آپریشن کی ضرورت ہے مگر حضرت حاجی صاحبؒ نے اس دور میں تسلیم و رضا کی مثال قائم فرما دی۔ اور رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے فرمایا:

"حیات مستعار علم الہی میں لکھی جا چکی ہے اس میں نہ تو ہم کمی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں اضافہ ہمارے اختیار میں ہے۔"

اس لئے انہوں نے موت کے خوف سے احسان وسلوک اور اصلاح وارشاد کے سلسلہ کا کبھی کوئی سفر ناغہ نہیں فرمایا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالی نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کا بیان سن کر لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے' ان کی طبیعت میں جود وسخا کا ایک خاص ملکہ تھا کہ اپنے متعلقین کو خود ہی ہدیے فرماتے۔ کسی کو رومال کسی کو ٹوپی اور کسی کو کپڑے اور نقد وغیرہ عطا فرماتے، دو ہفتے قبل ہی حج سے تشریف لائے تھے اور آگے برطانیہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، کینیڈا، افریقہ اور دیگر یورپی ممالک کے دورہ کی تیاری تھی مگر پروانہ اجل آن پہنچا اور دوران سفر ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت حاجی صاحبؒ خالص خانقاہی آدمی تھے۔ یہ ان کا کمال تھا کہ جہاں تشریف لے جاتے وہاں نظام خانقاہ کو مرتب فرما کر ہی واپس آتے، اس وقت تقریباً پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں خصوصاً سکھر، کراچی اور بیرون ملک افریقہ میں ان کی خانقاہیں باقاعدہ مربوط انداز سے اصلاحی کام کر رہی ہیں۔

آپؒ کی تمام اولاد ماشاء اللہ نیک، صالح اور دین دار ہے۔ صاحبزادگان گرامی ماشاء اللہ عالم فاضل اور شعبہ درس وتدریس سے منسلک ہیں۔

حضرات اولیاء اللہ کی جس طرح حیات وزندگی مثالی ہوتی ہے اسی طرح ان کی موت بھی منفرد ہوتی ہے، ان کی زندگی اور موت میں درس ہائے عبرت پنہاں ہوتے ہیں وہ جاتے جاتے بھی اصلاح امت کا سامان کر جاتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ باوجود اپنے ضعف، پیرانہ سالی اور بیماری کے مروتاً اپنے ایک عزیز اور متعلق کے نکاح پڑھانے کی دعوت کو منع نہ فرما سکے،

سکھر سے بذریعہ زکریا ایکسپریس کراچی نکاح پڑھانے کی غرض سے تشریف لارہے تھے کہ شہداد پور اور حیدرآباد کے درمیان دل کا دورہ ہوا، ڈاکٹر ہمراہ تھا، اسے فرمایا کہ شدید درد ہے دل کی جگہ کو سہلاؤ، مگر آخری دورہ میں جناب ڈاکٹر صابر صاحب کو (جو کہ حضرت کے سفر و حضر کے خادم تھے) فرمایا کلمہ پڑھو، اور پھر خود ہی زور زور سے فوراً کلمہ پڑھا اور نگاہ کھڑکی کی طرف اٹھ گئی اور منہ سے نکلا "مکہ مدینہ" اور نظریں وہیں ٹک گئیں اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ واللہ اعلم، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قبض روح کے مرحلہ کو آسان کرنے کے لئے تجلیات ربانی کے مراکز بیت اللہ اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ اور نظارہ کی محویت کے عالم میں ان کو ملا اعلیٰ کی طرف بلایا گیا تاکہ قبض روح کی تکلیف کا احساس نہ ہو، یوں ریل میں اور دوران سفر آپؒ کا انتقال ہو گیا اور حیدرآباد سے بذریعہ ایمبولینس آپ کا جسد خاکی آپؒ کے آبائی شہر سکھر لے جایا گیا۔ جمعہ کے دن شام چھ بجے نماز جنازہ ہوئی اور ائیرپورٹ کے قریب قبرستان کے لئے خریدی گئی ذاتی زمین (جو کہ جدید خانقاہ کے قریب ہے) میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ رضا اور ضوان کا معاملہ فرما کر انہیں ملحق بالصالحین فرمائے اور ان کے پسماندگان اور متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللھم لاتحرمنا اجرہ و لاتفتنا بعدہ۔ آمین

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین ۔(ماہنامہ بینات کراچی صفر ۱۴۲۰ھ)

قاری محمد ابراھیمؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ممتاز عالم دین حضرت قاری محمد ابراھیمؒ دار آخرت کی طرف تشریف لے گئے۔ مردان کی بزرگ شخصیت اور ممتاز عالم دین، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے شاگرد خاص، اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گلؒ اور حضرت مولانا نافع گل کے خادم خاص، حضرت مولانا قاضی نور الرحمٰن کے ہمدم ساتھی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہ صاحب، مولانا قاری عبید اللہ شاہ صاحب اور مولانا حافظ محمد عطاء اللہ شاہ صاحب کے والد محترم، مولانا قاری محمد ابراھیم ذی الحجہ کے مبارک ایام میں ۸/ ذی الحجہ بمطابق ۲۵/ مارچ ۱۹۹۹ء بروز جمعرات اس دار فانی سے دار بقا کی طرف تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ابتدائی تعلیم مردان میں حاصل کی، دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں سے ہی سند فضیلت حاصل کی، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے خصوصی تعلق تھا، حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے بھی نیاز مندانہ تعلق تھا کئی دفعہ حاضری دی۔ بیعت کا تعلق

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے تھا اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گلؒ اور حضرت مولانا نافع گلؒ سے بھی خصوصی تعلق تھا۔ ساری زندگی دین کی اشاعت میں صرف کردی۔ بلا تنخواہ تعلیم و تعلّم میں مشغول تھے۔ ضروریات کی تکمیل کے لئے چھوٹی سی تجارت کرتے تھے۔ اپنے تمام صاحبزادوں کو حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ کے حوالے کیا، اور تینوں ماشاٗ اللہ بہترین عالم ہیں۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہ اور مولانا محمد عطاٗ اللہ شاہ صاحب مردان میں ''اقرأ روضۃ الاطفال'' کے نام سے اشاعت تعلیم قرآن اور معہد العلوم الاسلامیہ جی ٹی روڈ مردان میں مصروف رہ کر قاری صاحب کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی رحلت اہل مردان کے لیے ہی نہیں بلکہ پاکستان کے علما کرام اور اہل دین کے لیے صدمہ کا باعث ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ادارہ دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین قارئین بینات سے ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

(ماہنامہ بیّنات کراچی صفر المظفر ۱۴۲۰ھ)

مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے علوم کے امین اور ان کے فرزند نسبتی، کامیاب مصنف، مایہ ناز محقق، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے رفیق اور "انوار الباری شرح بخاری" کے مؤلف حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ کو رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیٔ عندہ باجل مسمی۔

مولانا مرحوم کا شمار ہندوپاک کے بالغ نظر اور محقق علما میں ہوتا تھا۔ طبیعت میں بے انتہا سادگی تھی، علوم عقلیہ ونقلیہ میں رسوخ کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر آپ کی گہری نظر تھی، بلا کے ذہین اور نادر الوقوع قوت حافظہ کے مالک تھے، ریا، دکھلاوا اور نام ونمود سے نفور اور طبیعت میں اخفا اور خمول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، خصوصاً اپنی طبیعت، باطنی زندگی اور اپنے مقام کو ہمیشہ اخفا میں رکھا۔ مولانا مرحوم کی وفات سے اہل علم ایک عظیم علمی سرمایہ سے محروم ہوگئے۔ آپ علوم انوری کے ان ماہرین میں سے تھے جن کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مولانا موصوف اس قحط الرجال میں علوم عقلیہ ونقلیہ خصوصاً علوم حدیث میں ایک سند کا درجہ رکھتے تھے' زندگی بھر مختلف میدانوں میں کام کیا' دارالعلوم الاسلامیہ ڈابھیل میں مختلف درجات کے استاد رہے' مجلس علمی ڈابھیل کے صدر نگران اور دارالعلوم دیوبند کے شعبہ نشر واشاعت کی نگرانی' خصوصاً حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل وتبویب پر مامور رہے' اپنی زندگی کے آخری سالوں میں موصوف نے علوم انوری کو امت تک پہنچانے کا عزم کرلیا تھا جو ان کے پاس حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی امالی کی شکل میں محفوظ چلے آرہے تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوگئے اور "انوار الباری شرح اردو بخاری" کے نام سے انہوں نے ایک بہترین شرح بخاری اپنے لئے صدقہ جاریہ چھوڑی ہے۔

مقدمہ انوار الباری جلد ۲ میں مولانا موصوف نے "حالات راقم الحروف سید احمد رضا بجنوری" کے نام سے اپنا سوانحی خاکہ مرتب فرمایا ہے۔ قارئین بینات کی خدمت میں اسے لفظ بہ لفظ نقل کیا جاتا ہے:

ولادت: .... جنوری ۱۹۰۷ء بمقام بجنور میں ہوئی' ددھیال سیتاپور اور ننھیال جہاں آباد ضلع بجنور رہے۔

تعلیم: ....احقر کی ابتدائی فارسی وغیرہ کی تعلیم بجنور میں ہوئی' ۱۰ سال کی عمر میں عربی کے لیے سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوا۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب بھی اس وقت وہاں فوقانی تعلیم حاصل کررہے تھے' مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ بھی اس وقت وہیں مقیم تھے' ان دونوں حضرات سے تعلق نیاز مندی اسی زمانہ سے حاصل ہوا' وہاں میرا قیام اپنے تائے میر فیاض علی مرحوم کے تعلقات کی وجہ سے جناب چودھری مختار احمد صاحب رئیس سیوہارہ کے در دولت پر رہا جو بڑے علم دوست' نہایت عالی قدر مرجع عوام وخواص بزرگ تھے' غالباً ۱۹۱۸ء تک وہاں رہا' ۱۹۱۹ء میں مدرسہ عربیہ قادریہ حسن پور جاکر تعلیم جاری رکھی' وہاں حضرت مولانا ولی احمد صاحب کیمل پوری (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوا' مطالعہ کتب کا ذوق وشوق جو کچھ حاصل ہوا' وہ انہی کا فیض ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے اکتساب فیض:

۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۶ء دارالعلوم دیوبند میں رہا اس چار سالہ قیام میں زیادہ تعلق حضرت شاہ صاحبؒ' حضرت مفتی صاحبؒ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے رہا ۴۵'۴۶ھ جس میں دورہ حدیث تھا اصلاح تحریک کی تائید میں طلبہ نے دوبار تعلیمی مقاطعہ کیا' حضرت شاہ صاحب چند ماہ ترمذی پڑھا چکے تھے' پھر مستعفی ہوگئے' اور دوسرے اکابر

اساتذہ نے بھی ترک تعلق کیا، حضرت شاہ صاحبؒ کے ترک تعلق پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے باقی ترمذی شریف وبخاری شریف پڑھائی، دوسری اسٹرائک ہوئی تو احقر نے عدم شرکت اور تعلیم پوری کرنے کو ترجیح دی، جس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی اجازت حاصل ہوگئی۔

تکمیل شوق:

اس طرح دورہ کا سال پورا کر کے احقر تبلیغ کالج کرنال چلا گیا وہاں تین سال اور چند ماہ رہ کر تبلیغی ضرورت کے لئے انگریزی پڑھی، ادب عربی کے تخصص کا نصاب پورا کیا اور کتب مذاہب وملل کا مطالعہ، مشق تقریر، تحریر اور مناظرہ کا سلسلہ رہا۔

کرشمہ غیبی، حق تعالیٰ کی شان اور فضل وانعام کو دیکھئے کہ ۱۳۴۶ھ میں دورہ کے سال حضرت شاہ صاحبؒ کے بے نظیر درس حدیث کی تشنگی سے جو دل شکستگی ہوئی تھی اور حضرت ہی کی اجازت پر تعلیمی سال بادل نخواستہ پورا کر لیا تھا اس کی تلافی چند سال بعد ڈابھیل کے قیام میں ہوئی کہ آپ کے آخری دو سال کے درس بخاری شریف میں شرکت استفادہ کی نعمت غیر مترقبہ مل گئی اور چونکہ حضرت

کے افادات خصوصی کی قدر و منزلت بھی دل میں اچھی طرح جاگزیں ہوچکی تھی اس لیے زیادہ توجہ بھی آپ کے ان ہی افادت پر مرکوز رہی جن کی پوری قدر اب انوار الباری کی ترتیب کے وقت ہورہی ہے۔فللہ الحمد والمنہ.

عقد نکاح :............ یہاں بطور تحدیث نعمت یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۳۴۷ھ میں احقر کا عقد نکاح حضرت شاہ صاحبؒ کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا' نکاح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھایا تھا۔ان سے حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کے بہت سے واقعات خصوصاً گھریلو زندگی کے بہت سے حالات کا علم بھی مجھے ہوا' خدا کرے حضرت شاہ صاحبؒ کے تعلق سے مجھے نفع آخرت بھی حاصل ہو۔آمین۔

تدریسی خدمات :........... زمانہ تعلق مجلس علمی ڈابھیل میں ۵۔۶ سال تک کتب درسیہ بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں پڑھائیں' یاد رہے کہ البلاغۃ الواضحہ' قدوری' کنز' ہدایہ' شرح عقائد' دیوان متنبی' اور سبعہ معلقہ وغیرہ پڑھائیں' حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ جس زمانہ میں افریقہ گئے تھے تو اہتمام جامعہ بھی احقر و مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کو سپرد کر گئے تھے' دیوبند سے فارغ ہوکر احقر نے مولوی فاضل

پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اعلیٰ نمبروں میں کامیابی حاصل کی تھی اور چار سال تک مولوی فاضل کے پرچہ جواب مضمون عربی کا ممتحن بھی رہا۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء تک احقر کا قیام بجنور رہا جس میں مطب کا مشغلہ اور کچھ لکھنے پڑھنے کا کام اور اہتمام یتیم خانہ اسلامیہ بجنور بھی ساتھ رہا' ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۹ء تک دہلی قیام رہا جس میں دفتر روزنامہ الجمعیۃ اور الجمعیۃ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔

مآثر علمیہ کی اشاعت وترویج :

۱۹۳۰ء' ۳۹ء میں فیض الباری ونصب الرایہ وغیرہ طبع کرانے کی غرض سے رفیق محترم مولانا المکرّم علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ حرمین' مصر وٹرکی کا سفر ہوا' ۹۔۱۰ ماہ قیام مصر میں علامہ کوثریؒ سے تعلق واستفادات بڑی نعمت تھے' اسی طرح ٹرکی کے کتب خانوں کے بے نظیر مخطوطات عالم اور مصر کے معاہد اسلامیہ کی زیارت بھی ناقابل فراموش سعادت تھی۔ اس خالص علمی سفر کے اول وآخر جو اپنے محبوب ترین روحانی مراکز مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ کی حاضری' حج وزیارت کی نعمت وسعادت اور دونوں بار طویل قیاموں میں علمائے حرمین سے تعلق واستفادات' معاہد ومکاتب

حرمین کی زیارت' یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے اوپر کسی نعمت کا تصور اس دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا ہے :

شکر نعمت ہائے توچند انکہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ماچند انکہ تقصیرات

۱۹۲۹ء میں ڈابھیل پہنچا اور مجلس علمی سے تعلق ہوا جو ۱۹۴۵ء تک باقی رہا' اس کے بعد رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مجلس علمی کو مستقل طور سے کراچی منتقل ہونا پڑا۔ حضرت مخدوم و محترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب بانی و سرپرست مجلس نے احقر کو وہاں بھی بلانا چاہا اور اپنے خصوصی تعلق کی بنا پر مع متعلقین کراچی میں رہنے کی سہولتیں بھی دینا چاہیں' مگر احقر کے لیے بعض وجوہ سے ترک وطن کو ترجیح نہ ہو سکی' اب دو سال سے دارالعلوم دیوبند کے شعبہ نشرواشاعت سے تعلق ہے جن میں حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل' عنوان بندی و تصحیح اغلاط مطبعی وغیرہ کا کام سپرد ہے۔

اصلاحی تعلق :.......... دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بیعت سلوک کی طرف رجحان ہوا' حضرت شاہ صاحبؒ قدس سرہ سے استشارہ کیا کہ کس سے بیعت ہوں تو حضرتؒ نے حضرت شیخ وقت مولانا حسین علی صاحب میانوالی قدس

سرہ کا مشورہ دیا' احقر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور تاحیات استفادات کرتا رہا' چند سال قبل حضرت شیخ ومرشد مولانا عبداللہ شاہ صاحب' خلیفہ حضرت مولانا احمد خانؒ صاحب کندیاں ضلع میانوالی پاکستان سے پہلے بذریعہ مکاتبت اور پھر سرہند شریف میں بوقت زیارت مشافھتاً شرف بیعت حاصل کیا آپؒ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کے جانشین حضرت شیخ ومرشد مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتھم سے پہلے بذریعہ مکاتبت پھر گزشتہ سال وقت تشریف آوری دیوبند مشافھتاً بیعت سے مشرف ہوا۔

واللہ الموفق لمایحبہ ویرضیٰ۔''

مولانا مرحوم نے اپنی تالیف انوار الباری شرح صحیح بخاری اپنے اکابر مشائخ اور معاصرین کی خدمت میں ارسال کی' اور اس پر ان حضرات نے جس قدر ان کی دادو تحسین فرمائی' وہ بجائے خود مولانا کی علمی ثقاہت پر اجماع کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت موصوف نے اس سلسلہ کے اکابر کے مکاتیب کو ''آراء وارشادات گرامی'' کے عنوان سے مقدمہ انوار الباری میں شامل کرلیا ہے۔ موصوف نے بطور تبرک اپنے شیخ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتھم کا وہ مکتوب بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے مسترشد ومرید اور انوار الباری کے مصنف یعنی حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ کو لکھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم اپنے شیخ سے باقاعدہ مکاتبت

فرماتے اور حضرت شیخ مد ظلہ ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضرت شیخ مد ظلہ نے مولانا مرحوم کو لکھا:

"بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات والتحیات فقیر خان محمد عفی عنہ بگرامی خدمت حضرت مولانا احمد رضا صاحب عرض گزار ہے کہ آپ کا والا نامہ مع رجسٹری انوار الباری موصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ اس ہدیہ بہیہ اور یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ 'جزاک اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزا۔ حضرت مولانا ابو السعد احمد خان قدس سرہ نے ایک سال اپنے مخلصین کی جماعت کو دورہ حدیث شریف پڑھایا تھا۔ جس میں حضرت مولانا کے صاحبزادے مولوی محمد سعید مرحوم' حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہ اور دیگر علمأ متوسلین کی جماعت شامل تھی۔ حضرت نے سارے علوم کی تکمیل تین سال کانپور میں رہ کر کی' مولانا عبید اللہ صاحب پنجاب کے مشہور مدرس کانپور میں تھے' اکثر کتابیں ان سے پڑھیں۔

انوار الباری کا طرز بہت مفید اور فقیر کو بہت پسند آیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے اسباب پیدا فرمائے' اور آپ کے اخلاص میں ترقی اور کام میں برکت عطا فرمائے آمین"

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف و خصوصیات سے نوازا تھا

چنانچہ شکر نعمت کے طور پر انہوں نے جو کچھ لکھا وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"اپنے رب کریم کی لاتعداد نعمتوں کا شکر کس زبان وقلم سے ادا کروں سب سے پہلے اس نے میرے نہایت ہی مشفق باپ کے دل میں یہ داعیہ پیدا فرمایا کہ مجھے دینی تعلیم دیں' اس کی جگہ وہ اگر مجھے عصری تعلیم دلاتے اور کروڑوں اربوں کی دولت بھی میرے لئے چھوڑ جاتے تو وہ ہیچ در ہیچ ہوتی' پھر تکمیل کے بعد ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی دوسالہ معیت واستفادہ کی نعمت سے ذرہ نوازی کی گئی جس کے صدقہ میں سولہ سال مجلس علمی میں رہ کر علمی دنیا سے روشناسی ملی' علم تو بہت بڑی چیز ہے' اور بڑوں کے نصیب میں خدا نے دی ہے لیکن اکابر امت کے علمی دروازوں میں جھانکنے کی سعادت ملنے کا اعتراف شاید بے جا نہ ہو' "کفی بفخر المثلی الظلوم الجهول"

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں' کوتاہیوں سے درگزر فرما کر بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین' قارئین بینات سے بھی درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں اور ایصال ثواب میں انہیں فراموش نہ فرمائیں ۔

(ماہنامہ بینات کراچی صفر و ربیع الاول ۱۴۲۰ھ)

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کی رحلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مملکت اسلامیہ سعودی عرب اور حجاز مقدس کے مفتی اعظم، اکابر علما کی مجلس شوریٰ، اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے صدر نشین، ادارہ تحقیقات علمی کے سربراہ، مسلک حنبلی کے عظیم راہ نما، اکابر علما احناف کے قدر دان اور جہاد افغانستان اور طالبان کے سرپرست روح رواں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی قدس سرہ کی خدمات کے معترف 'سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ بروز خمیس ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۳/ مئی ۱۹۹۹ء بوقت صبح اپنے آبائی شہر "عودہ" طائف" میں رحلت فرماگئے' اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ بن بازؒ ایک بلند پایہ عالم ربانی، مسلک حنبلی کے ثقہ اور پختہ کار مفتی اور جلیل القدر محدث تھے، آپ غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے، کسی بھی مسئلہ سے متعلق بیان وگفتگو کے موقع پر دلائل وبراہین کا انبار لگا دیتے تھے، باجودیکہ آپ ضریر البصر تھے، مگر آپ کے استحضار علمی، قوت استدلال اور حفظ واتقان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ باور نہیں کرسکتا کہ آپ بینائی سے معذور ہیں، دین اور دینی

معاملات میں "لایخاف لومۃ لائم" کی سچی تصویر تھے۔آپ کے اسی جذبہ حق گوئی کی بنا پر سعودی عرب کے عوام وخواص میں آپ کی محبت وعقیدت کی جڑیں مضبوط اور گہری تھیں' لوگ آپ پر دیوانہ وار جان چھڑکتے' آپ کا فتویٰ عوام وخواص میں حرف آخر کا درجہ رکھتا تھا' اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا' ارباب اقتدار کو بھی آپ کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔

آپ اگرچہ پکے اور متصلب حنبلی مسلک کے حامل تھے' مگر اکابر علما احناف کی خدمات اور ان کی تحقیقات کے نہایت ہی کھلے دل سے معترف تھے' چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد مہاجر مکی قدس سرہ سے ان کے بہت ہی اچھے تعلقات تھے' اسی طرح جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی ومدیر محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کی جلالت قدر کے معترف تھے۔

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے استاذ اور ہمارے دوست جناب مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی زید لطفہ' نے بتلایا کہ شیخ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی قدس سرہ کی تبلیغی جماعت سے بہت ہی انس وتعلق تھا' بلکہ ایک گونا آپ اس کی سرپرستی اور دفاع فرمایا کرتے تھے' اور جو لوگ اس جماعت کے خلاف بولتے ان کی فہمائش کرتے' چنانچہ انہوں نے بتلایا کہ ایک بار کسی صاحب نے شیخ بن بازؒ کا تقرب حاصل کرنے اور تبلیغی جماعت کو متہم کرنے کے لئے تبلیغی جماعت کے خلاف کچھ لکھ کر شیخ بن بازؒ کے پاس بھیجا تو شیخ نے نہایت زوردار انداز میں اس کی تردید کی اور فرمایا:

"آپ حضرات کو ان لوگوں کی قدر کرنی چاہئے کہ جو

کام آپ حضرات حکومت سے بڑی مراعات اور تنخواہیں وصول فرما کر نہیں کر سکتے' یہ لوگ وہ کام محض جذبہ صدق واخلاص سے اپنی جان ومال اور اپنا چین وسکون تج کر خالصتاً فی سبیل اللہ کر رہے ہیں' اس لیے ان کے مخالفت نہ کیا کرو"۔

الغرض شیخ بن بازؒ کی رحلت سے علمی دنیا خصوصاً سعودی عرب میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس خلا کو پر فرمائے۔ آمین

مدیر جامعہ اور مدیر بینات کی جانب سے الگ الگ تعزیتی خطوط حضرت شیخؒ کے اہل خانہ اور حکومت سعودی عرب کے نام بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی کروٹ کروٹ مغفرت فرما کر ان کے ساتھ رضا اور ضوان کا معاملہ فرمائے اور پسماندگان اور اسلامی حکومت سعودی عرب کو اس صدمہ کے برداشت کرنے اور ان کے متعین کردہ خطوط پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کراچی)

محقق العصر حضرت مولانا
محمد عبد الرشید نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

محدث العصر حضرت بنوری قدس سرہ کے محبّ ورفیق کار، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے مشرف واستاذ، ماہنامہ بینات کے سابق مدیر ومرتب، حضرت علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ کے ممتاز ترین شاگرد، حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے محبّ ومحبوب اور مجاز بیعت، جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے شعبہ اسلامیات کے صدر نشین، مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم اسلامیہ کے رکن رکین، مشہور علمی تحقیقی اداروں مجمع المصنفین حیدرآباد دکن، ندوۃ المصنفین دہلی کے نامور محقق، برصغیر پاک وہند کی نامور شخصیت، فن حدیث کے امام، محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جمعرات ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۹۹ء صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، ان للہ مااخذ ولہ مااعطی وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ۔

موت کوئی اچنبھا چیز نہیں کہ اس پر حیرت وتعجب کا اظہار کیا جائے، یہ

یہاں جو بھی آیا' جانے کے لئے آیا' یہاں کا آنا جانے کی تمہید ہے' سنت بنی آدم ہے' سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے' مگر بعض جانے والے کچھ اس شان سے جاتے ہیں کہ پورے عالم کو سوگوار کر جاتے ہیں' ان کے جانے پر زمین وآسمان روتے ہیں' ان کی موت سے صرف ان کا خاندان ہی متاثر نہیں ہوتا بلکہ دنیائے علم وعمل ان کی موت پر نوحہ کرتی ہے' مجلس علم وادب ویران ہو جاتی ہے۔ ان کی موت سے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے' ان کے ذوق ومزاج' تقویٰ وتدین اور طہارت وپاکیزگی کے تذکرے دیر تک رہتے ہیں' نظریں ان کی نظیر ومثال ڈھونڈتے عاجز آجاتی ہیں۔

کچھ یہی شان ہمارے مخدوم ومحسن محقق العصر حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ کی تھی۔ آپ ایک باخدا صوفی بزرگ' مشہور خطاط وشاعر اور مولانا حکیم محمد ابراہیم روحی ٹونکیؒ کے خلیفہ مجاز' حضرت منشی محمد عبدالرحیم خاطر جے پوری کے ہاں ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے' علم وفضل' تقویٰ وطہارت' زہدو استغنیٰ اور خطاطی وخوش نویسی وراثت میں ملی' تعلیم کی ابتدا بھی گھر ہی سے ہوئی' البتہ اعلیٰ عربی تعلیم کے لئے دوسرے مدارس کا رخ کیا۔ اور حدیث کی سند کے لئے نابغۂ وقت علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ کی بارگاہ علم وفضل میں زانوئے تلمذتہ کئے' حضرت اقدس مولانا نعمانی قدس سرہ اپنے خود نوشت حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"نام: محمد عبدالرشید نعمانی بن منشی عبدالرحیم بن محمد بخش بن بلاقی بن چراغ محمد بن ہمت۔ نسبت کے اعتبار سے

کچھواہہ راجپوت' آبائی وطن خاص جے پور ہے' اسلام لائے بہت سی پشتیں گزر چکی ہیں' ہمت صاحب کے زمانے سے سلسلہ معاش تجارت ہے۔

ولادت: راقم الحروف کی ولادت ۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۹/ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ہوئی' میرے عم بزرگوار حافظ عبدالکریم صاحب مرحوم کے کوئی اولاد نہیں تھی' ان کی اہلیہ میری حقیقی خالہ تھیں' اس لئے انہوں نے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی مجھے آغوش تربیت میں لے لیا۔

تعلیم: چار سال' چار ماہ' چار دن کا ہوا تو عم بزرگوار نے میری بسم اللہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی' میری ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی انہیں کے پاس ہوا' انہیں ابتدائی تعلیم کا خاص ملکہ تھا' قاعدہ بغدادی سے لے کر قرآن مجید اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی اردو کی چوتھی کتاب تک انہیں سے پڑھی' املا اور خوش خطی بھی انہیں سے سیکھی' کبھی کبھی والد مرحوم سے بھی خوش خطی کی اصلاح لے لیا کرتا تھا' یہ دونوں بھائی بڑے اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے آمدنامہ بھی حافظ صاحب موصوف ہی نے یاد کرایا تھا' ابتدائی فارسی کے کچھ اسباق والد مرحوم سے بھی پڑھے' پھر جے پور میں اپنے محلّہ بساطیاں کی

مسجد میں ایک مکتب "مدرسہ انوار محمدی" کے نام سے قائم تھا، وہاں داخل ہوا، اور گلزار دبستان اور کریما، مولوی یحیی متنبیّ سے پڑھیں، مالابد منہ کا ابتدائی حصہ بھی وہیں پڑھا، اب میری عمر آٹھ نو سال کی ہو چکی تھی اور اس قابل ہو گیا تھا کہ میل دو میل چل کر خود بھی کسی مدرسہ میں جاسکتا تھا، چنانچہ بیرون اجمیری دروازہ مدرسہ تعلیم الاسلام میں جو حضرت منشی ہدایت علی خان صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیا تھا، منشی پنجاب کا امتحان دینے کی غرض سے داخل ہوا اور وہاں کے فارسی اساتذہ منشی ارشاد علی، منشی ستار علی، منشی عبدالقیوم ناطق اور منشی سعید حسین وغیرہ سے فارسی کی کتابیں شروع کیں، لیکن کچھ اپنی کم سنی، کچھ اساتذہ کے بغیر میری استعداد کا اندازہ لگاتے ہوئے آگے کی کتابیں شروع کرا دینے کی وجہ سے منشی کے امتحان میں ایک پرچے میں ناکام رہا، ادھر والد صاحب کا اصرار تھا کہ مجھے عربی شروع کرنی چاہیے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ماہ جون سے میزان منشعب شروع کر دی گئی اور اسی سال عربی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ منشی کے جس پرچے میں ناکام رہا تھا اس کی بھی تیاری کر کے امتحان دیا اور کامیاب ہو گیا، اب جون ۱۹۲۸ء سے صرف عربی علوم کی تحصیل کے لئے وقف ہو گیا، مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں

عربی کے مدرس صرف مولانا قدیر بخش صاحب بدایونی مرحوم تھے' میں نے میزان سے لے کر صحیح بخاری کے ابتدائی اسباق تک درس نظامی کی اکثر وبیشتر کتابیں مولانا موصوف ہی سے پڑھی تھیں۔

ان کتابوں کے علاوہ مولوی' مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی کے برابر دیتا رہا اور ان تینوں امتحانات میں جو کتابیں داخل نصاب تھیں مولانا بدایونی سے وہ پڑھتا رہا' مولانا موصوف کی خدمت میں میں نے جون ۱۹۲۸ء سے عربی علوم کی تحصیل شروع کی تھی اور پانچ سال میں مکمل کر کے مئی ۱۹۳۲ء میں فراغت حاصل کر لی۔

اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا' پھر ۱۹۳۴ء میں خود تیاری کر کے منشی فاضل کا امتحان بھی دیا اور کامیاب ہو گیا' اور اسی سال دار العلوم ندوۃ العلما میں عربی ادب کے حصول کی غرض سے پہنچا' جہاں قسمت نے یاوری کی اور حضرت شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شرف بازیابی حاصل ہوا' دو سال تک حضرت شیخ سے استفادے کا موقع رہا اور صحیح بخاری' جامع ترمذی دونوں کتابیں قرآتًا وسماعًا اول سے آخر تک ان کی خدمت میں رہ کر پوری کیں' صحیح مسلم' سنن

ابی داؤد‘ مسند امام احمدؒ کا سماع متفرق بھی رہا‘

’البتہ مقدمہ صحیح مسلم بکمالہا پورے ضبط و اتقان اور تحقیق وبحث کے ساتھ حضرت شیخؒ سے پڑھا‘ حضرت شیخؒ صاحب سے علم حدیث کے علاوہ ہیئت میں سبع شداد مکمل اور تفسیر جلالین‘ اور میبذی کے کچھ اسباق بھی پڑھے‘ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس ناکارہ کو خوب اختصاص حاصل رہا‘ اور علم حدیث سے مناسبت انہیں کی صحبت میں پختہ ہوئی‘ اصول حدیث‘ رجال‘ تاریخ وطبقات‘ کتب تخریج احادیث‘ سنن ومسانید اور حدیث وشروح حدیث کی سینکڑوں کتابیں ہیں جن سے تعارف اور استفادہ کا موقع وہیں نصیب ہوا۔

شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اس ناکارہ پر نظر التفات بہت زیادہ تھی‘ اور انہیں کی دعا وتوجہ کی برکت ہے جو اس ناکارہ کو کچھ علمی خدمت کی توفیق ملی‘ مجھے حضرت شیخ سے شرف بیعت بھی حاصل ہے‘ ہمارے مولانا حیدر حسن خان صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ بھی تھے‘ ۱۹۳۵ء میں میں نے حضرت شیخ کے درس سے فراغت حاصل کی‘ پھر ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ محمود حسن صاحب ٹونکی مصنف معجم المصنفین‘ برادر معظم حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب کی خدمت میں حیدر آباد دکن پہنچا‘ اور

چار سال کامل علامہ موصوف کی زیر نگرانی ان کی کتاب معجم المصنفین کی تدوین و تالیف میں کام کرتا رہا، ان چار سالوں میں علامہ موصوف سے جو استفادہ ہوا اس نے تاریخ علوم اور مصنفین اسلام سے پوری طرح روشناس کرا دیا، حضرت مولانا محمود حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس ناکارہ سے ایک گونہ تعلق تھا، اور میری تالیفات میں اگر کچھ علمی سرمایہ ہے تو یہ انہیں دونوں بزرگوں کا صدقہ ہے۔ (رحمهما الله رحمة واسعة وغفرلهما مغفرة واسعة)

پھر ۱۹۴۲ء کی ابتدا سے ندوۃ المصنفین دہلی کا رفیق ہو گیا اور لغات القرآن کی چار جلدیں اس ناکارہ کے قلم سے نکلیں، ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں پاکستان آگیا، دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی ابتدا ہوئی تو شروع کے دو سالوں میں وہاں تدریس کی خدمت بھی انجام دی، اور فقہ، اصول فقہ، نحو اور منطق کی کتابیں پڑھائیں، اصول حدیث میں مقدمہ ابن صلاح کا درس بھی دیا، پھر ۱۹۵۵ء سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی سے تعلق ہو گیا، اور وہاں رہ کر فقہ، حدیث اور اصول حدیث کی کتابیں پڑھاتا رہا، علم حدیث میں بجز صحیح بخاری کے حدیث کی تمام متداول کتابیں مدرسہ مذکور میں پڑھانے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں، اسی زمانے میں

سندھی ادبی بورڈ کی شائع کردہ عربی کتب کے تحشیہ و تصحیح کا کام بھی انجام دیتا رہا' سال رواں (۱۹۶۳ء) کے ستمبر سے جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے تعلق ہو گیا ہے اور یہاں ریڈر کی حیثیت سے مامور ہوں' اور حدیث واصول حدیث کے درس میں مشغول ہوں' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اب تک جو حقیر سی علمی خدمت اس ناکارہ نے انجام دی اس کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور آئندہ کے لئے مرضیات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین۔

تصنیفات: میری تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱:-لغات القرآن (اردو) جلد اول' دوم' سوم وچہارم' شائع کردہ ندوۃ المصنفین' دہلی'

۲:-امام ابن ماجہ اور علم حدیث (اردو) شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' آرام باغ' کراچی

۳:......ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ (عربی) یہ سنن ابن ماجہ کا مقدمہ ہے' جو حجیت حدیث' تاریخ حدیث' ابن ماجہ کی سوانح عمری اور ان کی سنن کے تعارف پر مشتمل ہے۔

۴:......التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات۔ (عربی) دو ضخیم جلدوں میں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو چکی ہے' یہ کتاب

دراسات کے مباحث پر تنقید ہے، اس میں ایک سو صفحے کا مقدمہ بھی ہے، جس میں ملا معین کی سوانح اور ان کی کتاب دراسات کا تعارف ہے۔

...التعليق القويم على مقدمة كتاب التعليم۔ علامہ مسعود بن شیبہ کی بڑی محققانہ کتاب ہے جو امام الحرمین جوینی کی "مغيث الخلق الى الحق" اور امام غزالیؒ کی المنخول کے جواب میں ہے۔ التعليق القويم اس کا نہایت مفصل ومدلل حاشیہ ہے جو عنقریب سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہوگا، اس کے علاوہ میرے مضامین ومقالات کا ایک طویل سلسلہ ہے ....

مولانا قدیر بخش صاحب بدایونی مرحوم سے جو کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں وہ درج ذیل ہیں:

صرف میں: میزان سے لیکر مراح الارواح تک۔ نحو میں: نحو میر سے لے کر کافیہ اور زمخشری کی مفصل تک۔ معانی میں: مختصر المعانی اور مطول۔ ہیئت میں: تصریح۔ منطق میں: مرقات سے لیکر بحر العلوم شرح سلم تک۔ فلسفہ میں: شمس بازغہ اور شرح اشارات للطوسی۔ اسرار شریعت: حجۃ اللہ البالغہ۔ تفسیر میں: بیضاوی تک۔ حدیث میں: مشکوۃ، موطا اور بخاری کے ابتدائی اوراق۔ اصول حدیث: شرح نخبة۔ فقہ میں:

ہدایہ تک۔ اصول فقہ میں: نورالانوار اور توضیح و تلویح کے ابتدائی اوراق۔ مناظرہ میں: رشیدیہ۔ کلام میں: شرح عقائدنسفیہ، تمہید ابو شکور سالمی۔ ادب میں: مقامات حریری، سبعہ معلقہ، دیوان حماسہ، دیوان متنبی، الکامل للمبرد اور بعض دیگر کتابیں۔ فارسی ادب میں: بوستان۔ تاریخ میں: تاریخ خلفا، محاضرات خضری، مقدمہ ابن الخلدون، فتوح البلدان بلاذری۔ فرائض میں: سراجیہ، شریفیہ"۔

حضرت مرحوم کی یہ تحریر ۱۹۶۳ء کی ہے، جو حضرت کے صاحبزادہ گرامی جناب پروفیسر عبدالشہید صاحب نے ہمیں مہیا فرمائی، آپ نے جب یہ تحریر سپرد قلم فرمائی تھی اس وقت آپ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے، جامعہ اسلامیہ بہاول پور سے تعلق منقطع ہوا تو آپ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں شعبہ تخصص کا نگران اور استاد مقرر کیا گیا، آپ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۳ء تک ماہنامہ "بینات" کے مدیر اور مرتب بھی رہے، اور اس دوران آپ کے متعدد علمی مفاخر شرف صدور لائے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں کمالات و خصوصیات سے نوازا تھا، آپ کی شخصیت سراپا علم وادب سے عبارت تھی، آپ خالص علمی اور محققانہ مزاج کے حامل تھے، آپ جہاں اور جس مجلس میں تشریف لے جاتے میر مجلس ہوتے۔ آپ لمحات زندگی کو ضائع کرنے کے ہرگز روادار نہ تھے، آپ جس طرح خود کام

آپ عمر بھر موفق للخیر رہے' قرآن وسنت کی تعلیم وتدریس کے ساتھ احقاق حق اور تردید باطل آپؒ کا شعار و مزاج رہا۔

آپؒ کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے جو عربی کے علاوہ اردو میں بھی ہیں آپؒ کے برادر خورد جناب مظفر لطیف صاحب "مقالات نعمانی" کے نام سے ان کو شائع کررہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضرت مرحوم کے وہ مقالات ومضامین جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ان کو بھی شائع کیا جائے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کی یہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ آپؒ کا چہرہ نہایت خوبصورت اور سرخ وسفید اور بے حد منور ہوگیا' ہزاروں لوگوں نے آپ کا خوبصورت نورانی چہرہ دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے' بلاشبہ یہ ان کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت' قرآن وسنت' حضرت سادات اہل بیت اور فقہاامت سے والہانہ عقیدت ومحبت کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کو ان کے حسن باطنی اور اس کی رعنائی کی ایک جھلک دکھادی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ اپنی رضا اور رضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے' آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاخریٰ۔۱۴۲۰ھ)

مولانا مفتی محمد ولی درویشؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، حضرت بنوری قدس سرہ کے شاگرد رشید، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسنؒ کے تربیت یافتہ، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حدیث و تفسیر، عالم دین، لائق و تجربہ کار مدرس' جامعہ علوم اسلامیہ کے شعبہ تخصص دعوت والارشاد، کے نگران، مجاہد افغانستان اور ہمارے رفیق ودوست، حضرت مولانا مفتی محمد ولی درویش رحمتہ اللہ علیہ جمعرات ۷ رجمادی الاول ۱۴۲۰ھ صبح نماز فجر کے وقت سرزمین جہاد افغانستان، قندھار میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

ہمارے دوست اور رفیق کار مولانا مفتی محمد ولی درویش مرحوم اگرچہ عوامی حلقوں میں کسی خاص شہرت کے حامل نہ تھے لیکن اگر ان کی زندگی کے گمنام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ موصوف ایک بلند قامت انسان اور اکابر اسلاف کی زندہ مثال تھے، طبیعت میں نہایت سادگی تھی، زہد و قناعت اور اعتدال و میانہ روی کے کوہ گراں تھے، درس و تدریس اور بحث و تحقیق ان کا خاص مزاج تھا۔

لمحات زندگی اور عمر رواں کے بے حد قدر دان تھے، ان کا اپنی مادر علمی، اساتذہ علم اور مسلک حنفی سے عشق و محبت اور عقیدت کا تعلق مثالی تھا۔

آپ کو بڑی عمر میں، اور دوران ملازمت علوم نبوت کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا، اس مبارک ذوق کی تکمیل کی غرض سے آپ نے ملازمت کو خیرباد کہا اور اپنے آپ کو طلب علم کے لیے وقف کر دیا، جامعہ علوم اسلامیہ میں داخل ہو کر درس نظامی کی تعلیم میں مصروف ہو گئے، اور اس ذوق و شوق سے پڑھا کہ پڑھنے کا حق ادا کر دیا' شروع ہی سے آپ کو بحث و تحقیق اور مطالعہ سے لگن تھی' آپؒ فرماتے تھے کہ میں نے زمانہ طالب علمی میں تین بار پوری سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی سیرت مبارک سے آپ کے عشق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ درجہ ثالثہ تک جامعہ علوم اسلامیہ اور مجلس دعوت و تحقیق جیسی دو بڑی لائبریریوں میں موجود تمام سیرت کی کتابوں کا مطالعہ فرما لیا۔

آپ بنیادی طور پر ضلع سوات کے علاقہ بٹ خیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر اپنے ذوق علم و ادب کی تکمیل کی غرض سے جس دن جامعہ میں داخل ہوئے اس دن سے آپ نے گویا اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بزم علم و ادب کو سینہ سے لگا لیا' اور تادم واپسیں اپنی مادر علمی سے جدائی گوارہ نہ کی۔

آپ کے اس ذوق علم و ادب اور علمی استعداد و قابلیت کے پیش نظر آپ کے اساتذہ نے آپ کو جامعہ علوم اسلامیہ میں استاذ و مدرس منتخب کیا۔ خداداد استعداد و صلاحیت' اور درس و تدریس سے شغف و محبت نے ان کے جوہر علم

کو جلا بخشی، اور بہت جلد انہیں جامعہ جیسی عظیم دینی درسگاہ کے مفتی، بڑے استاذ اور تخصص دعوت والارشاد، کے نگران کے عظیم مناسب پر فائز کردیا گیا ہے۔

آپ خوش مزاج، نفیس طنز و مزاح کے حامل اور بہترین انشاپرداز تھے۔

آپ جہاں بہترین مدرس تھے، وہاں تصنیف و تالیف کا ستھرا ذوق رکھتے تھے خصوصاً سلف بیزار حضرات کے خلاف تیغ براں تھے آپ کا جلالین کا درس نہایت مقبول تھا، طلبہ اپنی دن بھر کی تھکاوٹ ان کے درس کی رعنائی سے اتارتے آپ جہاں طلبہ کے حق میں شفیق تھے وہاں ان کے اوقات اور ان کی دینی اور ادبی تربیت کا خیال رکھتے تھے۔

وہ شب زندہ دار اور باخدا انسان تھے، ان کے ذمہ جہاں اتنی بھاری ذمہ داریاں تھیں وہاں وہ اپنی ذاتی زندگی میں نہایت پارسا اور قناعت واستغنی کا مثالی نمونہ تھے۔ وہ طلبہ کی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح سے غافل نہ تھے۔ نماز کے ساتھ ان کا خاص شغف تھا، تکبیر اولیٰ اور صف اول ان کی کمزوری تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ اذان ہو جائے اور وہ مسجد میں نہ ہوں، اذان ہوتے ہی وہ مسجد میں ہوتے، کیسی ہی ضروری میٹنگ اور اجلاس کیوں نہ ہو، اذان ہوتے ہی اس سے اٹھ کر مسجد پہنچ جاتے، بلاشبہ وہ "رجل قلبه معلق بالمسجد" کا صحیح مصداق تھے۔ آپ عربی، فارسی اور پشتو کے بہترین شاعر تھے، آپ کو فقہ وفتاویٰ سے خاص مناسبت تھی۔ آپ جامعہ علوم اسلامیہ کے صحیح وفادار اور جاں نثار چشم وچراغ تھے، زندگی بھر اپنی صلاحیتوں کو جامعہ کے لئے وقف کئے رکھا۔

آپ کی تصنیفات میں چند ایک شائع ہو کر اہل علم سے داد تحسین حاصل

کرچکی ہیں‘ جب کہ بیشتر ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں‘ ان کی جو کتب شائع ہوچکی ہیں ان میں سے درج ذیل قابل ذکر ہیں :

۱ :... پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مونخ (پشتو)‘

۲ :... القول السدید فی اثبات التقلید‘

۳ :... فقہی پہیلیاں‘

۴ :... کیا نماز جنازہ میں فاتحہ سنت ہے ؟

۵ :... اپنے گھر کی اصلاح کیجئے۔

مولانا مرحوم ‘شروع ہی سے جہاد افغانستان سے وابستہ تھے‘اور اکثر وبیشتر چھٹیوں میں اپنے اس شوق کی تکمیل کے لئے افغانستان تشریف لے جاتے۔ موصوف ایک عرصہ سے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے‘مگر بایں ہمہ یہ امراض ان کے اس شوق اور جذبہ شہادت کی تکمیل میں کبھی رکاوٹ نہیں بن سکے۔اس بار مدرسہ کے شش ماہی امتحان کی تعطیلات کو کام میں لانے کے لئے آپ قندھار تشریف لے گئے‘ رات کو پہنچے ‘سحری کے وقت تہجد کے لئے اٹھے ‘نوافل ادا کئے ‘مگر طبیعت کسی قدر مضمحل تھی‘ رفقا کو بتلایا‘ڈاکٹر کی تلاش کی گئی‘ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی وہ اپنا سفر زندگی مکمل کر کے خالق حقیقی سے جاملے‘ اسی دن ان کی نعش ان کے آبائی گاؤں لے جائی گئی ‘ جہاں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کے مدیر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ‘شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی‘ برادرم مولانا عطاء الرحمٰن اور مولانا امداد اللہ صاحب نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور اسی شام ہی اس

سراپا علم و عمل کو عقیدت مندوں اور شاگردوں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واکرم نزلہ'

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ رضا ور ضوان کا معاملہ فرمائے' اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' اور ان کے پسماندگان کی کفایت فرمائے آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ)

مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کے مسترشد وشاگرد رشید، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایہ ناز سپوت 'جمعیت علمائے اسلام کے ڈپٹی سیکریٹری، مدرسہ تعلیم القرآن بازہ گیٹ پشاور کے بانی و مہتمم، محسن چترال حضرت اقدس حافظ مولانا عبید اللہ چترالی کو بروز جمعرات ۷ر جمادی الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹ر اگست ۱۹۹۹ء ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت، ان کے آبائی گاؤں زیئت تحصیل مستوج ضلع چترال میں شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبید اللہ چترالیؒ ۱۹۵۱ء میں ایک باخدا عالم دین اور تقویٰ وطہارت کے علم بردار حضرت مولانا فیض اللہ چترالیؒ کے گھر میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد نے اپنے اس اکلوتے بیٹے کی شروع سے اس انداز کی تربیت کی کہ آگے چل کر وہ بہترین عالم اور بے مثال مجاہد ثابت ہوئے، آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور علاقہ کے ابتدائی مدارس میں ہوئی۔ بڑی کتابوں اور فنون کے اسباق کے لئے شب قدر، چکیسر، مارتونگ، دارالعلوم سرحد کا سفر کیا، دورہ حدیث

شریف کے لئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اساتذہ علم وفضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے اور ۱۹۷۵ء میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اور سرحد کے متعدد دینی وعلمی مراکز میں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس کر کے اپنی علمی وتدریسی استعداد کا لوہا منوایا، اور بالآخر آپ نے پشاور شہر میں "مدرسہ تعلیم القرآن باڑہ گیٹ" کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی، اور تادم واپسیں اس کے مہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے اس سے منسلک رہے۔

مولانا مرحوم چونکہ چترال کے اس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے جہاں آغاخانیوں کی اسلام کش تحریک عروج پر تھی، اور مسلمان دشمنی کے مظاہر عام تھے، آغاخانی نہایت منظّم طور پر مسلمانوں کا استحصال کرتے نظر آتے تھے، اس لئے مولانا مرحوم کے دل میں شروع سے ہی اس باطنی تحریک کے خلاف نفرت اور مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لئے مولانا موصوف نے زمانہ تعلیم سے مسلمانوں کو اس خطرناک تحریک کے بھیانک نتائج ومقاصد اور اس کے بدترین عواقب سے آگاہ کرنا اپنا دینی وملی فرض سمجھا۔

شہید اسلام حضرت مولانا عبید اللہ چترالی قدس سرہ چونکہ ایک باخدا عالم دین اور قوم وملت کا درد رکھنے والے عظیم انسان تھے، اس لئے ان سے مسلمانوں کی بے بسی اور اسلام دشمن قوتوں کی چابکدستی دیکھی نہ گئی، اور نہایت مشکل حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں آپ قوم وملک کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور وقت کے طاغوت، نہایت منظّم ومال دار تحریک اور سازشی

گروہ کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے، آپ نے آغاخانیوں اور باطنیوں سے ٹکر لی، ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے، ان کے خطرناک عزائم اور اسلام کش حربوں کو ناکام بنادیا۔

آغاخانی اور اسماعیلی دنیا کی وہ مال دار قوم ہے، جو اپنا ہر کام مال و دولت کے زور پر کرنا جانتی ہے، یہ قوم اپنی سازشوں اور منافقانہ کردار میں یہودیوں سے کسی طرح کم نہیں، حسن بن صباح کی اس ذریت نے اپنی راہ کی رکاوٹ کو کبھی برداشت نہیں کیا، ضرورت ہو تو یہ قوم، اپنے مال و زر سے اقوام و ممالک اور حکومتوں کو خریدنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

آغاخانیوں کا منصوبہ تھا کہ کسی طرح پاکستان میں ان کی آزاد اور خود مختار ریاست قائم ہو جائے، انہیں ان کے آقاؤں کی آشیرباد حاصل تھی، چترال، گلگت اور ہنزہ کی شاندار پٹی پر ان کی نگاہ تھی، ان کا خیال تھا کہ یہاں کی مسلمان آبادی وسائل کی قلت اور علم وآگہی کی کمی کا شکار ہے، ان کو بآسانی شکار کیا جاسکتا ہے، اس لئے انہوں نے وہاں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں، امریکہ بہادر اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر ان کی پشت پر تھا، رفاہی کاموں، اسکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور مختلف ناموں سے انہوں نے اپنے منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔

آغاخان فاؤنڈیشن کے نام سے انہوں نے مسلمانوں کے دین وایمان اور غیرت وحمیت کو خریدنے کے لئے اپنی دولت کے منہ کھول دیئے، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شہید اسلام حضرت مولانا عبداللہ چترالیؒ کو جنہوں نے

اس سفید ہاتھی کا مقابلہ کیا، اپنی عزت وآبرو اور جان ومال کا خیال کئے بغیر خم ٹھونک کر ان کے مقابلہ میں آگئے، اور ان کے ہر حربے کو ناکام بنادیا۔

مولانا مرحوم کو اس کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور مسلسل اٹھارہ سال تک چترال بدری کی اذیت ناک زندگی گزارنا پڑی، مگر وہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے، چترال سے دور رہ کر آپ نے مسلمانانِ چترال کے دین وایمان کا تحفظ کیا اور نئی نسل کے دلوں میں آغاخانیوں کے خلاف وہ نفرت بٹھادی کہ آج آغاخانی اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہیں، اور آغاخانی چترال میں اچھوت کی زندگی گزار رہے ہیں، آغاخانی، مولانا کو اپنی تحریک اور اپنے عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی سابقہ تاریخ کو دہراتے ہوئے انہیں شہید کردیا۔

اخباری اطلاعات اور ڈپٹی کمشنر چترال جناب شیر محمد صاحب کے بیان کے مطابق ان کے قاتل کو اس کے اپنے ساتھیوں نے ہی قتل کر کے اس قتل کو ہضم کرنے کی کوشش کی ہے، مگر انشاءاللہ حقائق نہیں چھپ سکیں گے، آج نہیں تو کل، ایک نہ ایک دن یہ سربستہ راز ضرور کھلیں گے، کیونکہ مولانا چترالی کا کوئی دشمن نہ تھا، وہ سرزمین چترال کے بے تاج بادشاہ اور مسلمانان چترال کے دلوں کی دھڑکن تھے، آغاخانیوں نے یہ قتل کر کے اپنے لئے مشکلات پیدا کی ہیں، مولانا نے جس خلوص واخلاص سے نوجوان نسل کی تربیت کی ہے، وہ اپنے پیچھے ہزاروں اور لاکھوں "مولانا چترالی" چھوڑ گئے ہیں جو ان کے جلائے ہوئے چراغ ہدایت کو کبھی گل نہیں ہونے دیں گے۔

حکومت پاکستان کو چاہئے کہ اس درندگی کا سدباب کرے اور ناحق بہنے والے اس خون کا فوراً بدلہ چکائے، ورنہ اگر یہ روش چل نکلی تو قوم وملک، حکومت پاکستان اور آغاخانی اقلیت کے لئے نہایت نقصان دہ ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو گوناگوں خصوصیات وکمالات سے نوازا تھا، مولانا جہاں بہترین سیاست دان تھے، وہاں ایک بہترین مدبر ومنتظم بھی تھے، مولانا کا مدرسہ، اور اس کا حسن انتظام ان کی لیاقت وتدبیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مولانا اپنی سیاسی اور ملی مصروفیات کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کے میدان میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے، آپ کا شرح جامی کا درس نہایت مشہور تھا، سینکڑوں طلبہ صرف آپ کے شرح جامی کے سبق میں شرکت کے لئے مدرسہ میں آتے۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ اپنے اکابر اساتذہ کے سامنے اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھتے تھے، اور اپنی شخصیت وحیثیت کو صفر سمجھتے تھے، چنانچہ ہمارے رفیق اور دوست مولانا قاری فیض اللہ چترالی صاحب نے بتلایا کہ ان کے مدرسہ میں کئی سال سے مشکوۃ شریف تک کے اسباق ہورہے ہیں ان سے کسی نے کہا کہ آپکے پاس مشکوٰۃ، کا درجہ مضبوط ہے، آپ دورۂ حدیث کیوں شروع نہیں کرلیتے؟ آپ نے فرمایا: جب تک میرے اساتذۂ حدیث موجود ہیں، ان کے سامنے میں اپنے مدرسہ میں درس بخاری شروع کرنے کو بے ادبی سمجھتا ہوں، مجھے زیب نہیں دیتا کہ میرے اکابر جو عالی سند کے حامل ہیں ان کی موجودگی میں اپنی سند حدیث بیان کرنا شروع کردوں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیأت کو مبدل بہ حسنات فرماکر ان کے ساتھ

رضا ور ضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے ان مفاخر علمی کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الآخری ۱۴۲۰ھ)

مولانا سید عطاءالمحسن شاہ بخاریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

مجلس احرار اسلام کے امیر'مدرسہ معمورہ ملتان کے بانی و مدیر اور متعدد دینی مدارس و مراکز کے سرپرست'ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے روح رواں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا سید عطاءالمحسن شاہ بخاری بروز جمعہ ۱۲ر نومبر ۱۹۹۹ء کو نشتر ہسپتال ملتان میں رحلت فرماگئے'انااللہ واناالیہ راجعون۔ ان للہ مااخذ ولہ اعطی و کل شئ عندہ'باجل مسمی۔

مولانا سید عطاءالمحسن شاہ بخاریؒ ۲۰فروری ۱۹۳۸ء کو امرتسر میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے ہاں پیدا ہوئے نو سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ پاکستان ہجرت فرمائی'پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے دینی علوم کی تکمیل فرمائی۔ حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے اور وقت کے اکابر علماٗ دیوبند سے اکتساب فیض کیا۔

فراغت کے بعد متعدد دینی'علمی اور سیاسی میدانوں میں اپنی صلاحیتوں

کے جوہر دکھلائے' تقریر و تحریر اور وعظ و بیان کے بادشاہ تھے۔ سحر آفرین خطابت اور خوش الحانی انہیں میراث میں ملی تھی۔ وہ جب بولتے تو بولنے کا حق ادا کرتے' یوں محسوس ہوتا جیسے الفاظ و حروف ان کے سامنے پرا باندھے کھڑے ہیں' وہ نہ صرف خطیب تھے بلکہ شہنشاہ خطابت تھے، وہ قرآن پڑھتے تو آسمان سے فرشتے اترتے محسوس ہوتے' یوں لگتا جیسے ایک لمحہ کے لئے زمین و آسمان ساکت و صامت ہو گئے ہیں' وہ اسلام دشمن قوتوں کے لئے تیغ براں تھے' ان کے رگ و ریشہ سے اسلامی غیرت و حمیت ٹپکتی تھی۔ سارقین نبوت ہوں یا صحابہ کرام کے باغی' مرزائے قادیان کی اولاد ہو یا عبداللہ بن سبا کی ذریت، وہ سب کے لئے موت کا پیغام تھے۔ کسی بھی باطل و گمراہ تحریک اور جماعت کا تعاقب کرتے تو اسے انجام تک پہنچائے بغیر دم نہ لیتے۔ مغربی طرز حکومت اور جمہوریت کے خلاف بولتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ان میں شیخ الاسلام امام غزالیؒ و رازیؒ کی روح بول رہی ہے۔ غرض وہ بے باک عالم دین' اور حضرت امیر شریعتؒ کے سچے جانشین اور علم و فضل کے کوہ گراں تھے، وہ کئی مدارس کے سرپرست، مجلس احرار اسلام کے امیر تھے۔ کئی اخبارات کے کالم نگار اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے مدیر۔ خاندان نبوت کا خاصہ زہد و استغنا' ان کے روئیں روئیں سے ٹپکتا' وہ ہمیشہ جاہ و منصب سے کوسوں دور' سادہ زندگی اور بے تکلف طرز حیات کے قائل تھے، ہمیشہ بر سر اقتدار طبقہ اور اصحاب ثروت سے کنارہ کش رہے، ان کی وجاہت اور حسن و رعنائی دیکھ کر ان پر حضرت امیر شریعتؒ کا شبہ ہوتا تھا۔

اگرچہ مولانا مرحوم کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی مگر اپنے خواہر زادہ جناب

سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری کو انہوں نے اپنا بیٹا بنایا تھا، ان کے خدام نے بتلایا کہ انہوں نے اپنی ہمشیرہ صاحبہ سے یہ کہہ کر ان سے بیٹا لیا تھا کہ میں جیسا کچھ ہوں، انشاء اللہ اور کچھ نہیں تو اسے اپنے جیسا مولوی بنا دوں گا۔

چند سال قبل اہلیہ مرحومہ داغ مفارقت دے گئی تھیں، اور اب کچھ دنوں سے شوگر کا عارضہ لاحق تھا۔ ایک صاحب نے بتلایا کہ اسی بیماری کے دنوں میں ان کے خدمت میں حاضری دی اور طبیعت پوچھی تو ایک زوردار قہقہہ لگایا اور فرمایا اب صحت کیسی؟ اب تو جانے کا وقت ہے، اب تو تیاری ہے۔ آخری دنوں میں خدام نے ہسپتال میں لے جانے کی درخواست کی تو منع فرمایا' جب بہت اصرار ہوا تو مان گئے، آخری دن نشتر ہسپتال میں تمام اعزہ کو بلایا اور فرمایا الحمد للہ میں نے کسی کا کچھ نہیں دینا اور مجھ پر کسی کا کوئی قرض نہیں ہے۔ مسجد، مدرسہ اور جماعت کا حساب موجود ہے اور وہ بے باک ہے، اب مجھ پر جان کنی کا عالم ہے، اور میری روح پاؤں سے لے کر ناف تک نکل چکی ہے، پھر سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میری روح یہاں تک نکل چکی ہے پھر کلمہ پڑھا اور فرمایا گواہ رہنا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا، اور کلمہ پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

دوسرے دن صبح نو بجے ڈویژنل اسپورٹس گراؤنڈ ملتان میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور لاکھوں عقیدت مندوں کی موجودگی میں انہیں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما کر ان کے

ساتھ رضا ور ضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پسماندگان اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

اللهم اغفرله وارحمه ، وعافه،واعف عنه، واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الخطايا كمانقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراخيرامن داره واهلاخيرامن اهله وزوجاخيرامن زوجه وادخله الجنة۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمدو آله واصحابه اجمعين .

(ماہنامہ بینات کراچی رمضان ۱۴۲۰ھ)

قاری عبد الغفار رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حضرت بنوری قدس سرہ کے قدیم رفیق اور معتمد خادم، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبہ حفظ کے قدیم استاذ اور استاذ الاساتذہ جناب قاری عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۴/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپؒ کی عمر مبارک ۷۵ سال تھی، ریاست گوالیار ہندوستان آپؒ کی جائے پیدائش تھی، آپ کے والد گرامی جناب شیر محمد صاحب نے آپ کو اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم دلائی، آپ نے ریاست گوالیار کے مشہور قاری جناب حافظ محمد عظیم صاحب سے، جو بڑے قاری صاحب کہلاتے تھے، حفظ مکمل فرمایا۔

۱۹۵۳ء میں پاکستان ہجرت فرما کر سیدھے کراچی تشریف لائے، لیاقت آباد کراچی میں جامع مسجد طیبہ کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے، اہل بدعت سے خوب خوب معرکے کئے، مگر نیرنگی دوران کہئے یا ارباب حکومت کی نااہلی کہ وہ مسجد اہل بدعت کے قبضہ میں چلی گئی۔ لیکن آپ پھر بھی دل برداشتہ نہیں ہوئے، آپ مدینہ مسجد لیاقت آباد سے منسلک ہو گئے اور معذوری تک اس مسجد کے امام و خطیب رہے

آج سے چالیس سال پہلے آپ حضرت اقدس محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے قائم کردہ گلشن علوم نبوت جامعہ علوم اسلامیہ کے شعبہ حفظ سے منسلک ہوگئے اور محبت وعقیدت، خلوص واخلاص اور عہد ووفا کا یہ پیمان اس طرح نبھایا کہ تادم واپسیں اس کے ساتھ منسلک رہے۔

آپؒ کی کلاس کا ماحول مشہور تھا، آپ دن کو پڑھاتے اور رات کو مصلے پر کھڑے ہوکر اپنے طلبہ کیلئے اللہ سے مانگتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان میں سے اکثر مدرس ہیں۔ ان کی کلاس سے کوئی محروم نہیں گیا، جو کہیں نہ پڑھتا وہ ان کے ہاں پڑھتا، ان کے شاگردوں نے بتلایا کہ ان کی ایک عجیب اور مافوق الفطرت یہ صفت دیکھی کہ گہری نیند سوتے ہوئے بھی اذان ہوجاتی تو پوری اذان کا جواب دیتے اور دعا وسیلہ پڑھتے اور اذان کے ٹھیک پانچ منٹ بعد جاگ جاتے۔

آپؒ علماء کے قدردان تھے، نہایت کم گو مگر خندہ رو تھے، وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ بچوں جیسا معاملہ فرماتے۔ ایک سال قبل آپ کی اہلیہ مرحومہ داغ مفارقت دے گئی تھیں، آپ پر اس کا بھی گہرا اثر تھا۔ چند سال سے آپ کو گھٹنوں کی تکلیف کا عارضہ تھا جس کی بدولت امامت سے خود ہی الگ ہوگئے، مگر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی تدریس سے قطع تعلق برداشت نہیں ہوا، جیسے کیسے روزانہ اپنے وقت پر درس گاہ میں حاضر ہوتے اور شام کو گھر واپس تشریف لے جاتے۔

۴ر رمضان المبارک بروز پیر صبح روزہ رکھا، نماز فجر ادا فرمائی، ایک پارہ

منزل پڑھی، سانس میں تکلیف ہوئی، صاحبزادہ صاحب ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لئے ٹیکسی لائے، آپ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور زور زور سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا اور سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ایسے لگا جیسے سو رہے ہوں، ہسپتال پہنچے تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اور یوں رحمت کے عشرہ میں رحمت الٰہی کے سائے میں چلے گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے دو صاحب زادگان جناب قاری عبدالحیٔ اور حافظ قمر الاسلام اور چار صاحبزادیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی زندگی بھر کی دینی خدمات اور قرآنی تدریس کو شرف قبول عطا فرما کر ان کی مغفرت فرمائے، انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی شوال ۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا سید
ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء جمعہ کے وقت، روزہ کی حالت میں اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صدر نشین، رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی رکن، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے صدر، مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے سربراہ، عربی اکیڈمی دمشق کے رکن، مجلس شوریٰ مدینہ یونیورسٹی کے رکن، مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، رابطہ الادب الاسلامی العالمیہ کے صدر، مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا کے رکن، سابق پروفیسر امارات اور وزیٹنگ پروفیسر مدینہ یونیورسٹی، آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر، عربی اردو میں بیسیوں کتابوں کے مصنف، عربیت کے امام، عالم اسلام کی عظیم علمی وروحانی شخصیت اور عظیم مفکر واسکالر، اقلیم علم کے تاجدار اور سرمایۂ ملت کے پاسبان حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی

قدس سرہ رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ان للہ ما اخذولہ ما اعطی و کل شئ عندہ باجل مسمیٰ۔

راقم الحروف نے کئی سال قبل "میرے حضرت بنوریؒ کی چند حسین یادیں" کے عنوان سے ماہنامہ "اقراڈائجسٹ" کیلئے لکھا تھا:

"حق تعالیٰ شانہ کے جو بے پایاں انعامات واحسانات اس ناکارہ کے شامل حال ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی محبت قلب میں ودیعت فرمائی اور ان سے ربط و تعلق نصیب فرمایا۔ فالحمد للہ ولہ الشکر۔ ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوراللہ مرقدہ یہ شعر کثرت سے پڑھتے تھے:

گرچہ ازنیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ، امام التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف الدھلوی نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ، اور اور حضرت اسلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نوراللہ مرقدہ۔ (شخصیات وتاثرات ص ۱۳۲، ۱۳۳)

مگر ہوش سنبھالنے کے بعد ان اکابر کے علاوہ پانچویں بزرگ، جن کے کمالات، علوم و معارف، فضل و احسان، ورع و تقویٰ، دعوت و عزیمت، حق گوئی و بے باکی، ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے گھلنے اور پگھلنے سے میں زیادہ متاثر ہوا، جن کی خدمات پر بے حد رشک آیا اور جن سے غائبانہ عقیدت، محبت میں بدل گئی' وہ حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی جامع الصفات اور ہمہ گیر شخصیت تھی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی المعروف بہ علی میاں قدس سرہ کے کس کس گوشہ حیات اور کمالات زندگی کو احاطہ تحریر میں لایا جائے؟ اسے کس طرح شروع کیا جائے؟ اور کہاں سے شروع کیا جائے؟ کچھ سمجھ نہیں آتا، زبان و قلم اور الفاظ و حروف ساتھ نہیں دے رہے۔ حضرت مرحوم کی وفات کا سانحہ جہاں ہندو پاک کے مسلمانوں کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے وہاں عرب و عجم اور شرق و غرب اور دنیائے اسلام کے مسلمان، اس صدمہ سے دوچار ہیں' حضرت مولانا علی میاں کی وفات سے ایک طرف اگر ان کے پسماندگان اور متعلقین غم زدہ ہیں، تو دوسری طرف ان کی وفات سے حجاز مقدس اور حرمین کے اکابر علماً اور ارباب اقتدار بھی اس صدمہ جانکاہ کو سہارنے کی ہمت نہیں پاتے، چنانچہ شیخ محمد بن عبداللہ السبیل صدر شئون حرمین شریفین اور مسجد حرام کے خطیب و امام، اس سانحہ پر اپنے تعزیتی مکتوب میں لکھتے ہیں:

"محترم علماء کرام، گرامی قدر ذمہ داران ندوۃ العلمأ اور ملت اسلامیہ ہند،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

شدید قلبی رنج واندوہ اور غم کے ساتھ عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کی خبر ملی، اللہ تعالیٰ اس عظیم صدمہ کو جھیلنے کی سکت آپ اور ہم سب کو عطا فرمائے، اور آپ اور تمام پس ماندگان کو بیش از بیش اجر سے نوازے اور اس خسارے کی تلافی فرمائے، ہم آپ سے تعزیت کرتے وقت خود بھی تعزیت کے مستحق ہیں بلکہ ساری امت اسلامیہ سے تعزیت کی جانی چاہئے۔ حضرت مولانا کا سانحۂ وفات ایک زبردست حادثہ ہے اور شدید آزمائش ہے جس سے تمام مسلمانان عالم اس وقت دوچار ہیں۔ اس لئے کہ مولانا مرحوم نے دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنی زبان و قلم اور جسم وجان کو وقف کر دیا تھا۔ اور اس میدان میں ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور تمام برادران اسلام کو اس صدمۂ جانکاہ کو سہارنے کی طاقت عطا کرے اوز عالم اسلام کی اس محرومی کی تلافی فرمائے۔

ہم اس موقع پر آپ کو یہ اطلاع بھی دینا چاہیں گے کہ خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبد العزیز فرماں روائے مملکت سعودی عرب نے حرم مکی ومدنی دونوں جگہ ۲۶؍

رمضان ۱۴۲۰ھ بروز دوشنبہ بعد نماز عشاً (یعنی ستائیسویں شب) حضرت مرحوم کے لئے غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم جاری فرمایا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور انہیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائے اور انہیں ابرار واتقیاً، شہدأ وصالحین کے ساتھ اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا بھائی

محمد بن عبداللہ السبیل

صدر امور حرمین شریفین، امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ"

(پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۶؍رمضان تا ۳ شوال ۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ تکیہ کلاں رائے بریلی انڈیا میں مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالحی ندویؒ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر بریلی میں اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی جناب حکیم عبدالعلی ندوی سے حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلمأ لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند سے تکمیل ہوئی۔ قرآن کریم کی تفسیر امام الاولیأ حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ سے پڑھی، حضرت لاہوریؒ سے ہی بیعت ہو کر مجاز بیعت قرار دئے گئے، بعد میں آپ نے قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور ان سے بھی خلافت واجازت کی خلعت سے سرفراز

ہوئے۔ علوم عالیہ وآلیہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ نے فن ادب عربی میں رسوخ حاصل کیا، بر صغیر اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیت جناب پروفیسر خلیل عرب سے آپ نے عربی پڑھی، اور اس میں اتنا کمال حاصل کیا کہ دنیائے عرب آپ کی فصاحت وبلاغت کا لوہا مانتی تھی۔ آپ کی تصانیف بر صغیر پاک وہند سے زیادہ بلاد عرب میں محبوب ومقبول تھیں' بقول ایک عرب دانشور کے کہ:

"اگر اس دور میں جاہلی شعرا اور ائمہ لغت عربی ہوتے تو وہ آپ کو سجدہ کرتے۔"

آپ عوام وخواص اور عرب وعجم کے امام اور محبوب تھے۔ آپ کی خدمات جلیلہ کے عوض سعودی عرب کی جانب سے آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا، برونائی کے بادشاہ نے عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور خدمات عالیہ کے عوض آپ کو اپنے ملک کا سب سے بڑا ایوارڈ دیا، اسی طرح انہیں ابو ظہبی حکومت کی طرف سے بھی سب سے بڑے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، مگر ایوارڈوں سے حاصل ہونے والی لاکھوں ڈالر کی رقم حضرت مرحوم نے مجاہدین افغانستان اور دینی مدارس کو عطیہ کردی۔

لیکن جہاں تک حضرت مرحوم کی ذات، ان کی اولوالعزمی اور مرتبہ ومقام کا تعلق ہے، وہ دنیا کے بڑے سے بڑے انعام اور ایوارڈ سے بالاتر تھی۔ جن دنوں سعودی حکومت نے حضرت اقدس کو ان کی خدمات کے اعتراف میں شاہ فیصل ایوارڈ دیا تھا، انہیں دنوں راقم الحروف نے ماہنامہ بینات میں حضرت کی شخصیت سے متعلق جن تأثرات کا اظہار کیا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کردیا جائے۔

"سعودی حکومت کی جانب سے امسال "شاہ فیصل ایوارڈ" عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو دیا گیا۔ سعودی حکومت کی طرف سے معارف پروری کا یہ اظہار لائق تحسین ہے اور اسلامی حکومتوں کے لئے لائق تقلید بھی۔ جہاں تک مولانا کی ذات گرامی کا تعلق ہے ان کی شخصیت دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انعام سے بالاتر ہے۔ وہ اس قافلہ کے نمائندہ ہیں جو "ان اجری الا علی اللہ" کے فلسفے پر یقین رکھتا ہے اور جس کے نزدیک پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی۔ اس لئے ہمارے نزدیک "شاہ فیصل ایوارڈ" سے حضرت کی عزت ووقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا' بلکہ یہ اس ایوارڈ کے لئے باعث صد نازش ہے کہ مولانا نے اسے قبول فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت مولانا کو محض اپنی عنایت وموہبت سے، جن فطری خصائص وکمالات، جن ملکات حمیدہ اور جذبات صالحہ، جس سوزوگداز اور دردِ دل، جس قلب صافی اور نفس مطمئنہ سے نوازا ہے اور پھر ان کے سینہ بے کینہ میں اسلام اور عالم اسلام کی سربلندی اور اصلاح امت کے لئے گھلنے اور پگھلنے کی جو دولت ودیعت فرمائی ہے اور پھر ان کی زبان وقلم سے اسلام کی پیغام رسانی کا جو کام لیا ہے اس

کا اصل صلہ۔ اور بے حد و بے پایاں صلہ۔ ان کو خدا تعالیٰ کے سوا کون دے سکتا ہے؟ اور وہ آخرت کے سوا کہاں مل سکتا ہے؟ تاہم "ثم یوضع له القبول فی الارض" کے مطابق دنیا میں جو محبوبیت و مقبولیت انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ اسی موہبت کا ایک ثمرہ ہے۔ حضرت مولانا نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں مسلسل اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے۔ اور وہ پوری انسانیت کو اسلام کے خوان یغما پر جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ ہمیں کبھی امریکہ و لندن پہنچ کر "مغرب سے صاف صاف باتیں" کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی قاہرہ میں "اسمعی یا مصر" کی اذان دیتے ہیں۔ اور کبھی "اسمعوها منی صریحة ایها العرب" کے ذریعے معدن اسلام (عرب) کے نمائندوں کے مقتداؤں کو بیدار کرتے ہیں کبھی انہیں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کی کہانی سناتے ہیں۔ (جس کا ایک رخ وجد آفرین ہے تو دوسرا خون افشاں)۔ کبھی ان کے سامنے "تاریخ دعوت و عزیمت" کھول کر رکھتے ہیں۔ کبھی انہیں "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں۔ کبھی انہیں آج کے نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر "کاروان مدینہ" میں شامل ہونے کی دعوت دیتے

ہیں۔ الغرض مولانا کی دعوت شرق وغرب، عرب وعجم اور افریقہ وایشیا کی حد بندیوں سے بالاتر ہے، وہ پوری انسانیت کو۔ سسکتی بلکتی انسانیت کو۔ مادی زخموں سے چور چور انسانیت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں۔ سعودی حکومت اور دیگر اسلامی ممالک کی طرف سے مولانا موصوف کی دینی خدمات کی قدر دانی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دعوت کو اپنائیں جو مولانا مدظلہ کی طرف سے مسلسل پیش کی جارہی ہے، اور جس کے لئے ان کی پوری زندگی وقف ہے۔"

(شخصیات وتأثرات ص ۴۱۱، ۴۱۲)

حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کا اس ہیچ مدان کے ساتھ نہایت مشفقانہ تعلق تھا۔ وہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ ان کی حیثیت سے بڑھ کر اعزاز واکرام کا معاملہ فرماتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیات پر آپ کی عربی تصنیف "المرتضیٰ" شائع ہوئی تو اپنے دستخطوں کے ساتھ جناب مولانا قاری سید رشید الحسن صاحب زید مجدہم کی وساطت سے ناکارہ کو بھجوائی اور فرمائش کی کہ اس پر "بینات" میں تبصرہ کیا جائے۔ راقم الحروف نے اس کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا اور حضرت اقدس کو عریضہ لکھا کہ: اس کی تعریف میں کچھ کہنا: "مادح خورشید مداح خود است" کا مصداق ہوگا ماشاء اللہ کتاب میں بہت ہی اہم معلومات جمع ہوگئی ہیں اور نہایت الجھے ہوئے مضامین کو بہت ہی عمدہ اور سلجھے

ہوئے انداز میں پیش فرمانا آنجناب ہی کے لائق تھا۔

اس کے علاوہ غالباً کچھ طالب علمانہ اشکالات بھی پیش کئے، اس پر حضرت مرحوم نے اس ناکارہ کی جس طرح حوصلہ افزائی فرمائی وہ میری سوچ و فکر سے کہیں زیادہ اونچی تھی، چنانچہ حضرت مرحوم نے اس خط کی رسید بھیجتے ہوئے لکھا:

”رائے بریلی

فاضل گرامی و محبّ سامی جناب مولانا محمد یوسف صاحب

زیدت معالیکم.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ مؤرخہ ۲۱ جمادی الآخرۃ، مجھے ایک طویل سفر کی وجہ سے تاخیر سے ملا، پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، یہ کتاب کی پہلی رسید ہی نہیں سند بھی ہے، میں آپ کی پسندیدگی کو قبولیت کی ایک علامت سمجھتا ہوں، دوسرا ایڈیشن پریس جارہا ہے اس میں اہم تصحیحات اور بعض ترمیمات کردی گئی ہیں جن سے توازن واعتدال میں اضافہ ہوگیا ہے، انشاء اللہ طباعت کے بعد کتاب ارسال خدمت کی جائے گی۔ بینات میں تعارف کا اشتیاق رہے گا۔ ڈاکٹر زاہد علی صاحب کی کتاب (ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کی حقیقت“۔ ناقل) شائع کر کے آپ نے ایک اہم خدمت انجام دی ہے کتاب پہنچ گئی، میں نے ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کے پہلے حصہ میں

اس سے مدد لی تھی، اور اس کے اقتباسات پیش کئے تھے۔

کارڈ لکھنے کی معافی چاہتا ہوں اس لئے کہ اس کے جلد پہنچنے کی امید ہوتی ہے۔ والسلام۔

مخلص

ابوالحسن علی (۲۲؍ فروری ۱۹۸۹ء)

حضرتؒ کی وفات سے امت ایک عظیم رہبر و راہ نما اور مشفق و مربی سرپرست اور باخدا عارف ربانی سے محروم ہو گئی، اور مجالس علم و عرفان اور طبقہ اہل علم یتیم ہو گئے ہیں۔

حضرت مرحومؒ کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیا جو پوری ایک جماعت کے لئے مشکل ہے، یہ ان کی مقبولیت عند اللہ اور موفق من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ ان کے لمحات زندگی کو دین اور اشاعت دین کے لئے قبول فرما لیا گیا۔

حضرت مرحوم کی عمر اس وقت تقریباً ۸۵ برس تھی۔ دو سال قبل آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا، مگر صحت یاب ہو گئے تھے۔ ۲۲ / رمضان المبارک کو روزہ رکھا، طبیعت ہشاش بشاش تھی، غسل فرمایا، کپڑے تبدیل فرمائے سورۂ کہف کی تلاوت کا معمول تھا مگر اس دن سورۂ کہف سے پہلے سورۂ یٰسین شروع فرما دی۔ سورۂ یٰسین کی گیارہویں آیت "فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم" پر پہنچے ہی تھے کہ دل کے درد کی شکایت ہوئی، طبی امداد دینے کی کوشش سے پہلے ہی وہ روزہ کی حالت میں، تلاوت کرتے کرتے عین، جمعہ کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے

اور اپنے پسماندگان، متعلقین اور لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار اور یتیم چھوڑ کر جوار رحمت الٰہیہ میں چلے گئے۔ (فانالله وانااليه راجعون۔) اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ رضاور ضوان کا معاملہ فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ جامعہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ، کارکنان اور ادارۂ بینات حضرت کے پسماندگان سے دلی تعزیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت مولاناؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

(ماہنامہ بیّنات کراچی ذی قعدہ ۱۴۲۰)

مفتی محمد انور شاہ کے

والد ماجدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب سابق ناظم امتحانات وفاق المدارس ملتان، حال مفتی مجلس فقہی پاکستان، کے والد محترم مولانا محمد اکبر صاحبؒ تقریباً سو سال کی عمر میں عید کی رات سوا نو بجے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم فاضل دیوبند اور محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ غالباً آپؒ سرحد کے جنوبی اضلاع میں حضرت شاہ صاحبؒ کے آخری شاگرد تھے۔ مولانا مرحوم نے تمام عمر قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزاری۔ مرحوم کی سیاسی خدمات جمعیت علماء ہند اور جمعیت علمأ اسلام پاکستان پر محیط ہیں۔ مولانا مرحوم نے سامراجی حکومت کے خلاف تحریک آزادی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابر کے ساتھ دوش بدوش کام کیا، اور اپنے مشن اور اسلام کی سربلندی کی خاطر قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ قیام پاکستان کے بعد جمعیت علمأ اسلام پاکستان کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ مولانا

حضرت مولانا بدیع الزمانؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

ہمارے مخدوم ومحترم اور رفیق، حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے تلمیذوشاگرد رشید جامعہ علوم اسلامیہ کے استاذ حدیث اور ہردلعزیز شخصیت حضرت مولانا حافظ محمد بدیع الزمان قدس سرہ جمعرات ۲۶ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ مطابق ۳ فروری ۲۰۰۰ء بعد نماز عصر طویل علالت کے بعد راہی عالم آخرت ہوئے۔ اناللہ وانااليه راجعون۔ان لله مااخذوله مااعطى و كل شيءٍ عنده باجل مسمى۔

حضرت اقدس مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۱ء میں حضرت علامہ قاضی غلام رسول رحمہ اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے، آپ کا آبائی تعلق اٹک جیسی مردم خیز سرزمین سے تھا، حفظ وناظرہ کی تعلیم اپنے گاؤں رحمٰن آباد۔تلہ گنگ، ضلع چکوال، میں ہوئی، آپ کے والد ماجد مشہور عالم دین حضرت علامہ قاضی غلام رسول صاحبؒ چونکہ علوم عالیہ کے ساتھ ساتھ علوم آلیہ کے مشہور مدرس وفاضل اور فارسی ادب میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اس لئے حفظ وناظرہ کے بعد فارسی، اور درس نظامی کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد ہی کے پاس

پڑھیں۔

فنون اور دیگر بڑی کتابوں کی تعلیم کیلئے ٹمن، تلہ گنگ، واں بھچراں، ضلع میانوالی اور ملک کے مشہور ماہر فنون اور معقولات کے امام بابا "انی" والوں سے معقولات پڑھنے کے لئے گجرات کا سفر کیا، جب کہ حدیث کی تعلیم کے لئے آپ نے سندھ کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کا قصد کیا، جہاں اس وقت محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ ایسے صالحین امت جمع تھے یہاں آپ نے ان قدسی صفات اساتذہ علم وفضل سے اکتساب فیض کیا اور ۱۳۷۰ھ میں سند فراغ حاصل کی، آپ کو ان اکابرینؒ، خصوصاً حضرت بنوریؒ سے کس قدر اختصاص تھا؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو دارالعلوم کی جانب سے جاری کی گئی سند پر دستخط کرتے وقت محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ نے درج ذیل خصوصی نوٹ لکھا:

"باسمہ تعالیٰ"

"قرأعلیّ صاحب هذه الشهادة، النصف الآخر صحيح البخارى ،وسنن ابى داؤد،والمؤطين وشطراًمن كتاب مسلم ،وشيئاً من سنن النسائى وابن ماجه ،حين كنت مدرساً هناك، والآن نزولاًعلى رغبته اوقع على هذه الشهادة واجيزه بالاشتغال بكتب السنةمطالعتاً ودراستاًوتدريساًمع التزام الشروط المعتبرة عند سلفنا

المحدثین، وأسئل الله التوفیق والتصدیدله،ولنفسی فی

حیاتی۔والسلام

کتبہ:محمدیوسف البنوری

(۵؍رمضان ۱۳۷۴ھ)"

حضرت مولانا بدیع الزمانؒ اکابر علمأ دیوبند کے سچے جانشین ،ان کے علوم ومعارف کے پاسبان اوران کی روایات کے امین تھے ،آپ کی زندگی جہد مسلسل ، تقویٰ ،طہارت اور علم وعمل سے عبارت تھی،آپ کی شخصیت کی تعمیر میں جہاں آپ کے قدسی صفات اساتذہ کی شفقت ومحبت اوران کی محنت ولگن کا تعلق ہے ،وہاں اس میں آپ کے والدماجد حضرت علامہ قاضی غلام رسول صاحبؒ کی محنت ولگن اوردعائے نیم شبی اورآہ سحر گاہی کا بھی بہت بڑادخل ہے۔

آپ کے والدماجدؒ نے اپنے اس ہونہار فرزند کی تربیت شروع ہی سے اس انداز سے کی کہ آگے چل کران کے سرپر علم وفضل کی سیادت کا تاج سجایا گیا، اسی تربیت کا کرشمہ تھا کہ فراغت کے فوراًبعد ہی آپ کے اساتذہ نے آپ کو نئی نسل کی تعلیم وتربیت، تعمیرانسانیت اور شخصیت سازی کے عظیم کام کے لئے منتخب فرمایا۔

جب مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ پاکستان تشریف لائے اوردارالعلوم کی داغ بیل ڈالنے کاپروگرام طے ہوا، تواس کے لئے جن تین خوش قسمت اساتذۂ کرام کاسب سے پہلے انتخاب ہوا،ان میں سے ایک ہمارے ممدوح حضرت مولانا بدیع الزمانؒ تھے' یہ مدرسہ ابتدائی طورپر کچھ عرصہ تک

مسجد باب الاسلام برنس روڈ میں رہا، پھر نانک واڑہ میں منتقل ہو گیا، آپ نے تقریباً دس سال تک حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معیت وسرپرستی میں دار العلوم کراچی میں داد تحسین حاصل کی، علوم ومعارف کے موتی بکھیرے، اور علم وتحقیق کے جوہر دکھلائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مہتمم دارا[illegible] کراچی، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم اور جامعہ علوم اسلامیہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ آپ کے اسی دور کے تلامذہ میں سے ہیں۔

اسی اثنا میں مسجد باب السلام پی. ای. سی. ایچ. سوسائٹی میں آپ کی امامت وخطابت کی بات چلی تو مسجد کے متولی جناب الحاج رفعت احمد خان صاحب نے حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے کئی نام پیش کئے اور مشورہ کیا، تو مفتی صاحبؒ نے آپ کے تقرر کا مشورہ دیا، اور حضرت مولانا مرحوم کو بلایا اور بادل نخواستہ اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

"میرا اور میرے مدرسے کا فائدہ تو اس میں ہے کہ آپ کو مدرسہ سے جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہ دی جائے، مگر دیانت وامانت کا داعیہ اور عوام کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو امامت وخطابت سے روک کر امت مسلمہ کو آپ کے فیوض وبرکات سے محروم نہ رکھا جائے، اس لئے میں اپنے مدرسہ کے مفاد پر عوام کے نفع کو ترجیح دیتا ہوں۔"

جیسے ہی آپ دار العلوم نانک واڑہ سے سوسائٹی کی اس مسجد میں تشریف لائے، حضرت بنوریؒ جیسی جوہر شناس شخصیت کی عقابی نگاہوں نے آپ کو تاڑلیا، اور نئے سال سے آپ کو مدرسہ اسلامیہ، حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسند تدریس پر فائز فرمادیا گیا۔ جامعہ علوم اسلامیہ میں بحیثیت استاذ آپ کا تقریباً ۱۳۸۶ھ میں تقرر ہوا اور لگ بھگ ۲۸/۲۹ سال تک آپ نے اپنے شیخ کے انتخاب واعتماد کا خوب خوب حق ادا کیا۔

اس دوران آپ نے ابتدائی کتابوں سے لیکر دورۂ حدیث کی متعدد کتابوں کی کامیاب تدریس فرمائی، آپ اپنی خداداد صلاحیتوں، ذہانت وذکاوت، حلم ووقار، ادب وآداب اور دقیقہ رسی کے پیش نظر اساتذہ اور طلبہ میں یکساں محبوب ومقبول ہوگئے۔ آپ کی تدریس کا انداز اس قدر سہل، انوکھا، دل چسپ اور دل ربا ہوتا کہ ہر طالب علم کی خواہش ہوتی کہ میرا کوئی نہ کوئی سبق حضرت کے پاس ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفہیم کا ایسا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کتاب کا مشکل سے مشکل مقام چٹکیوں میں حل فرماتے، سبق کے دوران نہایت سبق آموز حکایات وواقعات سناتے، ایسا محسوس ہوتا جیسے "آکام المرجان"، "حیات الحیوان" اور ابن جوزیؒ کی "لطائف علمیہ" آپ کو ازبر ہیں، موقع کی مناسبت سے تاریخی واقعات، اور موجودہ حالات پر خوب جچے تلے الفاظ میں تبصرہ فرماتے، آپ طلبہ کو ہنساتے مگر خود صرف مسکراتے بعض اوقات سبق کے دوران خود روتے اور طلبہ کو بھی رلاتے، طلبہ آپ کی ہر بات پر جان نچھاور کرتے، اور آپ بھی طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح عزیز سمجھتے، ہمیشہ ان کے دین ودنیا کے مفاد کو پیش

نظر رکھتے، ان کی اصلاح وتربیت فرماتے۔

آپ کامیاب مدرس، بہترین محقق، باخدا روحانی بزرگ، اور راہ سلوک واحسان کے شناور تھے، آپ کی چال ڈھال اور رفتار وگفتار عین سنت کے مطابق ہوتی، ایسا محسوس ہوتا جیسے سنت نبوی کا آئینہ آپ کے سامنے ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر آپ اپنے گیسوؤ کاکل سنوار رہے ہیں، آپ کی زندگی نہایت سادہ مگر شخصیت بے حد اجلی اور نکھری تھی، جب تک صحت متحمل تھی ہمیشہ دو وقت مدرسہ میں تشریف لاتے مگر خود سائیکل چلا کر آتے۔ طمع ولالچ اور حرص وآز نام کی کوئی چیز آپ کے پاس سے نہیں گزری تھی۔ نام ونمود اور شہرت وخود پسندی سے کوسوں دور تھے، وقت کے ایسے پابند! مجال نہیں کہ سبق کا گھنٹہ بجے اور وہ کلاس میں نہ پہنچے ہوں۔ اپنے اساتذہ اور اکابر کا ایسا ادب کہ دارالحدیث کی جس مسند پر حضرت بنوری قدس سرہ سبق پڑھاتے اس پر نہ بیٹھتے بلکہ اس سے نیچے ہٹ کر سبق پڑھاتے۔ آپ کی انہیں خداداد صلاحیتوں، تقویٰ وطہارت، زہد واتقا، عجز وانکسار، للّٰہیت وخدا خوفی، اور بے نفسی کے پیش نظر آپ کے اکابر واصاغر نے متفقہ طور پر آپ کو جامعہ علوم اسلامیہ کی نظامت تعلیم کے منصب جلیل پر فائز فرمایا، آپ نے اپنی بہترین اور مدبرانہ صلاحیتوں کے پیش نظر کامیاب ناظم کا کردار ادا کیا۔

آپ پر ۱۹۷۹ء میں ایک قسم کا فالج سا ہوا، مقامی حکیموں، طبیبوں، اور ڈاکٹروں سے لے کر ملک بھر کے اونچے اونچے ڈاکٹروں کا علاج کرایا گیا مگر بیماری کی صحیح معنی میں تشخیص نہ ہو سکی، آپ نے علاج کی خاطر متعدد ممالک

کا سفر بھی کیا، چنانچہ اس غرض سے آپ نے دو بار ہندوستان، ۳ بار جنوبی افریقہ، اور ایک ایک بار انگلینڈ اور ری یونین، فرانس کا سفر کیا، جنوبی افریقہ میں ہی ڈاکٹروں نے "پارکن سن" نامی مرض کے نام سے آپؒ کی بیماری کی تشخیص کی، مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق بیماری کا حملہ روز افزوں ہوتا گیا اور وہ دوائیاں جن سے پہلے کچھ افاقہ ہوتا تھا، رفتہ رفتہ ان کی تاثیر کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ حضرت کا چلنا پھرنا بھی محدود ہو گیا اور ضعف و نقاہت میں اضافہ ہو گیا مگر بحمد اللہ تادم آخر آپ کا حافظہ، نظر و دماغ اور ہوش و حواس بالکل ٹھیک رہے، جب بھی کوئی اہل علم چلا جاتا اور کوئی علمی بحث چھیڑ دیتا حضرت نہایت وقار و متانت سے اس کی بات سنتے اور تشفی بخش جواب دیتے، حضرتؒ کے صبر و شکر کا یہ عالم تھا کہ اس شدید ترین بیماری کے دوران بھی کبھی تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ اس بیماری کے طویل عرصہ میں انتہائی ضبط اور کمال برداشت سے کام لیا، آپ کی زبان سے کبھی حرف شکایت نہیں سنا گیا، ہمیشہ صبر و شکر اور حمد و ثنا کے الفاظ ہی زبان پر ہوتے۔ جب بھی کسی نے طبیعت پوچھی اس انداز سے "الحمد للہ" فرماتے کہ سننے والا ان کے انداز شکر کو دیکھ کر ان کی شخصیت کا گرویدہ ہو جاتا۔

حضرت مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے نیک و صالح اولاد سے نوازا تھا، آپ کے تین صاحبزادے ہیں اور ماشاء اللہ تینوں عالم و فاضل ہیں جب کہ چار صاحبزادیاں ہیں جن میں سے دو عالمہ و فاضلہ اور درس نظامی کی تعلیم سے آراستہ ہیں۔

جمعرات کو آپ کا انتقال ہوا دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد مسجد

دار السلام میں نماز جنازہ ہوئی جس میں کراچی بھر کے عوام وخواص اور علماء کرام نے بھرپور شرکت کی اور دار العلوم کراچی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ رضا اور ضوان کا معاملہ فرما کر انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی وفات سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کے پر ہونے کی کوئی شکل پیدا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی کفایت فرمائے، اور ہم سب کو اپنے اکابر کے مشن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا عبدالحئ بہلویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

جمعرات ۱۹؍ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ کو مخدوم العلمأ و شمس العارفین حضرت اقدس مولانا محمد عبد اللہ بہلوی شجاع آبادی نور اللہ مرقدہ کے خلف اکبر وجانشین، قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز، جامعہ بہلویہ شجاع آباد کے بانی و مہتمم، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحئ بہلویؒ طویل علالت کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا عبدالحئ بہلوی رحمہ اللہ ۱۹۳۲ء میں حضرت بہلوی قدس سرہ کے یہاں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قرآن کریم سے کافیہ تک اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔ شرح جامی، قطبی، نور الانوار اور مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم کے لئے استاذ الکل حضرت مولانا غلام رسول صاحب پونٹوی قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے۔ معقولات اور دیگر کتب موقوف علیہ تک کی تعلیم حضرت مولانا امیر دامانیؒ صاحب ڈیرہ اسماعیل خان سے حاصل کی جب کہ دورۂ حدیث امیر العلمأ حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ کے ہاں ہوا۔

فراغت کے بعد اپنے والد ماجد کی قائم کردہ دینی درس گاہ مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد میں مدرس ہوئے، ابتدائی عربی فارسی سے لیکر دورۂ حدیث کی تقریباً تمام کتابیں پڑھائیں، اصلاح باطن کے لئے اپنے والد ماجد اور عظیم روحانی بزرگ حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ سے بیعت وارشاد کا تعلق قائم کیا، سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، اور سہروردیہ کے اسباق کی تکمیل کے بعد آپ کو اپنے والد صاحب کی طرف سے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا گیا۔ آخر میں حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی درخواست کی، حضرت نے بیعت فرماکر اسی وقت اجازت وخلافت کی خلعت سے بھی سرفراز فرمادیا۔ حضرت بہلوی قدس سرہ کو اپنے اس عالم وفاضل فرزند اور لائق وفائق صاحبزادہ کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی خانقاہ کا انتظام وانصرام اور مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد کی صدارت تدریس اور نظام تعلیم حضرت مولانا محمد عبدالحئی قدس سرہ کے سپرد فرمادی تھی، اسی طرح حضرتؒ نے شعبان رمضان کے دورۂ تفسیر کی ذمہ داری بھی آپ کے حوالہ کردی تھی، اس لئے آپ اپنے والد ماجدؒ کی زندگی ہی میں مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد کے استاذ حدیث والتفسیر تھے۔

آپؒ باخدا عالم ربانی اور عارف کامل تھے، ہزاروں افراد آپ کے حلقۂ ارادت سے منسلک تھے۔ رنگ وروپ، شکل وشباہت، انداز وبیان اور رفتار وگفتار میں اپنے والد ماجدؒ کی سچی تصویر تھے۔ جب حلقۂ ارادت بڑھا تو جگہ کی تنگی اور بعض دوسری مجبوریوں کی بنا پر آپ نے شہر سے باہر ملتان روڈ پر مستقل خانقاہ اور مدرسہ

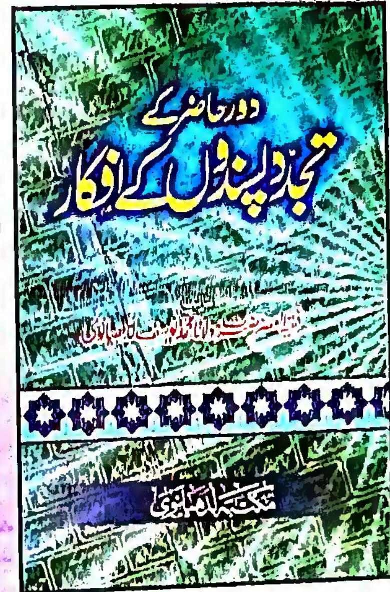
جامعہ بہلویہ کے نام سے ادارہ قائم فرمایا اور اب ایک عرصہ سے آپ وہاں قیام فرماتے۔

چار سال قبل آپؒ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے کسی قدر کمزوری ہو گئی تھی، تاہم اصلاح وارشاد اور وعظ و تلقین کی روحانی محفلوں میں رونق افروز رہتے، البتہ بیرونی اسفار سے پرہیز فرماتے، مگر ضعف وکمزوری روز بروز بڑھتی گئی، نقاہت کے باعث گزشتہ ایک سال سے تقریباً صاحب فراش تھے۔

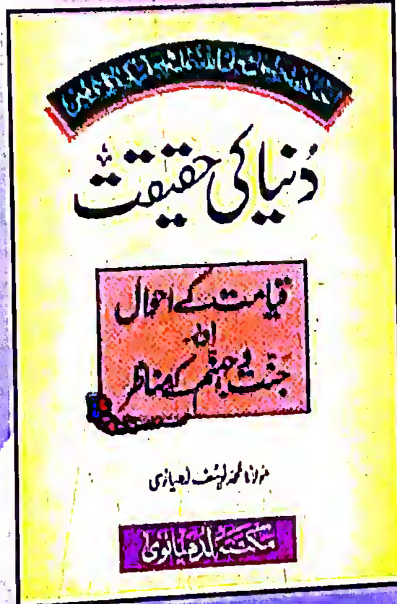
جمعرات ۱۹ر شوال ۱۴۲۰ھ کو ۶۸ سال کی عمر میں ہزاروں مریدین و متعلقین اور تلامذہ کو چھوڑ کر راہی عالم بقا ہو گئے۔ اگلے دن شجاع آباد میں آپ کا جنازہ ہوا اور شجاع آباد ہی میں آسودہ خاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور ان کی سیئات کو حسنات میں تبدیل فرما کر ان کے ساتھ رضا اور رضوان کا معاملہ فرمائیں، آمین۔

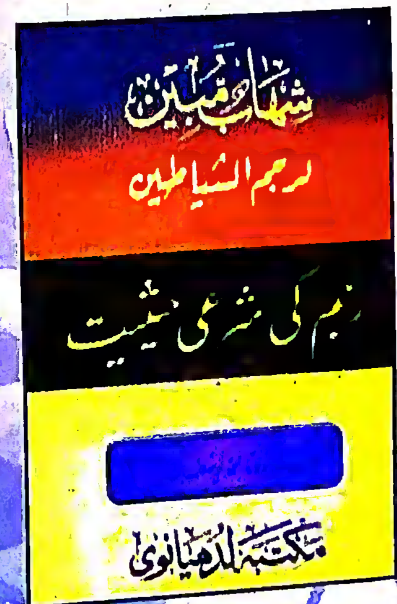
(ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ)

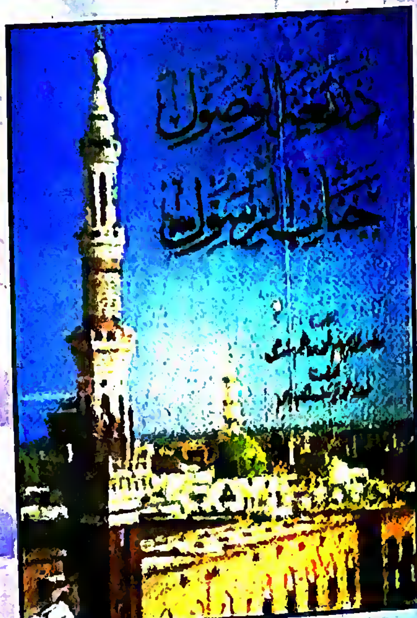

آپ کے مسائل
اور ان کا حل


دورِ حاضر کے
تجدد پسندوں کے افکار
مکتبہ لدھیانوی


گوھر شاھی


دُنیا کی حقیقت
قیامت کے احوال
اور
جنت و جہنم کے مناظر
مکتبہ لدھیانوی


شہابِ مبین
لرجم الشیاطین
مکتبہ لدھیانوی


ذریعۃ الوصول
الی جناب الرسول


حُسنِ یُوسف
جلد اول
مکتبہ لدھیانوی